وفیات نمبر

ماہنامہ

الحق

دار العلوم حقانیہؒ کے استاذ الحدیث، ادیبؒ دانشور اور ممتاز شاعرؒ کے تذکرہ وسوانح پر مشتمل

مولانا محمد ابراہیمؒ فانیؔ نمبر

یہ دیکھو بھی ذرا بر دوشِ تقدیر
محبّت کی جوانی کا جنازہ

بہت ہی دُھوم سے نکلا ستم ہے
حیاتِ جاودانی کا جنازہ

عجب دیکھا فلک نے یہ تماشا
یہ قبل از مرگِ فانی کا جنازہ

(فانیؔ)

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

مدیر مولانا راشد الحق سمیع





اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا

جلد نمبر.................49
شمارہ نمبر 6-7-8
جمادی الاول، وثانی......۱۴۳۵ھ
مارچ ۔مئی ۲۰۱۴ء

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی
ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔ فون نمبر: 630435-92923+ ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com فیکس نمبر: 630922-92923+ فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی شمارہ-/200روپے۔سالانہ-/350روپے۔بیرون ملک 35$امریکی ڈالر پبلشر: مولانا سمیع الحق' مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔منظور عام پریس پشاور	کمپوزنگ بابر حنیف

نقش آغاز: بسم اللہ الرحمن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کی المناک جدائی

ایک مشفق استاد، محسن مربی، مہربان دوست، منفرد اتالیق، ہماری بزم الحق کے سب سے روشن چراغ، گلشن حقانیہ کی شمع فروزاں، دیرینہ ساتھی، ہم مزاج، ہم مذاق، ہم راز، ہمدرد، زندہ دل، خوش ذوق، خوش خلق، خوش مزاج، سخن فہم، سخن سنج، مردِ خلیق، مردِ قلندر، مجسمّہ علم و دانش، حکیم فرزانہ، شاعر دانہ، علم وادب کے ہمالیہ، عشق ومحبت کے بحرِ بیکراں، صبر وقناعت کی منفرد مثال، مادیت کے دور میں زندہ رہتے ہوئے تصورِ فنا وفنائیت کی زندہ جاوید مثال اور سب سے بڑھ کر ایثار وخلوص کی تصویر جیسی تمام صفات ومناقب کی متصف شخصیت کا اچانک بچھڑ جانا اور ہمیشہ کیلئے جدا ہوجانے کے غم کی شدت کا بیان میرے جیسے حساس شکستہ دل انسان کے قلم سے یقیناً باہر ہے۔حضرت فانی صاحب کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً دو ماہ ہونے کو ہیں لیکن ابھی تک معذورقلم، ماؤف دماغ اور منتشر حواس اس تلخ حقیقت کوتسلیم نہیں کررہے اور خود کو دشتِ غم، کربلائے درد اور صحرائے وحشت میں حزیں وحیراں پارہاہوں تب ہی تو اِن پر کچھ تعزیتی کلمات لکھنا کوہ گراں لگ رہا ہے۔

؎ تھی وہ اک شخص کے تصور سے وہ اب رعنائی خیال کہاں

استادِمحترم حضرت فانی صاحب کا سانحہ ارتحال دراصل یہ راقم کا اپنا ذاتی صدمہ ہے اور جو خودسراپا دردوالم کا پیکر ہووہ تصویرِدَرداورتعزیتی شذرہ میں کیا رنگ بھرے گا۔ ع ہو بہو کھینچے گا ''اب تو درد'' کی تصویر کون؟

یوں تو زندگی میں پے در پے حوادثاتِ زمانے کا جامِ تلخ ہر گام پینا پڑا ہے اور قدم قدم پر دشتِ زیست کے کانٹوں سے پاؤں زخمی اور دامنِ صبر چھلنی ہوتا رہا ہے۔زیست کے ستم ہائے بے حساب اور سانحات بے کراں سے اپنا رشتہ بڑا گہرا چلا آرہا ہے لیکن ۲۰۰۴ء میں جب اپنے مٹھی بھر ناتواں وجود کو حضرت والدہ ماجدہؒ کی وفات کے حادثہ نے ریزہ ریزہ کرکے کمزور کردیا تھا اور عرصہ دراز تک فکر وخیال کے درودیوار پرغم واندوہ کے تالے پڑے رہے اور ذہن وقلب پر اس حادثے کا ایک خاص اثر ایک دہائی کے بعد بھی قائم ہے۔ پھر اِس کے بعد درجنوں افسوسناک واقعات اور غم واندوہ کی آندھیوں سے مسلسل سامنا کرنا پڑا ہے لیکن حضرت فانی صاحبؒ کی یکایک جدائی سے اب یوں لگتا ہے کہ اپنے لُٹے پُٹے شکستہ وجود کے گھروندے کو یہ نئی آندھی مکمل طور پر ہواؤں میں بکھیر گئی ہے تبھی تو فگار آلودہ انگلیاں اور سوکھا قلم کچھ لکھنے پر آمادہ نہیں ہورہا۔اور پھر زخمی دل اور

مجروح قلم سے کہاں نوحے پھوٹتے ہیں؟

قلم بشکن ، سیاہی ریز ، کاغذ سوز ، دم درکش
حمیدؔ ایں قصہء عشق ست در دفتر نمی گنجد

حضرت فانی صاحب کی یاد میں ''الحق'' کی خصوصی اشاعت پریس میں جانے کیلئے تیار ہے لیکن اُبلتے ہوئے خون کے آنسوؤں کی شدت کے باعث ایک ایک حرف لکھنا میرے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہورہا ہے۔دوماہ میں کئی بار لکھنے کی ناکام کوشش کی لیکن ہربار اپنے ہی آنسوؤں اور جذبات کا سمندر مجھے بہاکر کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔حضرت فانی صاحبؒ جیسی باغ و بہار شخصیت بلکہ یوں کہیے کہ سراپا زندہ دلی وزندگی کی علامت کو کیسے موت کی اندھی وادیوں کا مسافر قرار دوں؟ ۔ یہ میری بدقسمتی ہے یا حساسیت اور جنوں کی انتہا کہ اپنے اُس استاد اور مشفق ہستی پر چند صفحات بھی سلیقے کے نہ لکھ سکا ،جس شخصیت نے مجھ جیسے ادنیٰ طالبعلم کو قلم کی حلاوت سے روشناس کرایا تھا۔جن کی فیضانِ نظر نے مجھ سے طفلِ مکتب کو شعروادب اور علم وصحافت کے آداب سکھائے تھے۔میرے جیسے ناکارہ درجہ سادسہ کے طالبعلم وصاجبزادہ کیلئے ماہنامہ ''الحق'' جیسے بڑے علمی ادبی مجلّے کی ادارت سترہ برس قبل سنبھالنا ناممکن تھا لیکن حضرت فانی صاحبؒ ہمیشہ ہمت ، داد، مفید مشوروں سے مجھ پر شفقت فرماتے رہے بلکہ یوں کہیے کہ زندگی کے کئی نشیب وفراز میں بھی مجھے اس طرح سہارا دیتے رہے جیسے بڑے چھوٹے بچوں کو گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچاتے رہتے ہیں۔یوں فانی صاحب ایک بہترین اور مشفق استاد ہونے کے ساتھ ساتھ میرے بے تکلف دوست اور بھائی بھی تھے۔ایسے رفیقِ سفر کی المناک جدائی نے یادوں کے حسین گلشن کو اُجاڑ دیا ہے۔گوکہ آپ کی یادوں ،باتوں اور علمی نکات کی بارش اور آبشار مسلسل دل و دماغ اور آنکھ کے پردے پر برس رہی ہے لیکن اِن کو صفحہ قرطاس پر لانا ناممکن ہورہا ہے۔بہرحال حضرت فانی صاحبؒ دارالعلوم حقانیہ اور ادارہ ''الحق'' کا ایک بہت بڑا نادر اثاثہ تھا۔عرصہ دراز سے شوگر کے مرض میں مبتلا تھے،لیکن معمولات زندگی رواں دواں تھی،درس وتدریس ،نمازوں کیلئے آمدورفت اور علمی ،ادبی اور شعری محفلوں کو سجانے والی تمام مصروفیات جاری وساری تھیں،کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یوں اچانک بادِ فنا فانی صاحبؒ کو دارِ بقا کی جانب ہم سے چھین کر یکا یک لے جائی گی۔ میں ربیع الاول میں حرمین شریفین کے سفر پر تھا جب افسوسناک اطلاع ملی کہ حضرت فانی صاحب پشاور کے ہسپتال میں داخل کرادیئے گئے ہیں۔اطلاع مل کر بے چینی بڑھ گئی اور جلد سے جلد پہنچنے کی سعی شروع کی۔ جب ہسپتال پہنچا تو فانی صاحب نے غنودگی اور آہ وزاری میں میرا استقبال کیا اور فرمایا کہ 'اتنے دن سے تمہارا انتظار کررہا تھا' کہاں رہ گئے تھے؟ اور مسلسل روتے ہوئے دردناک وصیتی کلمات فرماتے رہے کہ یہ وصیت میں نے تمہارے

لئے سینے میں محفوظ رکھی تھی۔خود بھی حساس دل شاعر زاروقطار روتے رہے اور مجھے بھی رُلاتے رہے۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ حضرت فانی صاحب جیسے شائستہ وخوبصورت اور ہنسے ہنسانے والا ہمدرد ہنس مکھ انسان بیماری کے باعث زندگی کے کس کٹھن واذیت ناک دور سے گزر رہا ہے' ہرچند میں نے کوشش کی کہ موضوع کا رُخ موڑلوں لیکن فانی صاحب اس اہم اور سنجیدہ موضوع سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے' پھر بعد میں بھی بار بار عیادت کے سلسلے میں حاضر ہوتا رہا۔لیکن ماشاء اللہ بسترِ مرگ پر پڑے رہنے کے باوجود علمی نکات، شعروادب ،تصنیف وتالیف کا جذب حیرت انگیز طور پر مزید ابھر گیا تھا۔حضرت والد صاحب مدظلہ اور راقم نے ڈاکٹروں سے طویل مشاورت کی کہ آپریشن یا دوسرے متبادل ذرائع علاج کیلئے اختیار کئے جائیں لیکن ڈاکٹروں نے ہمیں تقریباً مایوس کرکے کہا کہ حضرت فانی صاحب کی حالت انتہائی خطرے سے دوچار ہوگئی ہے اور اب اس صورتحال میں مزید کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا صرف فانی صاحب کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ حضرتِ انسان بھی کتنا کمزور ہے کہ اسباب، وسائل کی موجودگی اور ہرطرح کی سہولیات کے باوجود قدرت کے نظام کے سامنے بلاآخر مجبور محض بن جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں کرسکتا' یہی حال ہمارا تھا۔ دراصل اگر ساٹھ برس کی عمر میں دونوں گردے مکمل ناکارہ ہوجائیں تو پھر آپریشن وغیرہ ناممکن ہوجاتا ہے۔بہرحال اپنے محبوب استادِ محترم ہماری آنکھوں کے سامنے روز بروز برف کی سِل کی طرح پگھل رہے تھے لیکن ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے،آخری روز بھی بروز ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء کو میں ان کے ساتھ ہسپتال میں موجود تھا' ان کا آخری ڈائیلاسز ہورہا تھا میں نے سلام کیا، آپ نے نہایت ہی کرب میں گفتگو کی کوشش کی لیکن نقاہت وتکلیف کے باعث کچھ سمجھ نہیں آئی۔لیکن کچھ دیر بعد اياك نعبدو و اياك نستعين و دیگر قرآنی آیات کی تلاوت ہم سب نے غور سے سنیں۔اسی طرح کلمہ طیبہ بھی بار بار پڑھتے رہے۔آپ کو شام کے وقت آئی سی یو منتقل کیا گیا ، اِسی غنودگی میں آدھی رات آپ کی طبیعت مزید بگڑ گئی اور یوں ایک بیمار محبت کی منزل مقصود بلاآخر آہی گئی اور عمر بھر کے سوز وسازِ رومی اور پیچ وتابِ رازی کے امین اور عاشق رسول ﷺ کی بیقراری کو قرار آہی گیا۔

؎ جان ہی دے دی آج کوئے یار پر عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

علی الصباح چار بجے برادرم مولانا اسرار نے گھر کی گھنٹی بجائی اور پیغام بھیجا کہ آپ کے دوست حضرت فانی صاحب اس جہان فانی سے دارالبقاء کی جانب کوچ کرگئے ہیں ۔انا لله و انا اليه راجعون

روایات میں آتا ہے کہ اکثر حوادث ،مصیبتیں اور قیامتیں رات کے آخری پہر میں نازل ہوتی ہیں' یقیناً اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا حادثہ اور کیا قیامت صغریٰ بپا ہوگی ؟ صبح نماز کے بعد برادرم مولانا یوسف شاہ صاحب نے ہزاروں طلباء کو یہ افسوسناک اطلاع دی کہ آپ سب کے محبوب ہردلعزیز استاد محترم

جناب محمد ابراہیم فانی صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔خبر سن کر دارالعلوم کی وسیع وعریض مسجد میں ہزاروں طلباء کی آہوں اور سسکیوں سے ساری فضا نمناک ہوگئی۔گیارہ بجے دارالعلوم میں ہزاروں علماء ،طلباء،فضلاء، سیاسی زعما کا ایک جم غفیر جمع ہوگیا تھا۔پرانے دارالحدیث میں آپ کی لاش مبارک زیارت کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ اور ہر کوئی اپنے محبوب استاد کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے دیوانہ وار آرہا تھا۔نماز جنازہ حضرت والد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے سفر عمرہ کی بناء پر نائب مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے پڑھایا۔جنازہ کے بعد ایمبولینس میں آپ کی میت رکھی گئی۔اور یوں اُس دارالعلوم سے آپ کی جدائی کا سفر شروع ہوگیا جس درودیوار میں آپ نے تقریباً پینتالیس برس زندگی کے بتائے۔گوکہ آپ کا تعلق زروبی ضلع صوابی سے تھا لیکن اکوڑہ خٹک اور خصوصاً دارالعلوم حقانیہ سے آپ کو اس قدر عشق ومحبت تھی کہ سالانہ چھٹیوں میں بھی کچھ دن گزار کر فوراً واپس اکوڑہ چلے آتے۔بہرحال ایمبولینس کے ساتھ ہزاروں طلبا اور آپ کے عشاق آخر تک دوڑتے رہے، اور انہیں خدا حافظ کہتے رہے۔

؎ دونوں جہاں تیری محبت میں ہار کے   وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے

اور   ع   آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند   شام ۴ بجے آپ کے گاؤں زروبی میں دوسرا جنازہ تیار تھا۔اس میں بھی علاقہ بھر کے ہزاروں افراد اور علماء ومشائخ نے شرکت کی۔آپ کے دیرینہ رفیق خاص مولانا فضل علی حقانی (سابق وزیر تعلیم کے پی کے) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ برادرم مولانا حامد الحق حقانی صاحب، مولانا یوسف شاہ صاحب، مولانا ذاکر حسن نعمانی صاحب و دیگر علماء مشائخ نے اس موقع پر تعزیتی تقاریر کیں اور یوں شام کے وقت علم وفضل اور شعر وادب کے آفتاب کو آہ وسسکیوں اور کلمہ طیبہ و درود شریف کے زمزموں، قرآنی آیات کی تلاوت کیساتھ دفن کردیا گیا۔

الغرض شاندار خدمات اور کامیابیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اب ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ لیکن ہمیں خداوند رحمٰن ورحیم سے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ برزخی زندگی میں بھی اس عاشق رسولؐ اور علم و فضل اور اسلام کے محبّ صادق کی نہ ختم ہونے والی اَبدی کامیابیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہوگا اور اس اُجڑی اور فانی دنیا کا یہ بلبلِ ہزار داستاں وہاں کے بہشتی گلستانوں میں سرورِ کائناتؐ کی مدح سرائی اور نعت گوئی میں مصروف ہوگا۔اے شاعر اسلام! اور خلدِ بریں کے مسافر، مردم خیز سرزمین اکوڑہ و زروبی تجھے سلام کہتی ہے۔خوشحال خان خٹک کی وادی اکوڑہ اور جامعہ حقانیہ کی تاریخ ہمیشہ تجھ پر ناز کرے گی۔

؎ جان کر منجملہء خاصانِ میخانہ مجھے   مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

؎ اب کاوش محروم تجھے ڈھونڈ رہی ہے   اک تو ہی تو سرمایہ خونیں جگراں تھا

؎ گل ہوئی شمعِ شبستاں چاند تارے سو گئے   موت کے پہلو میں شام غم کے مارے سو گئے

جن کے دم سے بزم ساغر تھی حریف کہکشاں   اے شب ہجراں کہاں وہ ماہ پارے سو گئے

غزل

مفکرِ اسلام حضرت علامہ اقبالؒ استادمحترم حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کے شاعری میں امام و آئیڈیل تھے۔حضرت العلامہ کی غزل استادِ محترم اور مجھے بے حد پسند تھی۔کبھی کبھی میری فرمائش پر استادِ محترم یہ غزل سناتے اور آخر میں شدتِ درد کے باعث رونے پر مجبور ہوتے۔آج وہی غزل اُن کے انتقال کی مناسبت سے آپ کی یاد میں اِن کی نذر کررہا ہوں۔...............(راشد)

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے؟
اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے

رو رہی آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرورجہاں!
رقص میں لیلا رہی لیلا کے دیوانے رہے

تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہوگئے
لے کے اب تو وعدۂ دیدار عام آیا تو کیا

انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے
ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا

آخر شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبحدم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

بجھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پروانہ تھا
اب کوئی سودائی سوزِ تمام آیا تو کیا

کچھ گزارشات خصوصی اشاعت کے بارے میں

قارئین اور مضمون نگار حضرات کے درمیان حائل ہوئے بغیر اس خصوصی اشاعت کے حوالے سے چند اہم باتیں گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

☆ یہ ماہنامہ ''الحق'' کا حضرت دادا جان شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے بعد دوسرا وفیات نمبر ہے' جو حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ اور حضرت مولانا سید رحیم اللہ باچا صاحب کے تذکرہ وسوانح پر مشتمل ہے۔

☆ ہمیں اپنی کم علمی' کج فہمی اور کم مائیگی کا بھرپور اعتراف ہے کہ یہ نمبر ان ہر دو شخصیات کی عظمت کے پیش نظر کسی طرح کا بھی شایان شان نہیں مگر دو ماہ کے مختصر عرصے اور محدود وسائل میں اس سے زیادہ ہمارے لئے ممکن نہ تھا۔

☆ مضامین میں مکررات، صفحات کی تنگ دامنی اور قارئین کے مسلسل رابطوں کی وجہ سے تمام مضامین میں حک و اضافہ، حشو و زوائد اور تکرار ختم کرنا مجبوری بن گیا تھا، جس کیلئے میں اپنے باذوق اور مخلص لکھاریوں کیلئے تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے وہ میری اس جسارت کو معاف فرمائیں گے۔

☆ آخر میں اپنے تمام باذوق اہل قلم کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اتنی قلیل مدت میں اتنی کثیر تعداد میں اپنی قیمتی نگارشات وتاثرات لکھ کر ارسال کیں۔ اسی طرح برادرم مولانا محمد اسرار مدنی صاحب بھی خصوصی شکریے اور دادِ تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے دن رات مسلسل اِس نمبر کیلئے کام کیا اور میرے جیسے مجروح و محزون کیلئے سہولت فراہم کی اور مختصر وقت میں اسکی اشاعت اور پریس کے اُمور کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں نظرِ بد سے محفوظ رکھے اور ان کی صلاحیتیوں میں مزید نکھار پیدا ہو۔ اسی طرح استاد محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کا بھی انتہائی ممنون ہوں کہ نظر ثانی فرما کر چند اہم مفید مشوروں سے رہنمائی اور تشجیع فرمائی۔ خصوصیت کے ساتھ جناب بابر حنیف صاحب جنہوں نے آدھی راتوں کو بیٹھ کر کمپوزنگ کی اور مولانا محمود زکی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد اسلام حقانی وحاجی نثار صاحب کی کاوشیں بھی قابل تحسین ہیں۔ امید ہے غم و یاس کی فضا میں بے سروسامانی اور عجلت میں تیار کردہ خصوصی نمبر قارئین قبول فرمائیں گے۔

مرے قلم میں ادیبوں کی آب و تاب نہیں
متاعِ دیدہ خوناب لے کہ آیا ہوں

باب اول:

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ
اساتذہ ومشائخ کی نظر میں

اک جنازہ جا رہا ہے دوش عظمت پر سوار
پھول برساتی ہے اس پر رحمت پروردگار
غیرت خور شیدعالم ہے کفن ہے تارتار
ابرِ گوہر بار کے اندر ہیں دُرِّ شاہ وار
نوحہ خواں ہیں مدرسے اور خانقاہیں سوگوار
آفتاب علم و تقویٰ چھپ گیا زیر مزار
شمع محفل بجھ گئی باقی ہے پروانوں کی خاک
اب نہ تڑپے گی کبھی محفل میں دیوانوں کی خاک

خراجِ تحسین

از حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی ہونہار ذہین مستعد عالم، درس نظامی کے جید مدرس بالخصوص نحو وادب میں مقبول استاد، پشتو میں ان کے درسی آمالی کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، عربی علوم وفنون کے ساتھ اللہ نے پشتو، عربی فارسی میں شاعری کی عمدہ صلاحیت سے نوازا، جس کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ ہمارے استاذ صدر المدرسین علامہ عبدالحلیم زروبویؒ کے فرزند ہیں۔ انکے وفات کے بعد ان ہی کی چھوٹی سی رہائش گاہ (عقب مسجد حقانیہ) میں گذر بسر کر رہے تھے۔ دنیا کے شور شرابوں سے دور اسی گوشۂ خمولت میں اپنے فکر ونظر کی دنیا میں محو اور قناعت سے مالا مال، تدریسی خدمات کا پینتیسواں سال جاری تھا کہ اچانک ذیابیطس کے مرض نے شدت اختیار کر کے گردوں پر حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے دونوں گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ بستر مرگ پر طویل علالت کے بعد گزشتہ دنوں دار فانی سے رحلت کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

فانی صاحب مرحوم میرے قابل فخر تلامذہ میں ہونے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم حقانیہ کے جید ترین مدرس تھے۔ ابتداء سے ماہنامہ ''الحق'' میں میرے رفیق کار رہے، اکثر وبیشتر مختلف علمی، ادبی کتابوں پر تبصرہ، اکابرین کی وفات پر مرثیے اور مشاہیر امت کے سوانحی نقوش پر مختلف نگارشات وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے۔

اس کے ساتھ ساتھ مختلف متنوع موضوعات پر ان کے ساتھ علم وادب کی محفلیں جمتی رہتیں۔ ادبی نکات' لطائف وظرائف سے معمور بذل سنجیاں اور حسین یادیں ابھی تک دل ودماغ پر نقش ہیں۔ ناچیز کے ساتھ عقیدت و محبت کا سلسلہ تادمِ وفات تک نبھایا۔ وفات سے قبل مجھ ناچیز کو جنازہ پڑھانے کی وصیت کر گئے تھے مگر افسوس کہ میں اسوقت سفر عمرہ پر تھا' مکہ معظّمہ میں مجھے اطلاع ملی۔ اُن کی رحلت سے دارالعلوم کی علم وادب کی دنیا اُجڑ گئی۔ لیکن علم و ادب' تصنیف وتالیف اور تعلیم وتدریس کی دنیا میں ان کے کارنامے ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے۔

ان سے تعلق ومحبت اور ان کی شخصیت کا تقاضا ہے کہ صفحے کہ صفحے ان کے مناقب، خصوصی صفات ومزایا کے ذکر سے روشن ہوں' مگر افسوس کہ ضعف ونقاہت اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے یہ خواہش پوری ہونے نہیں دیتی اگر چہ پھر بھی ع حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا...... والی بات ہوئی۔ ادارہ ''الحق'' کے مدیر مولانا حافظ راشد الحق اور ان کے رفقائے کار مولانا محمد اسرار مدنی' مولانا محمد اسلام حقانی اور شعبہ کمپیوٹر کے انچارج جناب بابر حنیف صاحب وغیرہ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جن کی محنت اور تگ ودو نے ''الحق'' کا یہ خاص نمبر مرحوم کی حسین یادوں کی شکل میں قارئین اور دنیائے علم وادب کے خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کا یہ علمی سلسلہ ان کے خاندان میں ہمیشہ جاری وساری فرمائے۔ امین

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق حقانی صاحب*

شائستہ مزاج انسان

لو کانت الدنیا تدوم لواحدٍ لکان رسول اللہ فیھا مخلداً
ألا انما کانت وفاۃ محمد دلیل علی ان لیس علی اللہ بغالب

دنیا کی حیات ایک عارضی اور اسکی زندگی فانی ہے یہاں کوئی ابدی حیات کیلئے نہیں آیا ہر نفس کو ایک نہ ایک دن جانا ہے اور اسکو موت کا پیالہ پینا ہے۔ کماقال اللہ تعالیٰ کل نفسٍ ذائقۃُ الموت (الآیۃ) اور اگر کسی کو حیات ابدی حاصل ہوتی تو آنحضرت ﷺ ضرور اس نعمت کے مصداق ہوتے مگر آنحضرت ﷺ کا اس دنیا سے چلے جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں پر کوئی ہمیشہ کیلئے نہیں آیا حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک بنی نوع انسان بلکہ ہر جاندار کے اپنی مقررہ وقت پر چلے جانے کا سلسلہ جاری وساری ہے ...... اسی قانون کے تحت بتاریخ ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء بمطابق ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ کو اُم المدارس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ممتاز، مشفق اور ہر دلعزیز استاذ حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً) اس دار فانی کو خیر آباد کہہ کر انتقال کر گئے ...... اِنَّا للہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ انا للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شی عندہ یاجل مسمٰی

فانی صاحب کے والد صدر المدرسین:

آپؒ کا تعلق ضلع صوابی کے گاؤں زروبی کے ایک علمی گھرانے سے تھا۔ آپؒ کے والد بزرگوار استاذنا واستاذ العلماء جامع المعقول والمنقول بقیۃ السلف حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیمؒ زروبوی صدر المدرسین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، جو کہ اپنے وقت کے متکلم اسلام تھے۔ حضرت الاستاذؒ ۱۳۵۳ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اکابرین سے شرف تلمذ حاصل کر کے دارالعلوم

* نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ

دیوبند سے فارغ ہوئے، پاکستان بننے سے قبل دہلی میں واقع مدرسہ رحمانیہ اور مدرسہ رحیمیہ میں اپنا تدریسی مشغلہ جاری رکھا اور تقسیم ہند کے بعد جب والد محترم شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی تو صدر صاحب نے کچھ عرصہ بعد یہاں دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کا آغاز کیا مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور کافی عرصہ گھر پر رہے، ایک سال کراچی میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ مارکیٹ میں بھی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے رہے اور بیماری کا علاج بھی کرتے رہے اس وقت علامہ محمد یوسف بنوریؒ بھی وہاں مدرس تھے۔

دارالعلوم حقانیہ آمد:

بالآخر ۱۹۵۸ء میں دوبارہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے اور آخر دم تک دارالعلوم حقانیہ میں تدریسی مشغلہ جاری رکھا۔ دارالعلوم کے ابتداء ہی سے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ دورہ حدیث کی تمام کتابیں خود پڑھاتے رہے، بعد میں حضرت والد صاحب مرحومؒ نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری شریف جلد۲ کی کتاب التفسیر، کتاب الرد علی الجہمیہ وغیرہ حضرت صدر صاحب کے حوالے کیں اور آخر تک صحیح مسلم، بیضاوی شریف، توضیح تلویح اور مسلم الثبوت آپؒ کیساتھ مخصوص رہیں۔ آپؒ کا مزاج چونکہ متکلمانہ اور فلسفیانہ تھا اس لئے یہی مزاج درس وتدریس میں بھی منقح رہا، بعض طلباء کرام جنہوں نے امام رازیؒ اور غزالیؒ کے درس کے بارے میں پڑھا تھا وہ آپؒ کو وقت کے رازیؒ اور غزالیؒ کہا کرتے تھے، درس کے دوران آپؒ کے الفاظ مختصر مگر جامع ہوا کرتے تھے اور ہر مسئلے کو جچے تلے الفاظ میں بیان فرماتے تھے اسی لئے آپؒ کا درس حشو وزوائد اور تکرار سے پاک رہتا تھا۔

الولد سر لابیہ:

مولانا ابراہیم فانیؒ اُس عالمگیر شخصیت کے فرزند ارجمند تھے۔ آپؒ بھی الولد سرٌ لابیہ کے مصداق تھے۔ آپؒ نے عصری تعلیم کے بعد تمام دینی علوم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں حاصل کیے۔ مجھ ناچیز سے بھی ابتدائی اور بعض درجات علیاء کی کتابیں پڑھیں تھی، زمانہ طالبعلمی سے ایک فقیرانہ اور درویشانہ مزاج کے مالک تھے۔ فراغت کے بعد جامعہ ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور آخری دم تک جامعہ ہی میں درس وتدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ابتدائی کتابوں سے لیکر درجات عالیہ تک کی تقریباً اکثر کتابیں پڑھائیں۔ اور چند سالوں سے دورہ حدیث میں سنن نسائی، موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمدؒ بھی پڑھاتے رہے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپؒ نے تصنیف وتالیف میں بھی خدمات سرانجام

دی، جن میں سے بعض کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مؤقر رسالہ الحق اور نوائے حق ودیگر رسائل میں بھی مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہو چکے ہیں ۔آپؒ کی ان تمام کاوشوں نے عوام وخواص اور علمی حلقوں میں پذیرائی حاصل کی ۔علمی ذوق کے علاوہ آپ اپنے والد ماجد حضرت صدر صاحبؒ کی طرح شعروشاعری کیساتھ بھی عشق کی حد تک شغف رکھتے تھے۔حضرت صدرصاحبؒ بھی شعروشاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔آپؒ نے زمانہ طالبعلمی میں عربی اور فارسی زبان میں کئی عمدہ قصائد اور مراثی لکھے تھے اور حضرت فانیؒ صاحب بھی عربی، فارسی، اردو اور پشتو چاروں زبانوں کے مایہ ناز شاعر تھے، جس کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

ہر کمالے راز والے:

مگر ہر کمالے را زوالے، اور بنصِ قرآن کریم کل من علیھا فان (الآیة) زمین پر بسنے والی ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔

موت ایک حقیقت ہے، جس کے سامنے عالم، جاہل، جوان، بوڑھا، مرد اور عورت، صحیح وسقیم سب برابر ہیں اور ہر ایک کے جانے کا وقت مقرر ہے اور جب وہ گھڑی آجاتی ہے تو لا یستأخرون ساعةً ولا یستقدمون...... (الآیة) تو وہ آنکھ جھپکنے بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی۔مگر بعض حضرات کا دنیا سے چلے جانا دل میں گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں ......حضرت فانی صاحبؒ بھی ان شخصیات میں ہیں جن کی یادیں ابد تک زندہ رہینگی۔آپؒ اتنی وسعت علمی کے باوجود سادگی، عاجزی اور انکساری کا نمونہ تھے۔جامعہ میں ۳۵ سالہ تدریسی دور میں اسباق کی پابندی مثالی رہی، گھنٹے میں بروقت جانا آپؒ کا ایک وطیرہ تھا، اپنے اساتذہ اور اکابرین کے انتہائی باادب رہے ہیں۔چہرے پر ہر وقت بشاشت اور مسکراہٹ رہتی تھی ۔چونکہ آپؒ طویل عرصہ سے ذیابیطیس کے مریض تھے اور کافی عرصہ علالت میں گزری مگر انہوں نے کبھی بھی کوئی شکوہ یا شکایت نہیں کی ۔ساری عمر صبر وشکر کیساتھ گزاری اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔مجھ ناچیز کیساتھ عشق کی حد تک تعلق تھا اور میں بھی فانی صاحبؒ کو ایک مخلص دوست کی طرح دیکھتا تھا۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ ونورقبرہ ووسع مدخلہ ولاتحرمنا اجرہ بعدہ وادخلہ الجنة مع الابرار۔امین



حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب

مولانا ابراہیم فانی کی جدائی

محبوب المشائخ والطلبہ استاد الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی نور اللہ ضریحہ کے تذکار ہیں‘ ماہنامہ الحق کے مسئولین نے خصوصی شمارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ماشاء اللہ یہ موجب صد اجر وثواب کارخیر اذکروا محاسن موتاکم کے پیش نظر حد درجہ مبارک اور مستحسن اقدام ہے۔

محترم فانی رحمۃ اللہ علیہ الولد سرلابیہ کے صحیح مصداق‘ جامع الصفات والکمالات نادرہ‘ روزگار‘ فقید المثال شخصیت تھے‘ ان کا وجود مسعود مرکز علوم اسلامیہ ام الجامعات والمدارس دارالعلوم حقانیہ کے لئے سرمایہ مباہات وافتخار تھا۔ ماشاء اللہ‘ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے گلدستہ اساتذہ کرام کا ہر گل قابل صد ستائش وتحسین ہے‘ مگر

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

محترم فانی صاحب اپنی فطری درویشانہ وضع قطع‘ تواضع و انکساری‘ سادہ لباس میں اپنے پسندیدہ منتخب تخلص (فانی) کے مطابق ایک مابہ الاتیاز ممتاز سادگی کے حسن و جمال سے آراستہ تھے‘ اوراسی تذکرہ فنا کو عارفین باللہ مراقبہ‘موت سے تعبیر فرماتے ہیں اور اسی تذکرہ موت کے لئے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنی انگوٹھی میں کفیٰ بالموت واعظا کے دل گداز عبارت کونقش فرمایا تھا۔

۱۶/ فروری کو راقم الحروف محترم فانیؒ کی عیادت کیلئے حاضر ہوا‘ دور سے جب میں نے ان کے نورانی چہرے کو دیکھا تو مجھے ان کو درخشندہ تابندہ پیشانی میں صبر واستقامت‘ رضا بالقضاء کے آثار نمایاں نظر آرہے تھے‘ سلام مسنون اور مسنون دعاؤں کے بعد میں نے ان کو بشارت دی کہ ماشاء اللہ آپ ہشاش بشاش چہرہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بہت جلد بفضلہٖ تعالیٰ اپنے محبوب دارالعلوم میں اپنے سند تدریس پر جلوہ افروز ہوں‘ روزنامہ درس بخاری شریف کے بعد آپ کی صحت وسلامتی کے لئے دعائیں ہورہی ہیں۔ میرے ان کلمات سے بہت ہی مسرور ہوئے اور پوری بشاشت‘ شرح صدور سے حسب مجالس صحت کے علمی لطائف وظرائف بیان کرنے لگے وہی سابقہ زندہ دلی‘ بذلہ سنجی سے بیمار پرسی کے اس مجلس کو باغ وبہار بنادیا۔ جی چاہ رہا تھا کہ انکے ساتھ یہ نشست طویل ہو۔مگر مجھے ان کی حالتِ ضعف کا احساس تھا‘ میں نے کہا کہ آپ کے اس دلکش باذوق مجلس سے

---

* شیخ الحدیث ، جامعہ دارالعلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک

جانا مناسب نہیں مگر حدیث مبارک میں ارشاد ہے کہ بیمار پرسی کفواق الناقة ہونی چاہیے۔ بناء بریں آپ کی صحت کے لئے دعائیں کررہے ہیں۔چند طلبہ دیگر بھی موجود تھے' ان کی صحت وسلامتی کے لئے طویل دعائیں کرکے ان کے پیشانی کا بوسہ لے کر روانہ ہوئے۔معلوم نہیں تھا کہ یہ ان کے ساتھ آخری الوداعی ملاقات تھی۔ رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة ورزقه فی جنات الفردوس صحبته النبین والصدیقین والشهداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا

رب العالمین جل جلالہ ان کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادگان اور صاحبزادیوں اوران کے بھائی محمد اسماعیل کوصبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔ ماشاء اللہ محترم فانیؒ نے اپنی حیات مستعار کے لیل ونہار کوعلوم دینیہ کی اشاعت وترویج میں صرف کیا۔شاہ منصور کے شیخ المفسرین شیخ القرآن مولانا عبدالہادی نوراللہ مرقدہ کے سوانح حیات اوراپنے والد بزرگوار شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات پر مفصل تالیفات لکھی ہیں۔اور کافیہ' حسامی' پر جامع مانع شروح' اورحضرت مولانا سراج الاسلام سراجؒ کے منظوم ترجمہ قصیدہ بردہ پر محققانہ ادیبانہ مقدمہ اوردیگر سینکڑوں قصائد ومراثی' سوانح وتقریظات انکے علم وفضل کے ارفع مقام کے شواہد عدل ہیں۔وہ پشتو' فارسی' اردو' عربی کے قادرالکلام شاعر تھے۔اس کیساتھ ساتھ سینکڑوں شعراء کرام کے اشعار وقصائد ان کوازبر یاد تھے۔ تلك آثار نا تدل علينا فانظر وابعدنا إلى الآثار

ان کے والد بزرگوار شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم نوراللہ مرقدہ کبھی کبھی مجھ سے مرحوم فانی نوراللہ مرقدہ کے بارے میں پوچھتے تھے' میں ان کوان کی علمی استعداد وقابلیت کی بشارت دیتا' بہت ہی خوش ہوجاتے اوران کی کامیابیوں کے لئے دعائیں دینے لگتے۔ میں ان چند سطور پر اکتفا کرتا ہوں۔ضعف' پیرانہ سالی کی وجہ سے مزید لکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ان کے علمی فضائل ومناقب آں محترم ہی سب سے بہتر لکھ سکتے ہیں کیونکہ آں محترم کے آغوش شفقت میں ان کی حیات طیبہ کے لیل ونہار گذرے ہیں۔ اسی طرح عزیزم راشد الحق صاحب اورخطیب اسلام حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب اپنے محبوب رفیق نوراللہ مرقدہ کے سوانح حیات کو جامع مانع انداز میں زیب قرطاس کرنے کا کماحقہ حق ادا کرسکتے ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ وہ محترم مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کی تربت کواپنی بے پناہ رحمتوں' مغفرتوں کے مشک وعنبر سے معطر فرمادے۔اوران کے صاحبزادگان کواپنے موقر عظیم جد امجد اورمثالی والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہما کے نقوش اقدام پر چلاکر ان کے لئے باقیات الصالحات وصدقات جاریہ بنادے۔آمین یارب العالمین۔

کتبہ: خادم اہل العلم' شیر علی شاہ

بجامعۃ دارالعلوم الحقانیۃ اکوڑہ خٹک ۲۶-۵-۱۴۳۵ھ

مفتی سیف اللہ حقانی*

صاحبزادہ مولانا محمد ابراہیم فانی کی رحلت

کل من علیها فان ، ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام

جو کوئی ہے زمین پر فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گا منہ تیرے رب کا بزرگی اور عظمت والا۔

جناب فانی صاحب ہمارے صرف اچھے دوست نہیں بلکہ وہ ہمارے ابن الاستاد بھی تھے۔آپ رئیس المتکلمین فخر الاصولین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبی کے فرزندِ ارجمند تھے اس لیے ہم دوستانہ تعلقات اس کے ساتھ رکھتے ہوئے ابن الاستاد ہونے کی وجہ سے آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

فانی:

آپ کا تخلص چونکہ فانی تھا لہذا اس تخلص کی وجہ سے ہم اپنے بعض مجالس میں اس کے متعلق خوب بحث کیا کرتے تھے۔ میں اس کو کہا کرتا تھا کہ فانی کے تخلص کو اگر دور فرمادے تو بہتر ہوگا ورنہ فانی کا تخلص آپ کو فانی کردے گا: کلہ لہ من اسمہ نصیب، ہر ایک شخص کو اس کے نام ہی سے نصیب حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ ہارون الرشید نے خواب میں اپنی ایک کنیز سے کہا تھا: لقد صدق من سماك غادر۔ اور میرے بیٹے مولوی محمد انور نے پہلے اپنا تخلص غمگین ہی رکھا تھا۔تو میں نے اس سے کہا کہ بیٹے اس کو بدل کردیں ورنہ آخر عمر تک غمگین رہوگے، پھر انور نے غمگین کو مسرور سے بدل دیا۔اور اب محمد انور مسرور مسرور ہی نظر آتا ہے اگر چہ اس کا جیب خالی ہو۔

فانی صاحب اور ہماری مجالس:

گرمی کے موسم میں ہمارے گھر کے سامنے نماز عصر کے بعد ہر دن مجلس قائم ہوتی۔اس مجلس میں دینی اور معاشی وغیرہ مسئلوں پر بحث ہوتی تھی۔

ان ہی مجالس میں ایک دفعہ حقانی کے لقب پر بحث ہوا میں نے ان کو کہا کہ فانی صاحب اگر آپ فانی کے بجائے اپنے نام کے ساتھ حقانی لکھتے تھے۔تو اس سے فانی کے اثر سے محفوظ رہتے مگر حقانی کے بہتر ثمرات سے محظوظ رہا کرتے تھے۔ میں نے ان کو کہا کہ دورہ حدیث کے جتنے اساتذہ ہیں وہ سب کے سب حقانی ہیں تمام اساتذہ دورہ حدیث اپنے ناموں کے ساتھ لاحقہ حقانی اضافہ کردیتے تھے۔دیکھنے والا یہ دیکھ کر محسوس کیا کرتے کہ شکر ہے

---

* مفتی و استاد الحدیث جامعہ دار العلوم حقانیہ

کہ خدایا اب دارالعلوم کے دورہ حدیث کے اساتذہ سارے کے سارے حقانی ہیں۔ اور بہت سے مجالس میں کہہ چکا ہوں مگر اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ سارے ناموں میں ایک نام کیساتھ آپ حقانی دیکھیں گے یعنی سیف اللہ حقانی۔

انجمن تمرین البیان:

پہلے زمانے میں دارالعلوم میں یہ رواج تھا کہ ہر قوم کا علیحدہ انجمن ہوتا اس میں طلبہ تقریر کا مشق کر کے تقریر سیکھ لیتے تھے، تو ہم مروت قوم نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی اور اب اس انجمن کا نام کیا ہوگا تو یہ ذمہ داری مجھ پر ڈال دی گئی تھی۔ میں حیران تھا کہ کیا نام رکھ دوں ایک دن نمازِ ظہر کے لیے جا رہا تھا اور اس سوچ میں تھا کہ اس انجمن کا کیا نام رکھا جائے گا۔ اس وقت یہ بات میری دل میں غیر اختیاری طور پر ڈالی گئی کہ اس انجمن کا نام تمرین البیان ہوگا۔ اور اس انجمن کا میں صدر منتخب ہوا تو میں نے انجمن کے اندر تقریریں چنانے کے لیے یہ شرط لگادی کہ تقریر کا آخر فضیلت علم پر منتج ہوگا۔ اور اس انجمن میں ہمارے ساتھ اساتذہ کے بچے بھی شریک تھے۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب المرحوم اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب المرحوم ابن الاستاد حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب بھی شریک تھے اور مولانا محمد عبدالغنی المرحوم صاحب کے بیٹے محمد جمال یہ تینوں بہت کم سن ہی تھے ان کے داڑھی نکلنے کا سوال ہی اس وقت پیدا نہ ہوتا اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن جو کہ اس کی پوری داڑھی نہیں نکلی تھی اور وہ اس سال کافیہ پڑھتے تھے۔

مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا رشید احمد کے درمیان عجیب نوک جھونک:

انجمن کا پروگرام شروع ہوتا تھا نماز عشا کے بعد چونکہ فضل الرحمٰن وغیرہ نمازِ عشاء استاد مولانا محمد علی مرحوم کے ساتھ پڑھتے تھے اس کے مکان میں اس لیے وہ دیر سے پہنچ آیا کرتے تھے مولانا رشید احمد تقریر کی باری آجاتی تھی تو یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے بعض ساتھی نمازِ عشا کے بعد دیر سے آیا کرتے ہیں مقصود اس کا تعریض تھا مولانا فضل الرحمٰن وغیرہ پر۔ اور جب تقریر کا نمبر آتا تھا فضل الرحمٰن کا تو اپنے مرحوم والد کی طرح یہ کہتے تھے: بعض ساتھی ایسے باتیں کرتے ہیں کہ اس سے ہمارے اتحاد کو نقصان پہنچ جانے کا خطرہ ہے اور میں اپنی اختتامی تقریر میں یہ کہا کرتا تھا کہ آپ اپنا فیصلہ خود کریں کیونکہ آپ دونوں مفتیان عظام کے بیٹے ہیں۔

کہاں کے فاضل تھے؟: جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

تصنیف وتالیف: مولانا محمد ابراہیم صاحب بیسویں کتب کے مولف ہے لیکن ان میں اکثر کا زبان شعر وشاعری ہی ہے۔ اسلئے آپ کو عظیم شاعر وادیب کہا جاتا تھا۔ آپ کے پشتو، اردو، فارسی اور عربی میں قصائد موجود ہیں۔۔

زریت وبنین: محمود ذکی جو کہ اس وقت درجہ سادسہ کا طالب العلم ہے اور اسد ذکی جو کہ اس وقت دسویں جماعت کے طالب العلم ہے۔ اور ایک بیٹی اور ایک بیوہ۔

☆ ☆ ☆

مولانا رشید احمد سواتی*

مولانا ابراہیم فانی ایک ہمہ جہت شخصیت

رفتم ورفتن من عالمے تاریك شد　　من بگر شمعم چوں رفتم بزم برهم مساختم

اللہ تعالیٰ نے جہاں اس کائنات کو مختلف النوع مخلوقات سے مزین فرمایا ہے' وہاں انسان کے ذریعے اس کائنات کی خوبصورتی کو مزید چار چاند لگادیئے ہیں۔ کیونکہ انسان اشرف المخلوقات اور مرجع الخلائق ہے او رگردش دوران انسان ہی کے واسطے ہیں۔لیکن یہ بات واضح ہے کہ سب انسان اوصاف کے اعتبار سے برابر نہیں۔بعض انسان خوبیوں' صلاحیتوں' بہترین اخلاق اور عالی اوصاف کے مرکز ہوتے ہیں' ان سے انسان اس قدر متاثر ہوجاتا ہے کہ ان کی شخصیت دل پر اپنا نقش چھوڑ دیتی ہے۔

دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ نے ایسے جلیل القدر اور ہمہ جہت شخصیات تیار کی جن کی عزت وعظمت اور بلند کردار کی دنیا معترف ہے۔اسی سلسلۃ الذھب کی ایک روشن کڑی اسلاف کی یادگار' زہد وتقویٰ کے پیکر' عظیم شاعر و مصنف' عالم باعمل' شیخ الحدیث حضرت مولانا ابراہیم فانی بھی تھے' کسی عظیم شخصیت کی خصوصیات اور اوصاف کو حیطہ تحریر میں لانا ایک دشوار کام ہے اور جتنی اس عظیم شخصیت کے ساتھ تعلق اور قرب ہو اتنی ہی یہ دشواری بڑھ جاتی ہے چونکہ حضرتؒ میرے ہمسایہ تھے' اوران کے ساتھ گہرا تعلق بھی تھا۔اسی لئے میں ان کے اوصاف اور کمالات کی کماحقہ تعبیر کرنے سے عاجز ہوں۔

الیس عجیبا ان وصفك معجز　　وان لسانی فی معالیك تذلع

مشہور ادیب ابن قتیبہ الدینوری نے اپنے مشہور زمانہ کتاب عیون الاخبار میں لکھا ہے ''الاصدقاء ثلاثه صديق كالغذاء لاتستغنى عنه وصديق كالدواء تحتاج اليه فى الضرورة وصديق كالداء لاتحب القرب منه

یعنی دوست اور ہمدرد تین قسم کے ہیں' ایک وہ جو غذا کی طرح ہے' تم اس سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتے دوسرا وہ ہے' جو دواء کی طرح ہے' ضرورت پڑنے پر تم اس کے محتاج ہوتے ہو اور تیسرا قسم وہ ہے جو بیماری کی طرح ہے کہ تم ان سے اپنے آپ کو بچاتے ہو اور اس کی نزدیکت پسند نہیں کرتے''

---

* مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرت شیخ الحدیثؒ میرے لئے پہلے قسم کے ہمدردوں میں تھے' ان کی خصوصیات' کمالات اور خدمات کا ایک مختصر سے مضمون میں احاطہ کرنا مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہے' حضرتؒ سے محبت کی بناء پر چند نقوش زیب قرطاس کرتا ہوں' یہ بات مقبول و مسلم ہے کہ جو بھی انسان اس دنیا میں آیا ہے بالآخر یہاں سے رخصت ہونا ہے اور مصر محبّ کو اپنے محبوب سے جدا ہونا ہے' ابوالطیب المتنبی کہتا ہے۔

وقد فارق الناس الاحبة قبلنا — واعی دواء الموت کل طبیب

سبقنا الی الدنیا فلوعاش اهلها — منعنا بها من جیئة وذهوب

تملکها الاتی تملك سالب — وفارقها الماضی فراق سلیب

اور حضرت کعب بن زہیرؓ فرماتے ہیں:

وکل شخص وان طالت سلامته — یوماً علی الة صدباء محمول

اور جو بھی انسان اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے' تو ان کے متعلقین کو صدمہ ہونا بھی ایک فطری امر ہے مگر بعض عالی اشخاص ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا صدمہ خاندانی دائرہ میں نہیں ہوتا۔ بلکہ قومی اور عالمی سطح پر محسوس کیا جاتا ہے' وہ اس شعر کا مصداق ہوتے ہیں۔

وکانا قیس هلکه هلك واحد — ولکنه بنیان قوم تهدما

شیخ الحدیث ابراہیم فانی صاحبؒ ایسی ہی جامع شخصیت تھے' تواضع اور للّٰہیت' تقویٰ اور پاکبازی میں سلف کا نمونہ تھے۔ علوم وفنون اور تصنیف میں کافی مہارت رکھتے تھے اور شعر و شاعری میں آپ کو ایک خاص کمال حاصل تھا۔ اردو' فارسی' عربی اور پشتو چاروں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔ شعر و شاعری میں وہ شاعر کے اس قول کا مصداق تھے۔

قرنها باید که تایك مرد حق پیدا شود — بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

سالها باید که تا یك سنگ اصلی ز آفتاب — لعل گردد دربدخشاں یا عقیق اندر یمن

دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ عقیدت اور احترام آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ساری عمر دارالعلوم کی خدمت میں بسر کردی' مختلف مدارس سے درس وتدریس کی پیشکش ہوئی تھی' لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ اور یوں فرمایا کہ میں اپنی مادر علمی کے ساتھ بے وفائی کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور تادم مرگ اسی پر قائم رہے اور اس شعر کے مصداق ٹھہرے۔

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا
نہ ہم نے شاخ گل بدلا نہ ہم نے آشیانہ چھوڑا

جب میں بتقدیر الٰہی بندہ دارالعلوم تدریسی خدمات سرانجام دینے کے لئے آیا۔ تو آپ سے

ہمسائیگی اور مرافقت کا موقع ملا اور آپ کے ساتھ متعدد مجالس ہوئیں اور آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔آپ کو بہت محبت اور ہمدردی کرنے والا پایا۔گزشتہ چند سالوں میں مجھ پر جو حالات وواقعات گزرے ہیں، میں وہ آپ کو سناتا، تو آپ روتے تھے اور مجھ سے ارشاد فرماتے کہ ان واقعات کو ایک کتابی شکل دے دوں کیونکہ یہ آپ کی زندگی کے عجیب واقعات ہیں اور ارشاد فرماتے کہ آپ نے یہ حالات برداشت کرکے اپنے اسلاف کی یاد تازہ کردی ہے۔ میں نے اپنی ایک تصنیف معارف الکافیہ بطور تحفہ کے آپ کی خدمت میں پیش کی، جسے نہایت ہی پسند فرمایا۔

فرمایا کہ کسی اور نے لے لی اس لئے دوسرا نسخہ دے دیا کیونکہ وہ نسخہ کسی دوست نے لے لیا ہے۔لیکن اس پہلے کہ میں یہ نسخہ ایک کو دیتا آپ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

ماکل مایتمنیٰ المرء یدرکہ ————— تجری الریاح بمالا تشھی السفن

وفات سے پہلے آپ بیمار ہوگئے اور وہ بیماری شدت اختیار کرتی رہی، یہاں تک کہ رحلت فرما گئے۔اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ انسان طاعات وعبادات میں خوب اجتہاد کرے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ من جانب اللہ بندے کو بیماری وغیرہ میں مبتلا کردیا جائے اوراس پر وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجائے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس میں کون سی صورت افضل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ دوسری صورت افضل ہے کیونکہ اس میں خود اللہ تعالیٰ بندے کو کسی مشقت میں ڈال کر اور صبر کی توفیق دے کر اس ے اپنے قریب کرتا ہے۔

بہرحال ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک وصالح اور برگزیدہ بندوں کو ہی مبتلا کردیتا ہے یہ مضمون متعدد احادیث میں وارد ہے کہ سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں اور پھر جوان کے جتنا قریب ہوتے ہے اُسی قرب کی بقدر اس کو تکالیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

الدھر یومان ذا من و ذاکدر ————— والعیش سطر ان ذا صفو و ذاکدر
اماتری الریح ان ھبت عواصفھا ————— فلیس تقصف الا ما ھو الشجر
اماتری البحر تعلو فوقھا جیف ————— وتستقر باعلیٰ فعسرہ الدرر
فان تکسن عثبت ایدی الزمان بنا ————— ونالنا من تمادی بؤسھا الضرر
فضی السماء نجوم لاعداد لھا ————— ولیس تکسف الا الشمس والقمر

ایام علالت میں دوبار آپ کی تیمارداری کے لئے ہسپتال حاضر ہوا، آپ مجھ سے ارشاد فرماتے کہ میری آپ سے بہت محبت ہے۔آخر میں احمد خیری کا یہ شعر فانی صاحبؒ کی روح طیب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں)

کیف الاحاطہ بالفضائل والحجا ————— والعلم والاخلاص دون لعثر

مولانا فیض الرحمٰن*

ایک باغ و بہار شخصیت

حضرت فانی صاحب رحمہ اللہ وہاں پہنچ گئے جہاں ایک نہ ایک دن ہر متنفس کو پہنچنا ہے۔انسان کا موت کے ساتھ دیرینہ رشتہ ہے اور انسان اگر چہ موت کو تسخیر نہیں کر سکا ہے لیکن موت بھی کبھی انسان کے ان کارناموں کو بے نور یا نابود نہیں کر سکی ہے جو موت سے زیادہ عظیم مانے گئے ہیں۔حضرت فانی صاحب رحمہ اللہ کا شمار بھی ان شخصیات میں ہوتا ہے جن کی خدمات تاحیات یادرکھی جائیں گی ۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو قابل رشک خوبیوں، بے پناہ صلاحیتوں اور لائق تقلید اوصاف حمیدہ سے نوازا تھا۔علمی پختگی و گہرائی ہو یا عملی استقامت، درس وتدریس ہو یا شعر وادب، وسعت مطالعہ ہو یا فن تحریر، ہر بحر کے وہ بہترین شناور تھے۔آپ ایک باغ و بہار شخصیت کے مالک اور اپنی ذات میں انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔یوں تو فانی صاحب کو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب سے بھی شغف تھا اور ایک درجن سے زیادہ کتب ان کی قابل قدر یادگار ہیں مگر آپ کا اصل میدان تدریس ہی تھا جس کو آپ نے اپنی زندگی کے چھتیس سال دیے۔مادر علمی جامعہ حقانیہ کی آغوش شفقت سے آخر وقت تک چمٹے رہے،یہیں ان کا ستارہ چمکا اور یہیں اس آفتاب نے سفر آخرت اختیار کیا۔آپ کا انداز تدریس بہت دلنشین ہوتا جس میں کبھی کبھار طلبہ کے اصرار پر اپنی کوئی غزل سنا کر محفل کو شگفتہ بنا دیتے تھے۔مباحث میں تفصیل واختصار کے لحاظ سے آغاز سال اور اختتام سال میں کوئی امتیاز نہ تھا جس معیار پر شوال میں درس شروع فرماتے اس پر شعبان تک ثابت قدم رہتے اور کتابیں وقت پر ختم ہوجاتی تھیں۔حضرت فانی صاحب سے میرا تعلق تعلیم سے لیکر تدریس تک ایک طویل عرصے پر محیط ہے۔انکی شگفتہ مزاجی اور حاضر جوابی سے اساتذہ کی محفلیں باغ و بہار بنی رہتی ۔درسگاہ جاتے ہوئے دن میں کئی بار ہمارا آمنا سامنا ہوتا تھا اور وہ اپنے روایتی انداز میں مجھے مخاطب کر کے ایک چٹکلہ سنا دیتے۔ان کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات مزاح و لطائف، سنجیدگی و وقار اور سکون واطمینان سے بھرے ہوئے ہیں۔چونکہ ہمارے درمیان بہت بے تکلفی تھی تو کبھی کبھار فانی صاحب مجھے راستے سے ہی آواز دے کر اپنے بیٹھک بلا لیتے تھے اور پھر وہاں ہمارے درمیان شعر و شاعری کی خوب مجلس جمتی ۔ایک بار ہمارے مکانات کے سامنے کچھ لائن مین ایک درخت کی اونچی شاخ کاٹ رہے تھے جو اپنی اونچائی کی وجہ سے بجلی کے تاروں سے لگ رہی تھی ۔ اتفاقاً میں بھی وہاں کھڑا تھا فانی صاحب نے یہ منظر دیکھا تو مجھے آواز دیکر فرمایا کہ وہ رحمت اللہ دردؔ کا شعر یاد آرہا ہے جو تم اکثر سنایا کرتے تھے کہ

---

* مدرس جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

ء د ونے هغه شاخ ریبه شی چی په ټولو چګ وی   حاسده ته به می سه وجنی خپل کمال می وجنی

فانی صاحب بلا کے حاضر جواب تھے ایک بار میں نے فانی صاحب سے مزاحاً عرض کیا کہ حضرت یہ بنگالیوں نے مچھلیوں کے خوب مزے لوٹے ہیں یہ لوگ سارا سال جی بھر کہ مچھلیاں کھاتے ہیں، فانی صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ مچھلیوں نے بھی ان سے خوب مزے لیے ہیں سال میں درجنوں کشتیاں سمندر میں غرق ہوکر مچھلیوں کی خوراک بن جاتی ہیں۔اسی طرح ایک بار ایک دعوت میں ہم دونوں ساتھ بیٹھے تھے ۔میں نے آم کھانے کے بعد شفتالو کھایا تو آم کی مٹھاس کے سامنے وہ کافی بدمزہ لگا۔فانی صاحب میرے چہرے کو دیکھ کر معاملہ بھانپ گئے اور فرمایا کہ ''پہ بادشاہ خودے خاورے واڑ ولے''۔

وہ محبت خیز باتیں وہ کنار آب جو   ہے حسیں کتنا تصور ان حسیں لمحات کا

فانی صاحب کو چونکہ تصنیف وتالیف سے بھی خصوصی شغف تھا تو میری ہر تصنیف پر بہت خوش ہوتے اور بطور خاص اپنی بیٹھک بلوا کر حوصلہ افزائی فرماتے اور تصنیف پر نظم بھی لکھ لیتے۔

اب کہاں وہ بزمہا و حلقہ ہائے علم وفن   حسرتا! ایسی محافل سے ہوئے محروم ہم

بہر کیف تلك الايام نداولها بين الناس کے ارشاد ربانی میں کار جہاں کی بے ثباتی اور اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے۔ یہاں سکھ ہے تو دکھ بھی ہے۔خوشی ہے تو غمی بھی ،اقبال ہے تو ادبار بھی اور عروج ہے تو زوال بھی ہے۔ ہاں اگر کوئی ایک حال پر ہے تو وہ رب ذوالجلال ہے جو جواس دنیا اور اگلی دنیا کا مالک ہے اور جسکی رحمت ہی کی بدولت اندھیرے اجالے بنتے ہیں، ظلمتیں نور کے لباس پہنتی ہیں، مشکلات کے عقدے کھلتے ہیں، پسماندے آگے بڑھتے ہیں اور درماندوں کو دستگیری کا سہارا ملتا ہے۔ جو فنا کر بقا دیتا ہے اور ہست کو نیست کر دیتا ہے۔اگر انسانوں کو ان کے امتیازی خصوصیات کی وجہ سے موت نہ آتی تو بے شمار انسان صبح قیامت تک زندہ رہتے لیکن زندگی کو دوام نہیں۔ ہر انسان موت کا مسافر اور اسکی منزل قبر ہے اور یہی قبر پستی سے ہستی کی طرف پہلا پڑاؤ ہے۔قبر کی گود میں کوئی حکمراں نہیں صرف اعمال ہی روحوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ہاں مگر بعض وجود اتنے بابرکت ہوتے ہیں کہ انکی زندگی گردوپیش کیلئے رحمت وحیات کا سرچشمہ ہوتی ہے اور دل اسی وجود سے محبت وتعلق خاطر کی نسبت سے اسکی رحلت پر اتنا ہی نڈھال ہوتا ہے۔حضرت فانی صاحب کے قرب وصحبت میں بیتے ہوئے مہ وسال کے حسین لمحات دل میں آکر آج بھی آنسوؤں کے برسنے کا سامان کرتے ہیں۔حضرت فانی صاحب ہمارے محبوب تھے اور اب تو اس محبت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے اور یہی محبت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم انکے ایصال ثواب کیلئے دعائیں کر رہے ہیں اور انکے مشن کو جاری رکھنے کا پختہ عزم کر رہے ہیں۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ حضرت فانی صاحب کے فیوضات و برکات سے ہمیں مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اعزاء واقرباء، احباء وتلامذہ اور دیگر تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا حامد الحق حقانی*

آہ! میرے استادؒ ورفیق

پیکر اخلاص وللّٰہیت مجسمہ مہروفا عاجزی وانکساری کی تصویر خلیق وملنسار، کشادہ پیشانی، چہرے پر سدا بہار مسکراہٹ سجائے مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک، درویش صفت سادگی اور بے نفسی کے عکس جمیل، تصنع اور تکلف سے کوسوں دور دنیاوی علائق سے بیزار، اپنی علمی وادبی دنیا میں گم، کتاب وقلم کا دلدادہ اپنی ظرافت طبع اور بذلہ سنجی ونکتہ افرینی کیوجہ سے اساتذہ اور حلقہ تلامذہ میں یکساں مقبول ظاہری وضع قطع کے اعتبار سے ان پر کوئی یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے سینئر استاد اور نامور ادیب اور چار زبانوں کے مستند شاعر ہیں۔یہ ہیں ہمارے محبوب استاد اور دوست مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب مدظلہ جنہوں نے اپنی زندگی ترویج علوم وفنون اور خدمت دین مبین کیلئے وقف کررکھی تھی۔اپ ضلع صوابی کے مشہور علمی وروحانی قصبہ موضع زروبی کے عظیم الشان علمی خانوادے (جس شجرہ طوبیٰ کی شاخیں برصغیر وافغانستان سے لیکر ایران وروسی ترکستان سے ہوتے ہوئے مشرق بعید تک پھیلی ہوئی ہیں) ۱۹۵۵ء میں امام المتکلمین رئیس المفسرین امیر المحدثین فقیہ العصر عارف باللہ جامع المعقول والمنقول صدر المدرسین علامہ عبدالحلیم صاحب قدس سرہ العزیز کے ہاں پیدا ہوئے۔ابتدائے تعلیم وتربیت ہی سے مولانا پر اللہ کا خصوصی کرم تھا کہ پہلے پارہ کے دو تین ورق سیکھنے کے بعد دیگر پارے بغیر استاد کے پڑھے۔مڈل تک عصری تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے اکوڑہ خٹک کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔پھر دسویں جماعت میں سہ ماہی امتحان دینے کے بعد بعض ناگزیر وجوہات کی وجہ سے اپنے علاقہ موضع ٹوپی (جو آج کل ضلع صوابی کی تحصیل ہے) کے سکول میں داخلہ لیا۔اور اسی سکول سے میٹرک بورڈ کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں آپ نے باقاعدہ دینی تعلیم کا آغاز کرتے ہوئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا۔یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ سکول کے ساتھ ساتھ اپنے والد مکرم اور اپنے ماموں علامہ عبدالوحید قاسمی فاضل دیوبند سے بعض دینی رسائل اور فارسی نظم کی کتابیں پڑھتے رہے مثلاً کریما، پنج کتاب، گلستان سعدی وغیرہ۔دارالعلوم حقانیہ میں کتابیں پڑھنے کے ساتھ آپ قرآن مجید کے حفظ کیلئے مکمل طور پر متوجہ ہوئے۔اس دوران آپ نے جن اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا ان میں امام المتکلمین حضرت العلامہ

---

* مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک مفتی اعظم مولانا محمد فرید صاحبؒ ،شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر شیرعلی شاہ صاحب مدنی مدظلہ،مولانا عبدالحلیم صاحب دیروی،حضرت مولانا محمد ہاروت صاحب سواتیؒ ،حضرت مولانا انوارالحق صاحب،مولانا محمد علی سواتی فاضل مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور،مشہور جہادی کمانڈر حضرت مولانا جلال الدین حقانی مدظلہ،جامع المعقول والمنقول حضرت العلامہ مولانا فضل مولیٰؒ اورمولانا قاری علی الرحمٰن صاحبؒ فنون کی کتابوں کی تکمیل کے بعد آپ نے ۱۹۷۷ء میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔جن نابغہ روزگار مشائخ سے آپ نے صحاح ستہ اوردیگر حدیث کی کتابیں پڑھیں ان حضرات میں امام المحدثین نمونہ اسلاف استاد العلماء تلمیذ رشید شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند،شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ بانی ومہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صدرالمدرسین امام المتکلمین حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیمؒ ،مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی فریدؒ ،شیخ التفسیر والحدیث اللبیب البارع شہید مظلوم حضرت مولانا محمد حسن جانؒ المدنی،حضرت مولانا محمد علی سواتی ؒ ،قائد ملت امام انقلاب شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی شامل ہیں۔ اور یوں ان جہابذۂ وقت سے استفادہ کے بعد آپ ۱۹۷۸ء میں درس نظامی سے فارغ ہوئے۔

دورۂ تفسیر القرآن کیلئے ۱۹۷۶ء میں شاہ منصور ضلع صوابی تشریف لے گئے۔اور شیخ التفسیر والحدیث العارف باللہ حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصوریؒ کے شبدۂ آفاق دورۂ تفسیر میں شرکت کی۔فراغت کے بعد حضرت الاستاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خصوصی نظر عنایت سے آپ کو اپنی مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں خدمت کا موقع دیا گیا چنانچہ اس وقت سے لیکر دم حیات کے آخری لمحات تک پوری دلجمعی یکسوئی اور جوش وولولہ کے ساتھ تدریس میں مصروف عمل تھے۔آج بحمداللہ آپ کا شمار نامور ادیبوں اوراہل قلم میں ہوتا ہے۔چنانچہ وقتاً فوقتاً برصغیر کے مختلف رسائل وجرائد میں آپ کے مقالات ومضامین،اشعار اورنعتیہ کلام شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ اردو پشتو فارسی اور عربی کے قادرالکلام شاعر تھے۔مادر علمی جامعہ حقانیہ سے نکلنے والا موقر جریدہ الحق کے ساتھ آپ عرصہ دراز سے وابستہ رہے ہیں۔

قارئین الحق آپ کے مضامین ومقالات غزلیات تعزیتی مرثیوں اورادبی شہپاروں سے مستفید ہوتے اور فیضیاب ہوتے تھے۔اسی طرح ہم کئی ساتھی آپ کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک ساتھی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے شاعری کس سے سیکھی تھی تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ شاعری کوئی شئے نہیں بلکہ یہ الہامی ہے اورپھر ازراہ تفنن فرمایا... الشعراء تلامیذالرحمان۔ دوسرے طالب علم نے سوال کیا کہ مضمون نگاری اور مقالہ نویسی میں آپ کا استاد کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے شروع ہی سے جب سے لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا مطالعہ اور کتب بینی کا شوق تھا اوریہاں دارالعلوم حقانیہ میں حضرت الاستاد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی

زیرادارت برصغیر کے مشہور مجلّہ ماہنامہ الحق اس نے شوق کیلئے مہمیز کا کام کیا۔اس کا میں بے چینی سے انتظار کرتا تھا۔پھر حضرت الاستاد کی محفل میں شرکت کرتا تھا ان کے ماہنامہ الحق کے دفتر میں بیٹھتا۔آپ انتہائی شفقت کا مظاہرہ فرماتے ۔ہمیں مطالعہ کتب اور مقالہ نویسی اور مضمون نگاری کی ترغیب دیتے اور اکثر اہم کتابوں کے نام بتاتے اور مصنفین کا تعارف کراتے۔اسی طرح آپ کی ترغیب تشجیع اور تشویق کی بدولت بندہ ناچیز اس قابل ہوا کہ کچھ سفید اوراق سیاہ کر سکے آپ کی کئی تصنیفات معرض وجود میں آئی ہیں ان میں شہرت دوام علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ ابن حاجب کی پشتو شرح دروس الکافیہ کو حاصل ہے۔ آج تک اس کی درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔علم اصول فقہ کے مشہور کتاب منتخب حسامی کی پشتو شرح بنام التوضیح السامی بھی آپ کی علمی محنت کا ثمرہ ہے۔اس کے بھی دو ایڈیشن نکل چکے ہے اور تیسرا ایڈیشن اشاعت کے مرحلے میں ہے۔اسی طرح اپنے عظیم والد متکلم العصر حضرت العلامہ عبدالحلیمؒ کے امالی مسلم شریف و بیضاوی وتلویح پر بھی تحقیق و تعلیق کا کام جاری تھا۔اپنے والد مرحوم کے حالات زندگی پر بھی ایک وقیع علمی کتاب آپ نے لکھی جو کہ حیات صدر المدرسین کے نام سے مشہور ہے۔اپنے تفسیر القرآن کے شیخ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا عبدالہادیؒ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب حیات شیخ القرآن بھی آپ کی شاہکار تصنیف ہے۔آپ کے والد محترم نے حضرت مدنیؒ کے امالی ترمذی جمع کئے تھے۔ اس پر بھی آپ کام کر رہے تھے ۔جیسا کہ پہلے ذکر کیا فا چکا ہے کہ چار زبانوں کے بہترین اور قادرالکلام شاعر ہے تو اس حوالے سے آپ کے کئی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔

آپ کا انداز تدریس انتہائی دلنشین جامع اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہوتا تھا۔مقام وموقع کی مناسبت سے لطائف بھی سناتے اور اشعار سے بھی طلبہ کی تشحیذ اذہان کراتے تھے۔کبھی کبھی تاریخی واقعات ترغیب اور تشویق کی خاطر سناتے ،جس کی وجہ سے طلباء آپ کے درس میں اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔۱۹۹۴ء میں اللہ نے آپ کو بظاہر اسباب کی عدم دستیابی کے باوجود محض اپنے فضل واحسان اور حضرت والد صاحب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی مساعی سے سعادت حج سے سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا سمیع الحق کے بڑے فرزند ہونے کے ناطے مجھ سے ہمیشہ شفقت و محبت سے پیش آتے رہے، میری اور برادرم اصغر مولانا راشد الحق سمیع کی تعلیم و تربیت میں بھرپور حصہ لیا۔ہمیں ہمیشہ ادبی اور علمی کتابوں کے مطالعے کی ترغیب فرماتے تھے۔ والد صاحب مدظلہ کا ان پر بھرپور اعتماد تھا' وہ بھی والد صاحب سے عشق کی حد تک محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بستر مرگ پر آخری وصیت کرتے وقت نماز جنازہ پڑھانے کیلئے والد محترم مولانا سمیع الحق کا انتخاب کیا مگر اللہ کو کچھ اور منظور تھا' وہ سفر عمرہ پر تھے' مگر مولانا انوار الحق صاحب نے والد صاحب کی نیابت کرتے ہوئے جنازہ پڑھایا۔اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی*

عظیم علمی ادبی شخصیت مولانا ابراہیم فانی کی رحلت

ہر انسان کو اس دنیا سے جلد یا بدیر حکم ربانی کے تحت کوچ کرنا ہے تاہم یہ امر مبنی بر مشاہدہ ہے کہ بعض لوگوں کی رحلت کا غم ایک خاندان تک محدود ہوتا ہے جب کہ بعض با اثر شخصیات کا انتقال ایک گاؤں اور علاقے میں کہرام مچا دیتی ہے اسی طرح کچھ بڑے لوگوں کا دنیا سے چلے جانا پورے ملک کو غم سے نڈھال کر کے رکھ دیتی ہے علماء کرام جو کہ انبیاء کرام کے ورثاء کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ان کی رحلت پورے کائنات کو سوگ وار کر کے رکھ دیتی ہے موت العالِم موت العالَم ،افسوس کہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جید استاذ حدیث حضرت مولانا ابراہیم فانی ۲۵اور ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء کی درمیانی شب رات کے تین بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ”اناللہ وانا الیہ راجعون “ دارالعلوم حقانیہ اور اسکے وابستگان کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ ہے مرحوم کا قلم اور کتاب سے ساری زندگی مضبوط تعلق رہا دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ وفاداری کی جو تاریخ آپ نے رقم کی وہ دنیا میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہے ساری عمر دارالعلوم کے ایک دو چھوٹے کمروں پر مشتمل کوارٹر میں گزاری۔

فقر و فاقہ اور قناعت کی زندگی اختیار کرنے والے معروف شاعر مولانا ابراہیم جس نے فانی کا تخلص رکھا نے دنیا کو اپنی شاعری میں یہ پیغام دیا کہ جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے فانی صاحب گزشتہ دو ماہ سے شدید علیل تھے اور اسی بناء پر پشاور کڈنی سنٹر میں زیر علاج تھے مرض وفات میں بھی آپ نے قلم و کتاب کے ساتھ رشتہ قائم رکھا وفات سے ایک ہفتہ قبل بیرون ملک ایک عالمی کانفرنس میں شرکت سے واپسی پر احقر اپنے والد مولانا اظہار الحق صاحب مدظلہ اور برادرم مولانا لقمان الحق صاحب کے ہمراہ حاضر ہوا تو اس مجلسِ عیادت کو بھی انہوں نے علمی ،ادبی مجلس بنا کر رکھ دیا ،گردے فیل ہو جانے کی وجہ سے ان کا رنگ بالکل متغیر ہو چکا تھا بولنے کی سکت مشکل ہو گئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ گھنٹہ بھر تک دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ اپنی یادیں دہراتے رہے اس موقع پر فرمایا کہ میں نے اپنا تخلص فانی اس لیے رکھا تا کہ ہر وقت مجھے اپنی فنا پر نظر اور فکر رہے تاہم اس بیماری کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ دارالعلوم حقانیہ کی وابستگی اور رشتے نے مجھے آفاقی بنا دیا ہے پوری دنیا کے مختلف براعظموں سے لوگ میری

---

* استاذ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

عیادت کیلئے رابطے کر رہے ہیں اندرون ملک سے روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ مجھ ناچیز کی عیادت کیلئے آ رہے ہیں پھر فرمایا کہ میں نے اپنے آپ سے عہد کر رکھا ہے کہ مرتے دم تک حقانیہ سے وابستہ رہوں گا میرے والد صدر صاحب کی رحلت بھی حقانیہ میں ہوئی اور میں بھی جب تک بدن میں روح ہے اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ میرے والد (حاجی) صاحب کے بارے میں فرمایا یہ تو ہمارے بڑے مہربان شخصیت ہے ہر ماہ جب ہمارے ہاتھ بحر الکاہل سے زیادہ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں تو یہ ہمارے ہاتھ کو گرم (ماہوار تنخواہ کی طرف اشارہ ہے) کر دیتے ہیں۔والد صاحب نے فانی صاحب کو ہاتھ میں ربیع الاوّل کی تنخواہ کا لفافہ تھمایا تو انہوں نے کہا یہ میرے لیے لینا جائز ہوگا اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ بیمار ہیں تدریس سے برطرف تو نہیں ہوئے یہ آپ کا حق ہے یہ ان کی حزم واحتیاط تھی۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

یاد رہے کہ دارالعلوم کی تنخواہ انتہائی قلیل ہے دوسری طرف فانی صاحب کو ہر جگہ سے بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کشیں ہوئیں لیکن انہوں نے دارالعلوم کی صحبت کو دنیا و مافیہا پر ترجیح دے کر ثابت کر دیا کہ دنیا کے مال و زر کی وقعت ان کی نظر میں ہیچ ہے "وما هذه الحيوة الدنيا الا لهو ولعب" اس آیات پر ان کا عقیدہ اور عمل یکساں تھا اسی مجلس عیادت میں دورانِ گفتگو احقر کو مخاطب کرکے کہا کہ دل چاہتا ہے کہ حضرت بانیؒ دارالعلوم حقانیہ سے لیکر دارالعلوم حقانیہ کے ادنیٰ خادموں تک سب کی تاریخ مرتب کروں اور پھر وہ یادیں جو دارالعلوم سے وابستہ ہیں انہیں بھی علیحدہ رقم کروں، فرمایا کہ اس پر کام شروع کر دیا ہے جس کا نام ہوگا ''داستانِ دل کشا درزمانِ ابتلا''میں نے عرض کیا کہ آپ کو بیماری میں سخت تکلیف لاحق ہے زیادہ بولنا اور لکھنا آپ کی صحت کیلئے صحیح نہیں ہے ہم بھی زیادہ دیر بیٹھیں گے تو آپ کو تکلیف ہوگی اسپر کہا کہ نہیں آپ کے آنے سے میری کتاب کی پانچ صفحات اور بھی بڑھ گئے ہیں مجھے تاکیداً کہا کے آپ کی شادی پر میں نے سہرا لکھا تھا اسی طرح آپ کے بھائی محمد عمیر الحق کی شہادت پر مرثیہ لکھا ہے یہ سب اور اس کے علاوہ اور کچھ یادیں ہوں تو ان سب کو لکھ کر اپنے سوانحی احوال سمیت مجھے جلد از جلد بھیج دیں تاکہ میں اپنی اس کتاب کو مکمل کر کے چھپوا سکوں۔

قارئین کرام دیکھئے ایک شخص بستر مرگ پر ہے اسے دنیا کی فکر نہیں اگر فکر ہے تو وہ لکھنے پڑھنے اور مدرسہ کی ہے یہی فکر انشاء اللہ اب موصوف کو برزخی اور اخروی زندگی میں رفع درجات پر متمکن کر دے گی اگرچہ ان کی زندگی میں تو ان کے فرمان پر عمل کرنے کا موقع نہ مل سکا تاہم آج ان پر تعزیتی مضمون قلمبند کرتے ہوئے یہ سہرا اور مرثیہ نذر قارئین ہے جو کہ فانی صاحب کی ہم اصاغر کے ساتھ محبت خلوص اور حد درجہ شفقت کے بین ثبوت ہیں۔ ع آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

سہرے کے پھول

بموقعہ خانہ آبادی مولانا حافظ **عرفان الحق حقانی** بن حاجی اظہار الحق حقانی صاحب نبیرۂ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ، مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سرحد بتاریخ ۲۴ رفروری ۲۰۰۶ء بروز جمعہ۔

منجانب! حافظ محمد ابراہیم فانی

یہ شادی خانہ آبادی مبارک ہو مبارک ہو — خوشی کی آئی شہزادی مبارک ہو مبارک ہو
یہ عرفاں اور لقماں کا نصیبہ جاگ اٹھا ہے — ستارہ ان کی قسمت کا مثال شمس چمکا ہے
بہار آئی ہے اک پر کیف حقانی خیاباں میں — کھلے ہیں پھول ہر جانب محبت کے گلستاں میں
خوشی سے ہر طرف معمور اور مخمور چہرے ہیں — نشاط و کیف سے بھرپور کیا پرنور چہرے ہیں
قران مشتری و ماہ کا یہ ایک سنگم ہے — خوشی کے بحر میں یہ حاجی اظہار حق گم ہے
یہ گلشن تا قیامت یوں بہار آگیں رہے یا رب — مئے الفت دل و جاں میں خمار آگیں ہے یا رب
اسی شادی کی خوشی میں نوا پیرا عنادل ہیں — تمنائیں دعائیں نیک اپنی بھی تو شامل ہیں
میں بھی اس بزم میں یہ ہدایۂ تبریک لایا ہوں — خلوص دل سے یہ اک تحفۂ تبریک لایا ہوں
یہ دلہن سیرتِ زہرہؓ سے ہو آراستہ یا رب — لباسِ عفت وتقویٰ سے ہو پیراستہ یا رب
مبارک ہو یہ فانی کے خلوص و پیار کا سہرا — عقیدت سے جو ہیں بھرپور ان اشعار کا سہرا

بوستانِ دہر سے گویا گلِ زیبا گیا

دارالعلوم حقانیہ کے ناظم الحاج **اظہار الحق** صاحب کے جواں سال صاحبزادے **عمیر الحق** سنی کی ناگہانی موت پر رثائیہ اشعار

تاریخ وفات: ۹ر ربیع الاول ۱۴۳۴ھ / ۲۱ جنوری ۲۰۱۳ء بروز پیر

شور اٹھا کہ اس جہاں سے اک جواں رعنا گیا — بوستانِ دہر سے گویا گل زیبا گیا
ناگہانی موت پر خلقت ہے یوں ماتم کناں — خوب صورت اور حسنِ خُلق میں یکتا گیا
خاندانِ شیخ پھر فریاد و غم کی زد میں ہے — اک حفیدِ محترم ان کا مرے مولا گیا
بزم حقانی اسی فرقت پہ ہے وقف ملال — جانب گور غریباں گلبدن ایسا گیا
حاجئ اظہار الحق ہے درد میں ڈوبا ہوا — ان کا وہ نورنظر اُف جانب عقبیٰ گیا

حافظ عرفانِ حق و حافظ لقماں حسیب — خونِ دل سے روتے ہیں ان کا سنی تنہا گیا
آخری ان کا سفر یہ ہوسوئے خُلدِ بریں — عین در عہدِ جوانی ہم سے وہ روٹھا گیا
اک ہجوم صالحاں ان کے جنازے میں رہا — اللہ اللہ کس ادا سے عالمِ بالا گیا
اہل خانہ کو خداوندا تودے صبرِ جمیل — ہرکسی کی آنکھ کا بے شک تھا وہ تارا گیا

ان کی فرقت پر ہے نذرِ کرب و غم پیر و جواں
ہائے فانی یاں سے سوئے سایہ طوبیٰ گیا

فانی صاحب کی کون کون سی صفت کو بیان کیا جائے آپ مجسمہ مہروفا، عاجزی وانکساری کی تصویر، خلیق و ملنسار، چہرے پر سدا بہار مسکراہٹ، درویش خدا مست، سادگی اور بے نفسی کا مرقع، تکلف سے کوسوں دور اپنی علمی ادبی دنیا میں گم، اپنی ظرافت طبع اور بذلہ سنجی کی وجہ سے دارالعلوم کے اساتذہ اور تلامذہ میں مقبول ترین شخصیت تھے ان کو کوئی اجنبی دیکھتا تو ظاہری وضع قطع سے ان پر کوئی بھی یہ گمان تک نہ کر پاتا کہ یہ جامعہ کے عظیم استاذ، نامور ادیب اور اردو، عربی، فارسی اور پشتو چاروں زبانوں کے بڑے پائے کے شاعر ہیں' آپ 1955ء میں دارالعلوم حقانیہ کے قدیم جلیل القدر استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے ہاں پیدا ہوئے مڈل تک تعلیم اپنے گاؤں زروبی میں حاصل کرنے کے بعد موضع ٹوپی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۱۹۷۰ء دارالعلوم حقانیہ سے باقاعدہ دینی تعلیم کا آغاز کیا' ابتدائی درجات سے لیکر دورۂ حدیث تک تعلیم یہیں مکمل کرنے کے بعد ۱۹۷۸ء کو فارغ التحصیل ہوئے طالبعلمی کے دوران دورۂ تفسیر ۱۹۷۶ء میں معروف مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصوری سے پڑھی فراغت سے فوراً بعد آپکا تقرر دارالعلوم حقانیہ میں یکم شوال ۱۳۹۸ھ کو ۲۵۰ روپیہ مشاہرہ پر ہوا۔

درس نظامی کے ابتدائی کتابوں سے لیکر منتہی کتابوں تک جملہ علوم وفنون کی کتابیں آپ نے اس عرصے میں پڑھائیں گزشتہ تین برس سے آپ دورۂ حدیث شریف میں بھی پڑھانے پر مامور تھے پڑھانے کے ساتھ ساتھ شعروشاعری اور ادبی دنیا میں بھی آپ اس وقت ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے ۱۹۹۴ء میں حج کی سعادت پائی ۔موصوف کا جنازہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں دن گیارہ بجے ہزاروں علماء، طلباء اور صلحاء کی موجودگی میں نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق کی اقتداء میں پڑھا گیا' اس سے قبل شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ، پیر طریقت مولانا عزیز الرحمٰن حقانی ہزاروی، معروف ادیب مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا حامد الحق حقانی نے تعزیتی کلمات پیش کیے اور پھر انکا جسد خاکی تدفین اور جنازے کیلئے اپنے گاؤں زروبی روانہ کیا گیا جہاں علاقہ بھر کے ہزاروں لوگوں نے تین بجے قطب دوراں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فریدؒ کے فرزند مولانا حسین احمد کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم صدیقیہ کے جوار میں دوبارہ جنازہ پڑھا انکی خواہش پر انہیں اپنے والد کے پہلو میں ہزاروں اشکبار آنکھوں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللھم اغفرہ وارحمه واجعل قبرہ روضة من ریاض الجنة آمین

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی*

ساعتے با اہلِ حق

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہ کیساتھ

ایک علمی اور ادبی نشست کی مختصر روئیداد

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی کا تذکرہ، علمی ادبی ذوق، صبر وقناعت کے پیکر، لطائف اور بعض دلچسپ واقعات

(۹؍ جمادی الاولی ،۱۱؍ مارچ ۲۰۱۴ء) استاذِ مکرم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی معیت میں محدثِ جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کی محفلِ علم وعرفان میں حاضری کی سعادت حاصل تھی ۔ طالبان حکومت مذاکرات اور مولانا سمیع الحق صاحب کا مرکزی کردار ہم سب کے دل ودماغ پر حاوی تھا۔ عام گفتگو اور مجالس میں بھی وہی حاوی رہا۔ مخدوم زادۂ ذی قدر مولانا راشد الحق سمیع حقانی تشریف لائے تو اپنے استاذ مولانا عبدالقیوم حقانی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

''الحق'' کی خصوصی اشاعت:

مخدوم زادہ اُسامہ سمیع بھی تشریف فرما تھے ۔ حقانی صاحب نے مولانا راشد الحق صاحب سے فرمایا: ماہنامہ الحق کی خصوصی اشاعت پر کام جاری ہے اور حضرت فانی صاحب کے متعلق مضامین آرہے ہیں؟ فرمایا جی ہاں :نمبر تو کافی ضخیم ہوتا جارہا ہے۔ مضامین میں بھی اختصار کرنا ہوگا اور انتخاب کرنا ہوگا۔

فاقہ مستی کی لذتیں:

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب نے ارشاد فرمایا: فانی صاحبؒ کے انتقال سے بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے ۔فقیر منش آدمی تھے ۔قناعت پسند تھے ۔ساری عمر فقر وفاقہ میں گزار دی ۔مزاج میں استغنا تھا۔مولانا راشد الحق نے کہا کہ فانی صاحب حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بھی ہم جماعت، قریبی ساتھی اور بے تکلف

---

* ناظم تعلیمات جامعہ ابوہریرہ

دوست تھے اور ان کے استاذ زادہ بھی تھے۔ اگر وہ انہیں اشارہ بھی کردیتے تو انہیں بڑا عہدہ مل جاتا۔ میں نے ان سے ایک مرتبہ کہا بھی تھا۔ کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے کسی حوالہ سے یہ بات کہہ دی جائے کہ وہ آپ کو پشتو ادبیات کے چیئرمین مقرر کردیں مگر فانی صاحب نے انکار کردیا۔ اور کہا نہیں، فقروفاقہ میں جو لذت ہے وہ بادشاہوں کے محلات میں نہیں۔

بے تکلفیاں:

مولانا راشد الحق نے حقانی صاحب سے کہا۔ استاذ جی، فانی صاحب تو آپ کے بھی بڑے بے تکلف دوست، مخلص ساتھی، علمی اور قلمی حوالہ سے آپ کے بہت قریب تھے۔ حقانی صاحب نے فرمایا جب میں فانی صاحب کی بیمار پرسی کے لئے ہسپتال گیا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور کہا فلاں فلاں عنوان پر میں نے نظمیں لکھیں ہیں جب گھر لوٹونگا تو القاسم کے لئے بھیج دونگا۔ مولانا راشد الحق نے فرمایا جب بھی ایسا موقع بنتا کہ آپ یہاں تشریف لاتے تو ہم حضرت فانی صاحب کو ضرور بلاتے، حقانی صاحب نے کہا کہ ہاں میں بھی استاذ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوتا تو ان کو بذریعہ فون اطلاع کردیتا۔

اخلاص وللّٰہیت کے پیکر:

شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا: واقعۃً فانی صاحب فنا ہی فنا تھے۔ علم پر، قلم پر، ادب پر اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے۔ کبھی بھی اشارتاً، کنایۃً ان سے حسن طلب محسوس نہ ہوا۔ وہ بڑے بے تکلف ساتھی تھے۔ ان کے تبصرے، تجزیے اور لطائف سے مجلس کشت زعفران بن جاتی تھی۔ بہت ہی محبت کرنے والے انسان تھے۔ الحق کے حوالہ سے بھی ان کا ایک مضبوط کردار ہے۔ اور اب ان کی ضرورت مزید بڑھ گئی تھی۔ تقدیر کے فیصلے ماننے پڑتے ہیں۔

قادر الکلامی:

مولانا راشد الحق نے فرمایا، فانی صاحب بہت ذہین اور فطین انسان تھے۔ تھوڑی دیر بیٹھتے تو عربی، فارسی، اردو اور پشتو جس زبان میں چاہتے پوری اور مکمل غزل لکھتے۔

یہ گفتگو جاری تھی کہ مولانا عرفان الحق اور مولانا لقمان الحق صاحب تشریف لائے، مولانا حقانی صاحب سے ملے۔ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا: یہ دونوں بھائی اور ان کے والد مولانا اظہار الحق، میری عزیزہ (اہلیہ مولانا عرفان الحق) اور ان کا تمام خاندان سفرِ عمرہ پر جارہا ہے۔ حقانی صاحب نے دونوں کو مبارک باد دی۔ اور فرمایا کہ عمرہ مبارک ہو، یہ تو آپ حضرات کی خوش قسمتی ہے کہ والدین بھی ساتھ ہیں۔ ان کی خدمت کرو اور

دعائیں لو۔دونوں بھائی حضرت فانی صاحب کے حوالہ سے مذاکرہ میں شریک ہوئے۔

ایک دلچسپ لطیفہ:

مولانا عبدالقیوم حقانی نے فرمایا کہ جب ہسپتال میں فانی صاحب کی عیادت کے لئے ہم لوگ گئے ۔تو انہوں نے اپنے کلام کا کچھ حصہ سنایا ، اور ایک لطیفہ بھی سنایا کہ میں نے اپنی کتاب نالہ زار ایک اچھے بھلے تعلیم یافتہ آدمی کو تحفہ میں پیش کی۔انہوں نے پڑھی اور مجھے ٹیلی فون کیا کہ میں نے آپ کی ساری کتاب پڑھ لی ہے۔علم وادب کا مرقع ہیں۔آپ نے اس کا نام نالہ زار کیوں رکھا۔ بلکہ نالہ نام رکھ کر بہت ظلم کیا۔اس کا نام تو دریا زار یا سمندر زار ہونا چاہئے تھا۔ یہ کتاب تو علم وادب کا ایک بحرِ بیکراں ہیں۔مولانا راشد الحق صاحب نے فرمایا ہاں ہاں، ان صاحب کو میں بھی جانتا ہوں۔ جناب شفیق الدین فاروقی صاحب (ان کو اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے) انہوں نے جب فانی صاحب کا یہ لطیفہ سنا تو فرمایا کہ اس بے چارے کو معذور سمجھو، کیونکہ ان کے گھر کے سامنے نالہ (لئی راولپنڈی) بہتا ہے۔انہیں ہر وقت نالہ مستحضر رہتا ہے۔اس لئے اسے نالہ کے مصداق میں سبقت فہمی ہوگئی۔شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مسکراتے رہے اور فانی صاحب کے لطیفوں سے محظوظ ہوتے رہے۔

تدریسِ حدیث پر تشکر وامتنان:

مولانا حقانی صاحب نے شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق سے عرض کیا کہ استاذ جی! فانی صاحب آپ کی سرپرستی معاونت' تشجیعات اور حوصلہ افزائیوں پر بہت خوش تھے ۔اور مجھے بارہا فانی صاحب کہا کرتے تھے کہ استاذ مکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی عنایت' تشجیع اور حوصلہ افزائی سے میں دورۂ حدیث کے کتب تک پہنچا اور حقانی اساتذۂ حدیث کی فہرست میں میرا نام بھی درج ہوا۔مولانا راشد الحق نے کہا کہ یہی بات کرتے ہوئے ایک موقعہ پر فانی صاحب نے بہت مسرت کا اظہار کیا اور یہ مصرعہ سنایا ......

ع اس کے بعد آئے جو عذاب آئے

میں نے عرض کیا اس کے بعد رحمتیں آئیں گی اور برکات کا نزول ہوگا۔

اللہ کے دروازے کھلے رہتے ہیں:

مولانا لقمان الحق نے کہا کہ حضرت فانی صاحب نے بیماری سے تقریباً دو ہفتہ قبل مجھے ہاتھ سے پکڑا اور اپنی بیٹھک میں لے جا کر فرمایا کہ تم سے ایک راز کی بات کہتا ہوں ۔ اللہ کی عنایت ومہربانی اور نصرت کا واقعہ ہے تم پر ظاہر کردوں گا۔تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔اور تحدیث نعمت کے امر پر عمل بھی ہو جائے گا۔فرمایا آج

کل جب بچے سکول جاتے ہیں تو (۵۰) روپے لے جاتے ہیں۔کل جیب میں ایک روپیہ بھی نہیں تھا کل عشاء کی نماز پڑھ کر دو رکعت نمازِ نفل پڑھے اور اللہ سے دعا کی کہ میرے تو یہ بچے ہیں اور وہ یہ بات نہیں مانتے کہ میرے پاس پیسے نہیں ہیں ۔ یا اللہ دنیا کے بادشاہوں کے دروازے تو بند رہتے ہیں مگر آپ کا دروازہ تو ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اللہ تو ہی مدد فرما۔ فجر کی نماز پڑھ کر جب مسجد سے نکل رہا تھا۔ایک قدیم فاضل ملے انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور میں سمجھ بھی نہ پایا کہ انہوں نے چپکے سے میری جیب میں پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپے رکھ دیئے۔ جب گھر آیا اور دیکھا تو اللہ کا شکرادا کیا۔اور دل میں کہا کہ آج اگر میں جنت مانگ لیتا تو وہ بھی مل جاتی۔

فرض کی ادائیگی واستقامت:

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا کہ فانی صاحب واقعتاً اکابر کی روایات کے امین تھے۔مولانا لقمان الحق نے کہا۔ امتحانات میں باوجود اعذار و امراض کے آخر تک ڈیوٹی دیتے رہتے تھے۔ ہم نوجوان اساتذہ تھک جاتے، ستانے کا تقاضا پیدا ہوتا مگر فانی صاحب ڈیوٹی انجام دینے میں مست رہتے تھے۔

محمد اسرار ابن مدنی

حضرت فانیؒ صاحب کی آخری وصیت

حضرت الاستاذ مولانا ابراہیم فانیؒ نے شدید بیماری بلکہ غنودگی کی حالت میں کئی مواقع پر وصیتیں فرمائیں، جس میں نجی اور اجتماعی تمام معاملات وامور کو بالتفصیل بیان کیا۔زیرنظر وصیت انتہائی جامع ہے، جوانھوں نے علماء کرام اور اہل خانہ کی موجودگی میں فرمائی تھی۔ جس سے فانی صاحبؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں کے حوالے سے کافی اہم نکات سامنے آئے۔(ابن مدنی)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرء مع من احبہ او کما قال علیہ الصلاۃ والسلام

میرے محترم ساتھیو، موت اور حیاۃ مرض یا عدم مرض پر نہیں ہے، صحتمند آدمی بھی مرجاتا ہے خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔

میرا عقیدہ:

دین دو چیزوں کا نام ہے ایک اثاثی طور پر اعتقادات اور ایک عبادات، باقی اس میں جزئیات میں معاملات وغیرہ۔عبادات میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھ سے بہت کوتاہیاں ہوئی ہیں اللہ اس کی مغفرت فرمائے اور معتقدات میں میرا دعوی یہ ہے جیسا امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں "ایمانی کایمان جبریل"یعنی میرا ایمان ایسا ہے جیسا جبرائیل علیہ السلام کا ہے۔اس کے بارے میں بہت مضبوط اور مستقیم ہوں۔

عشق رسول ﷺ کا سرمایہ:

ایک دوسرا اثاثہ بھی اس کے علاوہ رکھتا ہوں جو بہت نمایاں ہے اور وہ سرمایہ عشق رسول ﷺ ہے۔

تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہنچا　　　میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

یہ دعوی میں رکھتا ہوں۔مشکوۃ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ " متی الساعۃ؟ آپ ﷺ اس سوال پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا "ماأعددت لھا؟" تو سائل نے کہا کہ میں نے تو اس کیلئے کوئی تیاری نہیں کی ہے البتہ اتنی بات ہے کہ احب اللہ و رسولہ کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔رسول اللہ ﷺ اس جواب

سے اتنے خوش ہوئے کہ ساری ناراضگی دور ہوگئی اور فرمایا"المرء مع من احبہ"۔

قرآنی پنج تن پاک:

جب لوگ دوستی کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ کن لوگوں کیساتھ کھڑا ہونا چاہونگا۔ان لوگوں کی تعیین قرآن پاک نے کی ہے کہ ۴ طبقات ہیں۔من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین اس میں من بیانیہ ہے والصدیقین والشہداء والصالحین۔ اس سے ہمارے پنج تن پاک بھی ثابت ہوتے ہیں۔ایک شیعہ نے مجھ سے کہا کہ آپ لوگ پنج تن پاک کیوں نہیں مانتے؟ میں نے جواب دیا کہ ہم تو قرآنی پنج تن پاک کو مانتے ہیں تو اس نے کہا کہ قرآن میں پنج تن پاک کہاں ہے؟میں نے کہا کہ دیکھو یہاں پر صدیقین سے مراد ابوبکرؓ ہیں ،شہداء سے مراد حضرت عمر وحضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں اور صالحین سے مراد حضرت علیؓ ہے اور اس کی تائید اس جگہ پر ہے کہ محمد رسول اللہ والذین معھم اشداء علی الکفار رحماء بینھم تو والذین معھم سے مرا د ابوبکرؓ ہے جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے کہ لاتحزن ان اللہ معنا۔اشداء علی الکفار سے مراد حضرت عمرؓ ہے ،رحماء بینھم سے حضرت عثمانؓ اور رکعا سجدا سے مراد حضرت علیؓ ہے تو میں نے کہا کہ ہمارے پنج تن پاک قرآنی ہیں آپ لوگوں نے پتہ نہیں کہاں سے لئے ہیں۔بہرحال اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بروز آخرت ہمیں ان پنج تن پاک کی معیت میں کردے۔تو میں عرض کر رہا تھا کہ اگر چہ دین کے عبادات کے شعبے میں ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں لیکن اس دوسرے شعبے میں اللہ نے ہمیں استقامت عطا فرمائی ہے۔اللہ ہمارے ساتھ رحم کا معاملہ فرمائے اور آخری خاتمہ اس کلمے پر کرے کہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ اور میں کہتا ہوں آپ سب لوگ گواہ بن جائیں کہ اشھد ان لا الہ الااللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ۔

اکابر امت سے ملاقات کی تمنا:

یہ ہمارے لئے خوشی کا موقعہ ہے کہ اپنے اکابر کے ساتھ ان شاء اللہ ان شاء اللہ ملاقات ہوگی، شیخ الہندؒ کو دیکھیں گے حضرت تھانویؒ کو دیکھیں گے،حضرت مدنیؒ کو دیکھیں گے مولانا آزادؒ کو دیکھیں گے اور ان سے پہلے جو مشائخ واکابرین گذرے ہیں ان کو دیکھیں گے۔امام رازیؒ،مولانا جامیؒ، حافظ شیرازیؒ یہ لوگ دیکھیں گے اور ان شاء اللہ ان کے ساتھ ایک مجلس بنائیں گے۔

اولاد کیلئے مستقبل کا لائحہ عمل:

میں چاہتا تھا کہ اگر میرے ۲۰ بیٹے ہوتے تو سارے علم دین حاصل کرتے ابھی میرے ۲ بیٹے ہیں۔ یہ محمود زکی کھڑا ہے ،یہ درجہ سادسہ میں ہے۔ میں تو چاہتا تھا کہ اس کی دستار فضیلت اور شادی دونوں کی خوشیاں دیکھوں لیکن اس دنیا میں کسی کی بھی سب خواہشات پوری نہیں ہوئی ہیں۔ میں ان کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنے اسباق

جاری رکھیں کیونکہ ہمارا ایک طویل علمی سلسلہ ہے اور گھر میں لاکھوں کے قیمتی کتب پڑے ہیں، یہ ضائع نہ ہوں۔

فارسی دیوان کی اشاعت:

میری خواہش تھی کہ میں نے ایک فارسی دیوان لکھا تھا اور میں بھی ان پشتون شعراء میں سے ہوں جنہوں نے فارسی دیوان لکھا ہے اور وہ تقریباً تیار ہے، محمود نے اس کو مرتب کیا ہے تو اگر میں حیات رہوں تو میرے سامنے ایک کام ہو جائے گا اور اگر نہ رہوں تو پھر آپ لوگ میرے بعد یہ کام کرلیں اور اس کے ساتھ دوسرا کلام جس کی فہرست میں نے محمود کو دی ہے وہ اور باقی میرا جو کلام ہے اردو، فارسی اور عربی وغیرہ وہ بھی جمع کر کے مرتب کیا جائے۔ یہ میری کتابیں میرا اثاثہ ہیں اور یہ ان کا ترکہ ہے، اس سے اپنے لئے کام چلالیں اللہ آپ کو دین بھی دیگا اور دنیا بھی۔

مدرسے کے ارباب اہتمام سے گزارش کروں گا اور خصوصاً راشد صاحب کو کہوں گا کہ وہ میرے بچوں اور اہل خانہ پر مہربانی کریں کہ اب تو سال کا درمیان ہے' اہل خانہ کہیں نہیں جاسکتے اور یہ اُس وقت تک یہاں رہیں جب تک اپنی تعلیم مکمل نہیں کر لیتے۔ یہ میری کچھ باتیں ہیں جو آپ لوگوں کو تو بے وقت لگیں گی لیکن مجھے بروقت لگتی ہیں۔

قرض کے معاملات: دوسری بات یہ کہ میرا کسی کے ساتھ قرض کا معاملہ نہیں ہے، ہاں البتہ مکتبہ رشیدیہ [1] کے ساتھ کتابوں کا کچھ معاملہ ہے تو ان کے ساتھ بیٹھ کر وہ معاملہ صاف کرلیا جائے کیونکہ میں کتابیں ان سے چھپواتا ہوں۔ گاؤں میں میرا کسی کے ساتھ قرض کا لین دین نہیں لیکن پھر بھی اسماعیل پتہ کروالیں اگر ہوا تو ادا کرلیا جائے۔ اتنے پیسے ہیں کہ یہ سب قرضے ادا ہو جائیں گے باقی بچوں کا اللہ رازق ہے جو خالق و مالک ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ میں نے اتنی اچھی زندگی گزاری ہے کہ اگر میں اللہ سے گلہ کروں کہ مجھے خوش نہیں رکھا تو یہ بہت ناشکری ہوگی۔

حیات صدر المدرسین کی دوسری اشاعت

جامعہ ابوھریرہ کے جان محمد ''حیات صدر المدرسین'' کا دوسرا ایڈیشن کمپوز کر رہا ہے اللہ مجھے زندگی دے تاکہ میں اسے اپنی زندگی میں چھاپ سکوں۔ میں نے تو اس کو کہا ہے کہ اس میں افادات کا حصہ نہ لکھا جائے لیکن اب اس کو کہو کہ وہ بھی لکھیں۔ اس کو اس کا منہ مانگا معاوضہ دیا جائے تو اس کے کمپوزنگ کے پیسے ہیں وہ اس کو دینے ہیں اور برہان کو کہا جائے کہ اس کا مطالعہ کر کے اس کی تصحیح کرے۔ اگر میں نے کسی کے ساتھ دشمنی کی ہے تو اللہ کیلئے کی ہے ذاتی دشمنی کسی کے ساتھ نہیں کی ہے اور اگر کی ہے تو ان سب سے معافی چاہتا ہوں وہ اللہ کی رضا کیلئے مجھے بخش دیں۔ امید رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے بخش دیگا اور اپنے اکابرین کا دیدار نصیب ہوگا۔

اہل خانہ کو وصیت: دوسری بات یہ کہ جیسا محمود اور اسعد میرے بچے ہیں اس طرح مسعود بھی میرا بیٹا ہے میں

---

(۱) وفات سے چند روز قبل حضرت فانی صاحب مرحوم نے مکتبہ رشیدیہ کے مالک مولانا سید محمد حقانی کو ہسپتال بلایا اور وہیں بستر پر تمام معاملات نمٹا لئے اور ایک دوسرے کے بقایا جات ادا کئے۔

آپ سب کو کہتا ہوں کہ آپس میں بہت اتفاق و اتحاد رکھو گے اور معمولی باتوں پر ناراض نہ ہوں۔مسعود کے والد اسماعیل کو کہتا ہوں کہ میرے بعد میرے بچوں پر دست شفقت رکھیں اور ان کی سرپرستی کریں۔محمود کو کہتا ہوں کہ میرا تو ارمان تھا کہ تمہاری شادی کا سہرہ تمہاری دستار بندی سے پہلے دیکھوں گا لیکن قسمت میں شائد نہ ہو تو یہ کہتا ہوں کہ پہلے فوراً اس کی شادی کردی جائے پھر دستار بندی ہوگی اور جب فراغت ہوگی تو پھر ہمارا آبائی اور اجدادی مشغلہ تعلیم و تدریس جاری رکھے اور اسعد کا امتحان جب ہوجائے تو حفظ شروع کردے اور جب مکمل ہوجائے تو پھر درس نظامی شروع کردے اور دوران تعلیم اس کی شادی کردی جائے۔

بچی کے بارے میں جب وہ لوگ مطالبہ کردیں تو بہت اچھی شادی کردی جائے اور اس میں ہر چیز کا اہتمام کیا جائے۔کچھ پیسے مولاداد کے امانتاً رکھے ہیں اس کا حساب کتاب ایک کتابچہ میں مکمل لکھا ہے۔ابھی گاؤں کے گھر پر جو کام شروع ہے اس پر کام جاری رکھا جائے تاکہ جلد از جلد مکمل ہو۔شاید میں اسے دیکھ سکوں اور اس میں ایک رات گزار سکوں۔یہ باتیں بطور یاددہانی میں نے ذکر کردی ہیں تاکہ آپ لوگ بھول نہ جائیں۔میں نے اللہ کیساتھ معاملہ صاف کردیا ہے باقی اللہ کی رحمت پر مجھے امید ہے انك كريم عفو كريم اللهم انك ودود عفو فاعف عنا۔

میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں عاشق رسولؐ ہوں اللہ نے مجھے ہسپتال میں بھی توفیق دی کہ ہزاروں بار درود شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، میں چاہتا ہوں کہ اتنی بار درود پڑھوں کہ پیدائش سے وفات تک کے عرصے پر تقسیم کردیا جائے تو ایک دن میں ۱۰۰ بار درود شریف آجائے۔اگرچہ یہ مشکل تھا لیکن الحمدللہ بطور تحدیث بالنعمت ذکر کررہا ہوں کہ میں نے تقریباً تقریباً اس کا احاطہ کرلیا ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے مجھے والہانہ محبت ہے اور وہی میری شفاعت فرمائیں گے ان شاء اللہ۔

محمود کی والدہ سے بھی بخشش طلب کرتا ہوں کہ اگر آپ کے حقوق میں کوئی کمی کی ہو یا زیادتی وظلم کیا ہو تو معافی چاہتا ہوں کیونکہ الظلم ظلمات من یوم القیامة تو مجھے معاف کردیں اور ہم نے ایک ساتھ بہت اچھی اور باحیا زندگی گزاری ہے۔دوست اکثر مجھے مذاقاً کہا کرتے تھے کہ آپ کی دوسری شادی کرادیتے ہیں تو میں کہتا تھا کہ آخر کیوں؟ اس بے چاری نے کیا گناہ کیا ہے؟ یہ تو نامناسب ہوگا حالانکہ وہ لوگ مذاقاً کہا کرتے تھے۔میں آپ سے بہت خوش ہوں اللہ آپ کو دنیا و آخرت میں خوشیاں دے۔

میری وفات کے بعد میرا پہلا جنازہ اکوڑہ میں ادا کیا جائے اور دوسرا جنازہ گاؤں میں کیا جائے اور تدفین بھی والدین کے قریب کی جائے۔پہلا جنازہ اکوڑہ میں ادا کیا جائے تاکہ دور دراز کے لوگوں کو آنے میں آسانی ہو۔اکوڑہ میں جنازہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب پڑھائیں گے اگر وہ نہ ہوں تو پھر حضرت مولانا انوار الحق صاحب پڑھائیں اور گاؤں کا جنازہ مولانا فضل علی حقانی صاحب پڑھائیں یا اگر وہ چاہیں تو اپنا اختیار دوسرے اکابرین کو بھی سونپ سکتے ہیں مثلاً ڈاگئی باباجی (بقیۃ السلف مولانا حمد اللہ جان' فاضل مظاہر العلوم سہارنپور مراد ہیں) یا دوسرے اکابرین وغیرہ کو۔

باب دوم:

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ

کے فنِ شاعری کے مختلف اصناف کا نمونہ

درد میں لذت بہت اشکوں میں رعنائی بہت
اے غم ہستی تری دنیا پسند آئی بہت
ڈھونڈتی پھرتی ہے اب دشت وبیاباں میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

سہرا

''جذباتِ محبت''

بموقع تقریب شادی خانہ آبادی برادر محترم حافظ راشد الحق سمیع حقانی

مدیر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' بتاریخ ۱۰/ نومبر ۲۰۰۰ء

از ! حافظ محمد ابراہیم فانیؔ

....

آ گیا وہ لمحہء گلبار و وقت بہتریں
واسطے جس کے رہی یوں منتظر جان حزیں
یہ نوید نو عروسی یہ پیام عنبریں
لائق صد ناز و تمکیں قابل صد آفریں

بزم حقانی پہ آئی پھر بہار اندر بہار
فصل گل کا یہ چمن ملجا ہو ماویٰ بار بار
ہر گل تازہ ہو اس کا رشک جنت باوقار
ہر قدم پر اس پہ نازل لطف رب العالمیں

غرق دریائے سرور و کیف ہے یوں سر بسر
آج مولانا سمیع الحق مدیر دیدہ ور
کس قدر رخشندہ تر ہیں واہ یہ شمس و قمر
غازۂ فطرت سے رخسار شفق ہے احمریں

رنگ الفت ذوق شکر رب ہے گویا آشکار
چار سو خوشیوں کے نغمے کیف عشرت کا خمار
سنبل و ریحاں سے پر ہے آج دامان بہار
نغمہ زن ہیں وجد میں حورانِ فردوس بریں

آج شادی ہے یہ راشد حافظ قرآن کی
اور خوشیاں ہیں دو بالا حامد ذیشان کی
روح ہوگی شاد کتنی آج دادا جان کی
دل کشا ہے اب فضا گل گشت ہے روئے زمین

دائماً خوشیاں ہوں یہ قائم نہ ہو اس کی توحد

یہ گلستان تازہ تر ہو یا الٰہی تا ابد
سالِ ھجری یک ہزار وبست ویک برچار صد
سیزدہ از ماہ شعبان روزِ جمعہ رابہیں

کس قدر ہے باعث صد خیر و برکت یہ برس
تا بکے یہ دل رہے گا قیدی بند قفس
ہر طرف شور مبارک باد ہے اے ہم نفس
چار جانب ہیں خوشی کے زمزمے اے ہم نشیں

باعث تسکین جاں ہو اب یہ دلہن کا ورود
وجہ آرام جگر ہو یاالٰہی یا ودود
بہر راشد اللہ اس عروسہ کا وجود
ہو اسی سے رونق خانہ دو بالا اے متیں

لمحہ لمحہ ہر گھڑی ہو تم پہ رحمت کا نزول
بخش دے دلہن کومولا سیرت زہرہ بتول
ہیں یہ جذبات محبت گر یہ ہوجائیں قبول
اے خوشا یہ سنت والائے ختم المرسلیں

نو عروسی کا یہ جوڑا چشم بد سے الاماں
مشتری و ماہ کا سعدین کا گویا قراں
اور آثار سعادت اس خوشی سے ہیں عیاں
اللہ اللہ یہ نصیبہ ہمسر ماہ مبیں

یہ خوشی ہو وجہ عز وجاہ و عظمت ہر قدم
پیش کرتے ہیں مبارکباد تجھ کو دم بدم
باخلوص و بامحبت اے مدیر محترم
جامعہ حقانیہ الحق کے جملہ قارئیں

یہ مرے اشعار ہیں گویا تیرے سہرے کے پھول
اس کے رنگوں میں مرے خونِ جگر کا ہے شمول
فانی عاجز کی جانب سے یہ تحفہ ہو قبول
ہے بہار آگیں سدا اس پر خزاں آتی نہیں

☆ ☆ ☆

مرثیہ

قبلہ گاہ محترم علامہ عبدالحلیم رحمہ اللہ کی یاد میں

(صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ)

اے مرے مرحوم والد قبلہ گاہِ محترم
تیری تربت پہ کھڑا ہوں پیکر و تصویرِ غم

بِن ترے میرے لئے سونی ہے بزم کائنات
اور ویرانہ ہے میرے سامنے باغِ ارم

جان کی بازی لگائی بہرِ ترویج علوم
جادۂ منزل ہے گویا آپ کا نقش قدم

تو نے مجھ ناچیز کو بخشا ہے ذوق آگہی
ورنہ کس قابل تھا یہ اک ذرہ دشتِ عدم

مجھ کو سمجھانا کبھی الفت بھرے انداز میں
یاد آتی ہیں ادائیں وہ تمہاری دم بدم

تیرے خوانِ علم سے زلہ ربائی میں نے کی
یہ نصیب اللہ اکبر ہے انعام ذوالحکم

حشر تک اس گلشن جنت میں آسودہ رہے
تیرے فیضانِ نظر سے مجھ پہ ہے رب کا کرم

آہ وہ مدح نبیؐ اوصاف یاران رسولؐ

کب سنائے گا ہمیں بادیدۂ پر آب و نم
اب کہاں وہ بزمہا و حلقہ ہائے علم و فن
حسرتا! ایسی محافل سے ہوئے محروم ہم
فانی بیچارہ اُف یہ کون زیرخاک ہے
درحقیقت نازشِ اہل عرب فخرِ عجم
تیری تربت پر چراغ طور نور افشاں رہے
حشر تک تو ہم نشین رحمت یزداں رہے

قطعہ وفات عمیرالحق سنی

مرتبہ تجھ کو شہادت کا ملا
تیری فرقت باعث افسوس واہ
حاتفِ غیبی سے پوچھا سال ہجر
یوں کہا مثواہ دارالخلد و آہ

۱۴۳۴ھ

نظم

نذرِ اقبالؒ

تھے عالم اسلام پہ ادبار کے حالات
یورپ کو سمجھنے لگا بس قبلہء حاجات
جب امتِ مرحوم ہوئی دین سے بیزار
تقدیر نے دی ملت بیضا کو یہ سوغات
دانائے راز صورت اقبال آ گیا
بتلائے اس نے قوم کو ملی تشخصات
اک عہد فیضیاب تری فکر سے ہوا
مسلم کو دیا درس خودی درس مساوات
تو حافظؒ و رومیؒ کے تصور کا امیں ہے
مشرق کے لئے باعث صد فخر و مباہات
سنائی و عطار کے مسلک کا راز داں
رازیؒ کے غزالیؒ کے ترے سامنے دن رات
تیری نگاہ دیدۂ بینائے وطن ہے
قسام ازل نے تجھے بخشے ہیں کمالات
نظروں میں تری ہیچ ہے یہ دانش افرنگ
مغرب کا مفکر ہے فقط پیر خرابات
ہاں ناز تجھے فلسفہ دانی پہ بجا ہے
تو بے نیاز حکمت و قانون و اشارات
فانی گم ان کی ذات میں تسلسل آفاق
ہے وجد میں رقصاں تری صہبائے خیالات

نظم:

بابری مسجد کی شہادت پر

ہر قدم پر خون کی ندی خدایا بہہ گئی
اور یہ چشمِ فلک حیرت زدہ ہی رہ گئی

آسماں کو حق یہ حاصل ہے کہ برسائے لہو
بابری مسجد نجس ہندو کے ہاتھوں ڈھ گئی

مسلمِ خوابیدہ ہنگامِ خموشی یہ نہیں
غیرتِ ملّیِ ہمیں کیا کیا سنا کر رہ گئی

زخمِ بیت مقدس و اقصیٰ ابھی تازہ ہی تھا
وہ مصیبت ملتِ بیضاء تو کیسے سہہ گئی

میری بربادی کا نقشہ دیکھنے والو سُنو!
مسجد بابر وہ فانیؔ بات آخر کہہ گئی

الجہاد اللہ اکبر ہے لعینوں کا علاج
کس طرح پھر بھاگتا ہے دیکھ ہندو سامراج

غزل

آج کل بدلا ہے نقشہ صورتِ حالات کا
اب یقیں آتا نہیں ان کو ہماری بات کا

وہ محبت خیز باتیں وہ کنارِ آب جو
ہے حسیں کتنا تصور ان حسین لمحات کا

دیکھ کر میرا وہ سیل اشک جو تھمتا نہ تھا
طنز سے کہنے لگا موسم نہیں برسات کا

دل کے لٹ جانے کی میرے دکھ بھری ہے داستاں
کون سنتا ہے وہی قصہ نہیں اک رات کا

دل میں اک ہنگامہ طوفاں بپا ہے ان دنوں
خود نہیں ادراک مجھ کو اپنے احساسات کا

ہم پہ فانؔی ان کی بیگانہ نگاہی کے سبب
بیکراں ہوتا رہا یہ سلسلہ آفات کا

☆ ☆ ☆

غزل

بدلیں گے انداز تیرے یہ کبھی سوچا نہ تھا
دل نے اے جانِ تمنا یہ ستم دیکھا نہ تھا

اپنی قسمت سے گلہ تھا ان سے کچھ شکوہ نہ تھا
اس حسین پیکر نے میرے عشق کو سمجھا نہ تھا

زندگی میں پیش آئے ہیں حوادث نو بہ نو
اب کے جو طرز جنوں ہے پہلے تو ایسا نہ تھا

ہائے ان فرقت کے لمحوں میں وہ حدّت خوں کی
تن میں ایسی رگ نہ تھی جس میں شرر بھڑکا نہ تھا

تجھ سے میں کیوں دور ہوجاؤں کہیں گے کیا یہ لوگ
چاند تھا لیکن قریب اس کے کوئی تارا نہ تھا

کس کو ہم آخر سناتے قصۂ سوز جگر
تھی بھری محفل مگر اک بھی جگر والا نہ تھا

فانیؔ بیچارہ اب احوال دل مت پوچھئے
بجلیوں کے گھر میں پہلے ایسا اندھیرا نہ تھا

☆ ☆ ☆

از: حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ

داستانِ دلکشاء در زمانِ ابتلاء

جناب مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب' دارالعلوم حقانیہ کے جید استاذ الحدیث ہونے کیساتھ ساتھ کہنہ مشق شاعر' ادیب' مصنف و محقق ہیں' تقریباً پینتیس برس دارالعلوم حقانیہ میں منصب تدریس پر فائز رہے۔موصوف نے آئی سی یو جیسی نازک جگہ میں بھی کتاب وقلم اور ادب وشاعری سے رشتہ جوڑے رکھا اور شدید بیماری بلکہ غنودگی کی حالت میں اپنی یاداشتیں لکھنا شروع کیں' جسکا دوسرا حصہ نذرِ قارئین ہے۔ان شاءاللہ آئندہ شمارے میں تفصیل سے اس کی باقی اقساط شائع کی جائیں گی .... (ادارہ)

حضرت الاستاذ فانی صاحب نے غنودگی کی حالت میں مولانا سمیع الحق کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہیں' ہم نے جواباً کہا کہ وہ کراچی تشریف لے گئے ہیں' فانی صاحب نے فرمایا کہ مولانا صاحب اور دیگر اکابرین ہمارا ملی اثاثہ ہیں۔ان کو احتیاط کرنا چاہیے اور بے جا اسفار میں نہیں الجھنا چاہیے کیونکہ یہ حضرات ہمارے لئے اثاثہ اور سرمایہ حیات ہیں۔ہم ان پر بجا طور پر فخر کرسکتے ہیں۔کراچی کا حال تو آپ کو معلوم ہے کہ وہاں علماء دیوبند کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا ہے' وہاں مدارس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ہر روز علماء دیوبند کی لاشیں گرائی جاتی ہیں' بغیر ضرورت کے گھروں سے نہیں نکلنا چاہیے۔

قول شیخ القرآن شاہ منصوری:

جب میں ۱۹۷۶ء میں شاہ منصوری کے ساتھ دورہ تفسیر پڑھتا تھا' تو دوران ختم قرآن پاک آپ نے فرمایا (بطور نصیحت کسی نے ان کو لکھا تھا کہ باباجی مجھے نصیحت کرے) تو آپ نے فرمایا کہ اے بچو! سنو!

هذا زمان السکوت والتزام البیوت چونکہ وہ گرمی کا زمانہ تھا اور گرمی کا موسم تھا تو لوگ توت کی شربت کو بہت پیتے تھے' تو میں نے اس جملے میں اضافہ کیا کہ **هذا زمان السکوت والتزام البیوت و شرب عسواۃ التوت** تو دیکھو ۷۶ء میں ہمیں شیخ صاحب یہ تلقین کررہے تھے' اس وقت کیا حال ہے اور اس وقت کیا حال تھا۔

ہم ان نابغہ روزگار شخصیات کو اسلامی انقلاب کے بپا کرنے اور شرعی نظام کے نفاذ کرنے کے لئے جدوجہد پر احترام نہیں کرتے وہ تو بہرحال مقتداء ہے اور ہمیں ان پر تنقید کا حق نہیں

مدینہ منورہ کی ہوا:

اتنے میں صاحب زادہ محترم حضرت مولانا راشد الحق حقانی مدیر ماہنامہ ''الحق'' کا مدینہ منورہ کی مقدس ہواؤں سے فون آیا اور فانی صاحب کو کہا کہ میں یہاں مدینہ منورہ میں ہوں' اور آپ کے لئے دعائیں کررہا ہوں۔ روضہ رسول اللہ ﷺ پر سلام میں پیش کررہا ہوں' اس پر فانی صاحب بہت آبدیدہ ہوئے اور بے اختیار ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا اور پر کیف انداز میں اپنے عشقیہ اشعار کہے:

جہاں صلے علی کی بات ہوگی　　　محمد مصطفیؐ کی بات ہوگی
اگر موج صبا کی بات ہوگی　　　مدینہ کی ہوا کی بات ہوگی

فون پر گفتگو کر کے بتایا کہ مولانا صاحبزادہ راشد الحق حقانی ہمارے شیخ مولانا سمیع الحق صاحب کے انتہائی ہونہار اور وضع دار فرزند ہیں اور حضرت مولانا بھی ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔ میرا تو زمانوں سے ان کے ساتھ علمی اور روحانی تعلق ہے اور مدرسہ میں مجھے جب کوئی مسئلہ درپیش آئے تو سب سے پہلے اِن کے سامنے رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی صفات' کمالات اور خصوصی انعامات سے نوازا ہے۔ ہر سال ان کو حج مع عمرہ نصیب ہوتا ہے۔

سر بوقت ذبحہ اپنا ان کے زیر پائے ہے　　　یہ نصیب اللہ اکبر لُوٹنے کی جائے ہے

اللہ تعالیٰ ان کو مزید ترقی سے نوازے

جامی و شیخ نقشبند کے اشعار کا تذکرہ:

مدینہ منورہ کی یاد سے مولانا جامی کا شعر یاد آ گیا

کہ بود یارب کہ رو در یثرب بطحہ کنم　　　گاہ بہ مکہ منزل درگا مدینہ جا کنم

اور چونکہ بستر مرگ پر لیٹا ہوں نہ جانے کس وقت زندگی کی شام ہوجائے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے پاس رہنے دو　　　نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

ایک اور شعر یاد آ گیا جو غالباً بہاؤ الدین نقشبند کا ہے جو انہوں نے مشہور مناجات میں لکھا ہے۔

چار چیز اور دَہ اَم شاہا کہ در گنجے تو نیست　　　عاجزی وہ بے کسی عذر و گناہ اور دہ ام

اور اس موقع پر بحمد للہ مجھے علامہ اقبال کا آفاقی اور عالمگیر قطعہ یاد آیا۔ وہ فرماتے ہیں

گر تو میں خواہی گنا ہم ناگزیر　　　از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

(جاری ہے)

جناب بابر حنیف

باقیات فانی

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ سالہا سال تک ماہنامہ ''الحق'' میں مختلف متنوع موضوعات پر خامہ فرسائی فرماتے رہے۔ زیرنظر مجموعہ ان کے ماہنامہ الحق میں شائع ہونے والے تحریرات ،غزلیات ،مراثی ،تراجم ،مکتوبات او رتبصروں پر مشتمل اشاریہ ہے ۔امید ہے حضرت فانی صاحب کے فکر وفن کے حوالے سے کام کرنے والوں کے لئے یہ سنگ میل ثابت ہوگا۔

محمد ابراہیم فانی، حافظ	عبدالوحید قاسمی زروبویؒ ۔ ایک علمی و ادبی تذکرہ [۲/اقساط]	اگست ۱۹۸۴/ ۴۳۔۴۸، ستمبر ۱۹۸۴/ ۴۹۔۵۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	نالۂ دل [مرثیہ]	ستمبر ۱۹۸۴/ ۵۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	بیاد علامہ عبدالحلیم مردانی [نظم]	فروری ۱۹۸۵/ ۵۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا صاحبزادہ سیّد احمدؒ	مئی ۱۹۸۵/ ۲۵۔۳۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مرثیۂ عبیداللہ انورؒ	جون ۱۹۸۵/ ۵۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	عظمتِ صحابہ ؓ اور خمینی	ستمبر ۱۹۸۵/ ۴۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	احمد گل حقانی شہیدؒ [جہادِ افغان]	اکتوبر ۱۹۸۵/ ۵۔۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	حبیب الرحمٰن حقانی شہیدؒ [جہادِ افغان]	اکتوبر ۱۹۸۵/ ۹۔۱۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	طالب محمد حقانی شہیدؒ [جہادِ افغان]	اکتوبر ۱۹۸۵/ ۱۲۔۱۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	جہادِ افغانستان اور حقانی شہدا [مولانا امیر جان شہیدؒ]	اکتوبر ۱۹۸۶/ ۹۔۱۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا عبدالغنی دیرویؒ کی وفات	نومبر ۱۹۸۶/ ۴۷۔۵۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	شہادت گاہ بالاکوٹ [نظم]	فروری ۱۹۸۷/ ۵۲۔۵۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	فقر غیور و سراپائے سال امیر جمعیت سیّد گل بادشاہ کی یاد میں [نظم]	اپریل ۱۹۸۷/ ۶۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا غلام غوث ہزارویؒ [نظم]	مئی ۱۹۸۷/ ۶۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا عبدالرزاق شاہ منصوریؒ	جولائی ۱۹۸۷/ ۵۷۔۶۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	رشکِ بتانِ آذری! تضمین بر غزل امیر خسرو	اگست ۱۹۸۷/ ۵۵۔۵۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	نقش وفا، بیاد مولانا مفتی محمودؒ [نظم]	اکتوبر ۱۹۸۷/ ۶۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	شمع عرفان، بیاد مولانا عبدالہادی شاہ منصوریؒ [نظم]	نومبر ۱۹۸۷/ ۶۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	سیر بوستان، تذکرہ مولانا عبدالہادی شاہ منصوریؒ [۳/اقساط]	اپریل ۱۹۸۸/ ۴۷۔۵۲، مئی ۱۹۸۸/ ۴۳۔۵۲، جون ۱۹۸۸/ ۴۷۔۶۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	قطعہ سال وفات اہلیہ محترمہ شیخ الحدیثؒ [نظم]	مئی ۱۹۸۸/ ۶۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	قطعہ سال وفات اہلیہ محترمہ شیخ الحدیثؒ [نظم]	مئی ۱۹۸۸/ ۶۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	قطعہ سال رحلت [بر وفات مولانا عبدالحقؒ]	اکتوبر ۱۹۸۸/ ۳۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	قرنِ اوّل کی اداؤں کا امیں بھی چل بسا [نظم]	نومبر ۱۹۸۸/ ۵۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	فرقت مولانا عبدالحقؒ [نظم]	جنوری ۱۹۸۹/ ۵۹۔۶۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اے خطۂ کشمیر [نظم]	جون ۱۹۹۱/ ۶۱۔۶۲

محمد ابراہیم فانی، حافظ	بابری مسجد [نظم]	اگست۱۹۹۱/۶۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	بتلائے جس (اقبال) نے قوم کو ملی تشخصات [نظم]	اکتوبر۱۹۹۱/۶۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	نورِ اولین [نعت]	جنوری۱۹۹۲/۵۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	ہدیہ تبریک [نظم]	فروری۱۹۹۲/۶۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا محمد اسرائیلؒ	اپریل۱۹۹۲/۵۷-۶۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	فریاد ہے [نظم]	جولائی۱۹۹۲/۶۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ [نظم]	ستمبر۱۹۹۲/۶۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا میاں حکمت شاہ کاکا خیلؒ	اکتوبر۱۹۹۲/۴۱-۵۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	بابری مسجد کی شہادت پر	نومبر۱۹۹۲/۶۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مشعلِ راہ ہدایت اور صحبتے با اہلِ حق	دسمبر۱۹۹۲/۶۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا میاں حکمت شاہ کاکا خیلؒ	دسمبر۱۹۹۲/۲۶-۳۴
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مظلوم بوسنیا [اقوامِ متحدہ اور عالمِ اسلام/نظم]	اپریل۱۹۹۳/۲۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مفتی برخیا کاکا خیلؒ	اگست۱۹۹۳/۳۶-۴۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	بیانِ ابوتراب رضی اللہ عنہ [نظم]	مارچ۱۹۹۴/۶۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ [نظم]	اپریل۱۹۹۴/۶۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مظلوم مسلمان اور اقوامِ متحدہ کا مذموم کردار [نظم]	ستمبر۱۹۹۵/۶۱-۶۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	ہدیہ تبریک فتح کابل [نظم]	اکتوبر۱۹۹۶/۲۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	دارالعلوم حقانیہ [نظم]	نومبر۱۹۹۶/۵۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	فتح کابل [نظم]	جون۱۹۹۷/۴۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	فتح کابل [نظم]	جون۱۹۹۷/۲۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مرثیہ بر سانحہ ارتحال مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ [نظم فارسی]	جولائی۱۹۹۷/۴۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	پاکستان کی بنیادی خارجہ پالیسی میں ظفر اللہ خان قادیانی کا شرمناک کردار	اگست۱۹۹۷/۱۳۱-۱۴۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مرثیہ بر سانحہ ارتحال مولانا منظور احمد نعمانیؒ [فارسی]	ستمبر۱۹۹۷/۴۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	پختونخواہ اور ایک غیر منطقی اتحاد کا فطری اور منطقی انجام [اداریہ]	مارچ۱۹۹۸/۳-۴
محمد ابراہیم فانی، حافظ	خلیج کی صورتِ حال اور عالمِ اسلام [اداریہ]	مارچ۱۹۹۸/۴
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مملکتِ خداداد دہشت گردوں کے رحم و کرم پر [اداریہ]	مارچ۱۹۹۸/۲

مصنف	عنوان	شمارہ
محمد ابراہیم فانی، حافظ	بوسنیا کے بعد اب البانوی مسلمانوں کا قتلِ عام [اداریہ]	اپریل ۱۹۹۸/ ۱۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	بھارت میں بی جے پی حکومت اور پاکستانی حکمران [اداریہ]	اپریل ۱۹۹۸/ ۸۔۱۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	امریکی بے وفائی، بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے [اداریہ]	مئی ۱۹۹۸/ ۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	صدرِ مملکت رفیق تارڑ کی دارالعلوم آمد [اداریہ]	مئی ۱۹۹۸/ ۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	طالبان اور شمالی اتحاد کے درمیان مذاکرات [اداریہ]	مئی ۱۹۹۸/ ۲۔۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	عراقی مسلمانوں کا قتل عام اور اقوامِ متحدہ کی بے حسی [اداریہ]	مئی ۱۹۹۸/ ۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	غوری میزائل اور اب مزید پیش رفت کی ضرورت [اداریہ]	مئی ۱۹۹۸/ ۴
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا سمیع الحق کی ہمشیرہؒ کی وفات [اداریہ]	مئی ۱۹۹۸/ ۸۔۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	وزیر اعلیٰ سرحد مہتاب عباسی کی دارالعلوم آمد [اداریہ]	مئی ۱۹۹۸/ ۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	ایٹمی دھماکے، عالمِ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز؟ [اداریہ]	جون ۱۹۹۸/ ۲۔۴
محمد ابراہیم فانی، حافظ	خدارا! محسن پاکستان (عبدالقدیر خان) کی شخصیت کو متنازع نہ بنائیں [اداریہ]	جون ۱۹۹۸/ ۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو خراجِ تحسین [نظم]	جون ۱۹۹۸/ ۵۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	متنازعہ کالا باغ ڈیم، ایک حساس قومی مسئلہ [اداریہ]	جون ۱۹۹۸/ ۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا محمد بنوریؒ (بن یوسف بنوریؒ) کی وفات [اداریہ]	جون ۱۹۹۸/ ۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	صلی اللہ علیہ وسلم [نعت]	جولائی ۱۹۹۸/ ۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اے جانِ من چہ دانی تو کربِ آشنائی [فارسی غزل]	اپریل ۱۹۹۹/ ۶۹
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اے جانِ دل فگاراں داروئے علم نہ دادی [فارسی غزل]	جون ۱۹۹۹/ ۷۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	نعت	جولائی ۱۹۹۹/ ۶۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	کارگل سے پسپائی [نظم]	اگست ۱۹۹۹/ ۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	چیچنیا پر روس کی یلغار، ہم خاموش ہیں [نظم]	دسمبر ۱۹۹۹/ ۶۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اشکِ غم بیاد مفکر اسلام، علی میاںؒ [نظم]	جنوری ۲۰۰۰/ ۵۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	افغان سپریم کونسل کے ملّا محمد ربانی کی آمد [اداریہ]	جنوری ۲۰۰۰/ ۱۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	چیچنیا کے مشیر زیلم خان کی آمد [اداریہ]	جنوری ۲۰۰۰/ ۱۴
محمد ابراہیم فانی، حافظ	سود کے خلاف سپریم کورٹ کا قابلِ مبارکباد تاریخی اقدام [اداریہ]	جنوری ۲۰۰۰/ ۱۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	سی ٹی بی ٹی پر دستخط، ملی بے حمیتی [اداریہ]	جنوری ۲۰۰۰/ ۹۔۱۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	قطعات [بر وفات علی میاںؒ]	جنوری ۲۰۰۰/ ۵۷

محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا مسعود اظہر کی بھارتی درندوں کی قیدِ ستم سے رہائی [اداریہ]	جنوری ۲۰۰۰/۱۲
محمد ابراہیم فانی، حافظ	طلعت صبح درخشاں کوئے تو [فارسی غزل]	مارچ ۲۰۰۰/۶۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	بے حس و خاموش ہے یہ عالمِ اسلام آہ! [نظم]	اپریل ۲۰۰۰/۵۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	ذرہ ذرہ و عالمِ زیر بارِ مصطفیٰ [نعت]	جون ۲۰۰۰/۵۱
محمد ابراہیم فانی، حافظ	ہائے شہادت محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ [نظم]	جولائی ۲۰۰۰/۵۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اُم المؤمنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا [نظم]	اگست ۲۰۰۰/۵۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	ارضِ مقدس میں یہودی مظالم اور عالمِ اسلام کا کردار [اداریہ]	اکتوبر ۲۰۰۰/۲-۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	غزل فارسی برزمین سرمد	اکتوبر ۲۰۰۰/۴۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	مولانا عبدالحقؒ کی ہمشیرہ محترمہؒ کی وفات [اداریہ]	اکتوبر ۲۰۰۰/۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اسلامی سربراہی کانفرنس کا اجلاس [مایوس کن نتائج/ اداریہ]	نومبر ۲۰۰۰/۴-۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	امریکا کے صدارتی انتخابات سے عالمِ اسلام کو خیر کی توقع کیوں؟ [اداریہ]	نومبر ۲۰۰۰/۲-۳
محمد ابراہیم فانی، حافظ	جذباتِ محبت [نظم برنکاح راشد الحق]	نومبر ۲۰۰۰/۵۵-۵۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	حافظ راشد الحق سمیع کا عقدِ نکاح [اداریہ]	نومبر ۲۰۰۰/۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	فریاد ہے فریاد ہے اے شانِ کریمی ﷺ [نعت]	فروری ۲۰۰۱/۵۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	جذباتِ سپاس [نظم]	مارچ ۲۰۰۱/۵۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	رشد وتقویٰ وتقدس سربسر ہے دیوبند [نظم]	مارچ ۲۰۰۱/۲۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	لا الہ الا اللہ [نظم]	مئی ۲۰۰۱/۵۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اللہ اللہ مصطفیٰ ہے [نعت]	جولائی ۲۰۰۱/۵۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	اکیسویں صدی کا آغاز اور عالمِ اسلام کی زبوں حالی	اگست ۲۰۰۱/۲۳۷-۲۴۰
محمد ابراہیم فانی، حافظ	یہ صدی بھی یورشِ خون بار کے نرغے میں ہے [نظم]	اگست ۲۰۰۱/۲۴۸
محمد ابراہیم فانی، حافظ	جہادِ افغان کے رہنما مولانا محمد نبی محمدیؒ — چند یادیں، چند نقوش	مئی ۲۰۰۲/۴۸-۵۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	افغانستان میں عبوری حکومت کی تشکیل [اداریہ]	جون ۲۰۰۲/۷
محمد ابراہیم فانی، حافظ	دینی مدارس کے متعلق حکومتی پالیسی [اداریہ]	جون ۲۰۰۲/۶
محمد ابراہیم فانی، حافظ	سودی نظام کی وکالت [عدالتی فیصلہ/ اداریہ]	جون ۲۰۰۲/۴-۵
محمد ابراہیم فانی، حافظ	کشمیر پالیسی پر حکومت کا یوٹرن [المات کانفرنس کا المیہ/ اداریہ]	جون ۲۰۰۲/۲-۴
محمد ابراہیم فانی، حافظ	امریکی بھیانک عزائم، ایف بی آئی کا جال [اداریہ]	جولائی ۲۰۰۲/۳

باب سوم:

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ

معاصرین، تلامذہ اور اہل خانہ کی نظر میں

سینہ میں اضطراب ہے دل چور چور ہے
یہ کس کے غم سے عقل و خرد میں فتور ہے
ہر دل تڑپ رہا ہے ان کی یاد و ہجر سے
ہرلب پہ ہر زبان پہ ذکر حضور ہے

مولانا عبدالقیوم حقانی*

آسمانِ علم وادب کے روشن آفتاب
مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی

کوئی نالاں ، کوئی گریاں ، کوئی بسمل ہو گیا
ان کے اٹھتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہو گیا

بالآخر آسمان علم وادب کا روشن آفتاب علم وادب کی بھر پور ضیاپاشیاں کر کے عروج وکمال کے بعد بالآخر غروب ہوگیا۔

جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ومدرس، صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کے صاحبزادے برادرمحترم حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ایک ماہ کی علالت کے بعد...... انتقال کر گئے، فانا للہ وانا الیہ راجعون ،وہ اپنے اوصاف وکمالات میں علماءِ سلف کی یادگار، علوم کی جامعیت، ذہانت وذکاوت، دین وتقویٰ، علم وادب، درس وتدریس اورتواضع ومسکنت میں اس دور میں یگانہ تھےعلم وادب، شعروسخن میں ان کی نگاہ نہایت وسیع اوراس حوالے سے ان کےقلم وزبان کی روانی یکساں تھی اپنی ذہانت وطباعی سےفوری شعر، حکایات، واقعات اور لطائف ونکات پیدا کرتے تھےمعلوم ہوتا کہ شعروادب ان کے تابع ہے ان کی ذہانت کتابوں کے انبار سے بے نیاز تھی ان کا نکتہ آفریں دماغ اورمعراج قلم جدھر رخ کرتا شعروادب کے دریا بہا دیتا تھا جامعہ حقانیہ سے فارغ ہوتے ہی یہیں تقرر ہوا اور بقول شیخ الحدیث مولانا انوارالحق کے تادم زیست اپنے والدمرحوم کی طرح جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے ایک چھوٹے سےکوارٹر میں فروغِ علم، درس وتدریس میں مشغول رہ کر بالآخر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کردی ...... ؎

شناورانِ محبت تو سینکڑوں ہیں مگر جو ڈوب جائے وہ پکا ہے آشنائی کا

فانی صاحبؒ نے طالبعلمی کے زینے طئے کرنے کے بعد اپنی مادرِ علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں تدریس شروع کی تو اپنی قابلیت، لیاقت اور استعداد ومحنت کی بنیاد پر دورۂ حدیث تک جا پہنچے اور حقانیہ میں استاذِ حدیث

---

* معروف ادیب، دانشور، مصنف، مہتمم جامعہ ابوہریرہ ومدیر ماہنامہ ''القاسم''

کے منصبِ جلیل پر فائز ہوئے۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

روزِ اوّل سے ماہنامہ الحق سے وابستہ ہوئے، اپنے محسن ومربی شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کی سرپرستی میں ان کا قلمی، علمی اور ادبی فیض جاری رہا۔ مؤتمر المصنّفین' ماہنامہ الحق اور مدیر الحق کی رفاقت وصحبت کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ وہ بڑے وسیع المشرب اور نئے اور پرانے طبقوں میں نہات مقبول اور خاص عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے جب شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کی مصروفیات بڑھ گئیں اور مجھے ماہنامہ الحق کی خدمت کا موقع ملا۔ تب بھی سولہ (۱۶) سال تک مولانا فانی نے دست وبازو بن کر میرے ساتھ کام کیا' معاصرت' رقابت' حسد' کینہ اور بغض وعداوت جیسی باطنی بیماریوں سے محفوظ رہے مجھے یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ وہ علوم ظاہری کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی آراستہ تھے میں انہیں درویش کامل سمجھتا تھا فقر و درویشی کی شرابِ طہور نے انمیں بڑی کیفیت اور مستی پیدا کردی تھی جس کا اثر ان کے شعروسخن اور معاملات میں نمایاں تھا۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

اس کی ایک ادنیٰ مثال ادبی حوالے سے ان کی معرکۃ الآراء کتاب ''نقوشِ حقانی'' ہے وہ میرے معاصر تھے، مخدوم زادے بھی' ادیب بھی' صاحب علم وقلم بھی' اور مجھ سے ہر لحاظ سے کروڑ چند بڑھ کر صلاحیتوں اور عظمتوں کے مالک تھے۔ مگر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا اور قلیل ترین مدت میں میری چند ابتدائی قلمی کاوشوں پر ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی حالانکہ تحریری حوالے سے وہ میرے آغازِ کار کا زمانہ تھا۔

وہ میرے مخدوم زادے تھے میں ان کی خدمت کو سعادت سمجھتا تھا مگر ان کی فطری نہاد شفقت تھی تشجیع تھی وہ مجھ سے بے حد شفقت' تواضع سے پیش آتے تھے یہاں تک شفقت بلکہ شفقات کہ مجھے ان کی ہمہ جہتی نوعیت کے عنایات سے شرمندہ ہونا پڑتا تھا مرحوم نے میری اکثر کتابوں پر ارتجالاً منظوم تاثرات لکھے اور وہ اتنے ادبی اور جاندار اور بلند معیار کے تھے کہ ارباب علم ودانش عش عش کر اٹھے، ''شرح صحیح مسلم'' کی پہلی دو جلد چھپنے جارہی تھیں کہ مسودات پر ان کی نظر پڑ گئی ورق الٹتے رہے دعائیں دیتے رہے دوسرے روز منظوم تأثرات کیا لکھے کہ بحرِ عشق ومحبت رسول ﷺ میں ڈوب کر لکھے اور پھر فرمایا میرا یقین ہے کہ یہ میری مغفرت کا سامان بنے گا فرمایا اگر یہ منظوم تأثرات .... پر اس کتاب ہو جائیں تو میں اسے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے کتب خانے میں رکھواؤں گا تاکہ یادگار رہے اور میرے ایمان کی شہادت بھی، چنانچہ کے حسب ہدایت .... پر لکھوا انہیں بھیج دیے گئے جوانہوں نے بڑے اہتمام سے جامعہ حقانیہ کے کتب خانے میں لگوادیا۔

جب سے مولانا راشد الحق سمیع حقانی نے ماہنامہ الحق کی ادارت سنبھالی، مولانا فانی ہمیشہ ان کے کام'

تحریر اور الحق کے حوالے سے ان کی سلیقہ مندی کے معترف بلکہ رطب اللسان رہے اکثر کہا کرتے مولانا راشد الحق جرائد کی دنیا میں واحد مدیر ہیں جو قلم سے نہیں لکھتے کمپوزر کے ساتھ بیٹھ کر بولتے جاتے ہیں اور کمپوزر اسے لکھتا جاتا ہے جب فارغ ہوتے ہیں تو ایک شہ کار اور جاندار اور ادبی معیار اور موضوع وحالات کے حوالے سے تیر بہ ہدف شہ پارہ تیار ہو جاتا ہے ۔ فانی صاحب جہاں ایک اچھے ادیب' عظیم شاعر' ایک لائق مدرس' بہترین مصنف اور کامیاب اتالیق تھے وہیں ایک اچھے انسان' بے ضرر مسلمان' کریم النفس' ہنس مکھ مزاج' کھلے دل کے مالک اور بلند اخلاق عالم دین بھی تھے اجتماعی معاملات' خاندانی حالات' بلکہ زندگی کے ہر موڑ میں بردبار اور حلیم تھے۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے فراغت اور جامعہ میں تقرر کے ساتھ ہی استاذی المحترم مولانا سمیع الحق مدظلہم نے ان کو قلم پکڑنا سکھایا مضمون نگار بنے ،شعر وادب کے اداشناس بھی' سوانح نگار بھی' ادیب بھی' شارح بھی' اور ماہنامہ الحق کے خصوصی وقائع نگار بھی ،وہ فارغ التحصیل ہوئے ، تحصیل علم کے مراحل سے گذر کر حقانیہ میں مدرس کیا لگے ، کہ یہیں کے ہو کر رہ گئے حقانیہ کی روایات کے رازدان' اس کی حمیت کے دیدبان' اس کی عزت کے نگہبان اور اس کی آبروں کے پاسباں بن کر ساری زندگی گزار دی ۔ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق اور شیخ الحدیث مولانا انوار الحق جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مشائخ' حقانی برادری سمیت علمی وادبی حلقے ان کے ادب وانشاء کے معترف رہے۔

ان کی تحریروں میں سلاست' روانگی' شگفتگی اور پختگی ان کے اسلوب کا امتیازی رنگ ہو گیا تھا وہ اپنی تحریروں میں' تصنیف وتالیف میں' منظوم کلام میں' اور مضامین کی بے ساختگی میں عالمانہ رنگ اور عالمانہ رنگ میں ادیبانہ ترنگ اور ان میں وزن اور وزن میں نکھار پیدا کرتے رہے۔

اپنے ہر مضمون میں' تصنیف میں اور کلام میں حقانی دبستان کے انداز بیان اور مسلک ومشن کا پورا لحاظ رکھتے ،خود شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب کو بھی ان کی ادبی خوش مذاقی اور تصنیفی خوش سلیقی پر بڑا بھروسہ تھا۔ میری تحریروں میں بھی بڑی دلچسپی لیتے تھے اس حوالے سے انہیں مجھ سے بڑی بے تکلفی تھی ان کی جچی تلی رائے' نقد وجروح اور ترمیم واضافہ کی تجاویز کو میں سن کو خوش ہوتا ، ان کو اپنی تحریر دکھانے اور انہیں اپنی کتاب پیش کرنے میں مجھے بڑی فرحت بلکہ لذت ملتی ، اگر وہ پسند کر لیتے تو اسے اپنی محنت کو اصلی صلہ سمجھتا پھر مجھے یہ فکر نہ رہتی کہ کوئی دوسرا کیا رائے رکھے گا۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

شکل وصورت میں وجاہیت تھی چہرہ بڑا باوقار تھا اور آنکھوں میں علم کا نور اور زبان ،علم وادب سے معمور تھی ۔ وہ جس مجلس میں شریک ہوتے محبت وعزت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے انہوں نے بڑی علمی' ادبی' قلمی'

کتابی‘ درسی اور پاکیزہ زندگی بسر کی تاہم اپنی پاکیزگی میں یبوست اور خشکی نہیں آنے دی طبیعت کی شگفتگی آخر تک برابر باقی رکھی اپنے والد کی طرح دارالمدرسین کے ایک برآمدہ اور دو کمروں کی چھوٹی سی عمارت میں پوری زندگی بسر کردی فرماتے اس گھر میں جو راحت ملتی ہے وہ اپنے گھر میں بھی محسوس نہیں ہوتی ۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

ذرائع آمدنی توکّل علی اللہ تھا دارالعلوم سے جو بقدر کفاف تنخواہ ملتی تھی اس پر قانع رہ کر ساری زندگی گزاردی ۔ راقم جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں ان کے یہاں چار سال بعد آیا مگر ہم دونوں تقریباً سولہ سال تک دارالعلوم حقانیہ میں اور میرے جامعہ ابوہریرہ آنے کے بعد مجموعی اعتبار سے تقریباً تیس اکتیس سال تک لازم وملزوم رہے ایک جان دو قالب بلکہ عرض وجوہر بن کر رہے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے زمانہ میں تو یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہوتا کہ کون لازم ہے کون ملزوم‘ کون جان ہے اور کون قالب‘ امیر خسرو کا یہ شعر جو مشہور ہے کہ ......

تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جس میں امیر خسرو نے من وتو اور جان وتن کی تفریق مٹا کر من دیگرم تو دیگری کا سوال ہی ختم کردیا ہے ہم دونوں مؤتمر المصنفین اور ماہنامہ الحق اور دارالعلوم حقانیہ کی زندگی میں اس طرح رہے کہ انہوں نے اپنے کو میرے لئے اور میں نے اپنے کو ان کے لئے مٹایا، ان کے غصے پر مجھ کو پیار آتا اور میرے پیار پر ان کو غصہ آتا، کوئی تیس برس تک ہم دونوں کا تعلق مثالی رہا، وہ اس دنیا سے خوش گئے ہوں گے، مجھ سے ان کو کوئی شکایت نہیں ہوئی اور مجھ کو فخر ہے کہ میری ذات سے ان کو آخر وقت تک کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور اب ......

ع نہ دماغ ہے نہ فراغ ہے نہ شکیب ہے نہ قرار ہے

وہ میرے بہت کچھ تھے مخدومزادے بھی اور مخدوم بھی، قریبی دوست بھی، عزیز بھائی بھی، مشیر، رفیق کار، ہمدم ودمساز‘ اور مخلص دوست ۔ اب وہ نہیں رہے تو میں اپنے کو کچھ بھی نہیں پاتا ۔

ع فریاد کہ غم دارم وغم خوار نہ دارم

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

حضرت فانی صاحبؒ علمی مجالس میں بلبل ہزار داستان تھے جہاں بیٹھے ہوتے وہیں چھائے رہتے، تفسیر‘ حدیث‘ فقہ‘ تصوف‘ تاریخ‘ ادب‘ تذکرے‘ تبصرے‘ عالمی حالات‘ ......سیاست اور تازہ ترین واقعات‘ شعروسخن‘ غالب‘ مومن‘ اقبال‘ الغرض ہمہ جہتی موضوعات پر ایک سانس میں گفتگو کرکے سامعین کو ساکت وصامت بنائے رکھتے، ان سے ملنے کے بعد یہ احساس ہوتا کہ ان کے جسم کے کسی حصہ کو چھو لیجئے تو علم وادب‘ شعروسخن اور

علمی لطائف ہی کی آواز بلند ہوگی۔

جوں جوں عقل وشعور کا وفور ہوتا گیا شعروادب کے حلقوں میں بڑی قد آور شخصیات سے ملاقات کا اتفاق ہوا مگران میں سب سے رعنا' دل آویز اور باغ وبہار شخصیت مولانا فانی ہی کو پایا جہاں بیٹھ گئے سو بیٹھ گئے دن ہے تو مجلس کے گل سرسبد بن گئے رات ہے تو شمع محفل نظر آئے۔

مولانا فانی صاحبؒ کی بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سیاست کے اختلافی اور تلخ موضوعات پر بحث کرنے میں کتنے ہی منہمک ہوں رخ بدل جاتا تو یکا یک وہ بذلہ سنج' لطیفہ گو' قہقہوں اور چہچہوں کے بلا شرکت غیرے مالک ہوجاتے ،شعروادب کے حوالے سے' شاعر وادیب کے حوالے سے' سیاست وحکومت کے حوالے سے' حکمرانوں اور عمائدین کے حوالے سے برصغیر کا کوئی سیاسی' علمی' ادبی اور معاشرتی لطیفہ ایسا نہ ہوتا جوان کے ذہن کے خزانہ میں محفوظ نہ تھا وہ اپنے لطیفوں اور چٹکلوں سے محفل کو کشتِ زعفران بنائے رکھتے۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

سانحہ ارتحال سے چند روز قبل ملاقات ہوئی تو فرمایا شعروادب کا ذوق اپنی جگہ، اچھے بھلے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی شعور نہیں رہا، فرمایا: ایک شاعر وادیب کو اپنے کتاب ''نالۂ زار'' بھیجی تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ تم نے کتاب کا نام ''نالہ'' رکھ دیا ہے حالانکہ اس کے علوم معارف اور مضامین تو دریا اور سمندر سے بھی زیادہ وسیع ہیں، لہٰذا اسے ''نالہ'' کہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔اس کا نام ''دریا زار'' یا ''سمندر زار'' ہونا چاہئے۔

فانی صاحب کی شاعری کا ایک بڑا حصہ نعت سے متعلق ہے وہ بڑے خوش قسمت تھے کہ انہیں سرورِ کونین ﷺ سے عشق تھا مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی محبت ان کو گھٹی میں پلائی گئی تھی ان کی نعتیں پڑھتے یا سنتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے جذبات حضورِ اقدس ﷺ کے خیر مقدم کے ترانے گنگنانے میں بے قابو ہو رہے ہیں ان کے احساسات کی مئے عشرت چھلک رہی ہے شادمانی کے پھولوں سے وہ لدے ہوئے ہیں عقیدت کے موتی جھلملا رہے ہیں ان کے ہر شعر میں گل ولالہ کی رعنائی ہے وہ نعت نہیں لکھ رہے بلکہ خوشی کے گیت گا رہے ہیں انہوں نے اکابر' مشائخ اور والد مرحوم پر نظم میں مرثیے لکھے مگر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھے نہیں بلکہ ان کی تربت پر پھولوں کی چادریں چڑھائی ہیں صدر المدرسین مولانا عبدالحلیم زروبوی' شیخ الحدیث مولانا عبدالحق' قائد ملت مولانا مفتی محمود پر ان کے نوحے ان کے قلم اور خود اردو ادب کے ان کی علمی اور ادبی تحریریں' نظم ونثر میں بڑی آب وتاب ہوتی ان کو خود اعتراف تھا کہ ان میں اندازِ گل افشانی گفتار' حقانیہ' مؤتمر المصنفین' ماہنامہ الحق' اپنے خاندانی بزرگوں کی صحبت اور مولانا سمیع الحق ہی کے پیمانۂ وصہبا سے آئی ہے۔اور مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں

اگر چہ وہ طبعی موت کے مرحلے سے گزر گئے ہیں مگر اپنی تحریروں اور شعروادب کی جنت میں ہمیشہ زندہ اور قائم رہیں گے۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

سیدی واستاذی شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کے وفیات کے حوالے سے اداراتی تحریروں کی ترتیب وتالیف کا کام کرنے کا قرعہ فال ان کے نام نکلا ، موصوف نے بڑے شوق' محبت اور بڑے مخلصانہ ولولوں کے ساتھ یہ خدمت انجام دی پریس اور طباعت کا کام میرے حوالے ہوا۔

''ایوان بالا میں شریعت بل کا معرکہ'' کی تالیف وترتیب کا کام میرے سپرد ہوا دونوں کتابیں مکمل ہوئیں پریس اور طباعت کا کام میرے ذمے ہوا کرتا تھا فانی صاحب سے درخواست کی میں نے تو ویسے بھی جانا ہے،''کاروانِ آخرت'' تم نے مرتب کی ہے ترتیب وتالیف کے ساتھ ساتھ اس کی طباعت کے کام میں بھی تمہارا حصہ بن جائے تو زیادہ موزون رہے گا۔فرمایا: بہت اچھا میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ٹائٹل کا مرحلہ درپیش تھا سید نفیس شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور مولانا سمیع الحق کا نام سن کر وہ ٹائٹل بنانے کے لئے تیار ہو گئے ،شرط یہ لگائی کہ میرے ساتھ بیٹھے رہو گے تو کام کردوں گا ،ہم دونوں حاضر خدمت رہے حضرت نفیس شاہ صاحب کتابت میں مصروف تھے ہم بھی خاموش رہے کہ ان کے لکھنے میں خلل نہ آئے حاضرین پر بھی سکوت طاری تھا کسی حوالے سے نفیس شاہ صاحب نے کوئی شعر سنا دیا ،بس پھر کیا ہوا کہ فانی صاحب کے بندھن کھل گئے لکھائی اور کتابت کی محفل' شعروادب میں ڈھل گئی سید نفیس شاہ صاحب خود بھی شاعر تھے ، اور انہیں ہزاروں شعر ازبر تھے دونوں شعروادب کے حوالے سے بولتے رہے ، اور ہم محظوظ ہوتے رہے۔ یہ نشست تین گھنٹے جاری رہی مگر ہمیں خبر ہی نہ ہوئی کہ وقت کیسے گزرا اس دوران ''کاروانِ آخرت'' کا ٹائٹل مکمل ہوا اور ہم لوگوں نے ٹائٹل حاصل کیا اور شعروادب کے حوالے سے ایک یادگار محفل کا حظ وافر بھی حاصل ہوا۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

ایک مرتبہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں اساتذہ کرام کا مشاورتی اجلاس تھا مجھے ادارے کے کسی کام پر لگا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اساتذہ کے مشاورتی اجلاس میں شریک نہ ہوسکا ، اس موقع پر آثار السنن کی میری اردو شرح ''توضیح السنن'' کی پہلی جلد چھپ کر آئی تھی ، دوسرے روز مولانا فانی صاحبؒ نے بتایا کہ مشاورت سے قبل بعض نوجوان اساتذہ کی باہمی گفتگو میں یہ بات بھی سنی گئی کہ عبدالقیوم حقانی نے توضیح السنن میں پہلی سے چھپی ہوئی چیزوں کو پھر سے جدید قلمی ترتیب دے کر نئی شرح لکھ ڈالی ہے شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہم کے کانوں میں اس ناقدانہ گفتگو کی بھنک پہنچی تو خود اٹھ کر ''توضیح السنن'' جلد اوّل اساتذہ کے سامنے رکھدی اور فرمایا: حقانی نے توضیح

السنن میں حقائق السنن کے حوالے دے دے کر پھر سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے علوم و معارف کو زندہ کردیا ہے یہ ایک علمی کارنامہ ہے جو ہم سب کیلئے بھی اور دارالعلوم حقانیہ کے لئے بھی افتخار ہے۔فرمایا: شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق کا لہجہ بڑا نرم' میٹھا اور حکیمانہ تھا، شیخ الحدیث مولانا انوارالحق صاحب نے فرمایا تنقید کا حق انہیں دیا جاسکتا ہے جو کم ازکم اس طرح کی نقل وترتیب اور تالیف کا ایک صفحہ تو لکھ سکیں۔ فانی صاحب نے فرمایا: مگر مجھے بہر حال بعض نوجوان اساتذہ کی یہ تنقید اور ان کے لب ولہجہ کا انداز شدید ناگوار گزرا، مغرب کے بعد "توضیح السنن" کا اپنا نسخہ اٹھایا جگہ جگہ سے دیکھا بہت عمدہ پایا اور قلم و کاغذ لے کر بیٹھ گیا اللہ پاک نے الہام فرمایا اور ایک عمدہ منظوم کلام بن گیا اسے بطور ہدیہ تبریک قبول فرمایئے میں نے نظم دیکھی تو مشکل زمین میں' عمدہ ترین اور ہر حوالے سے بہترین کلام پایا۔ بعد میں اسے "توضیح السنن" کے ساتھ شائع کردیا دو تین اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمادیں ......

شرحِ حدیثِ مصطفیٰؐ بانامِ توضیح السنن ۔۔۔ توضیحِ اقوال نبیؐ آں صاحبِ شیریں سخن

مژدہ برائے طالباں انعامِ ربِّ ذو المنن ۔۔۔ تشریحِ آثارُ السنن تردید اَربابِ فتن

اس کے ہر اِک اِک لفظ سے دیکھو ثقاہت آشکار ۔۔۔ اس کا ہر اک اک حرف ہے گویا عقیق اندر یمن

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

اردو شعر و ادب ہو یا اردو شاعری اور نظم ہو آغاز ہی میں زیادہ تر ان افکار و خیالات' اقدار و روایات اور تعبیرات و استعارات کی پیروی کی گئی ہے جو فارسی شاعری میں مروج تھے اس لئے اردو شاعری میں بھی شروع ہی سے محبوب کے لب و عارض کا نقشہ کھینچنے' گیسو و کمر کو ناپنے اور بادہ و مینا کی بزم میں آراستہ کرنے کی روایت رہی ہے پھر جب اشتراکی تحریک اٹھی اور ترقی پسند شاعری کو وجود ملا تو بات عاشق کے دل زار اور محبوب کے حسنِ دل فگار سے بطنِ مزدور تک آپہنچی اور ایک نئے ادب نے جنم لیا جس میں غریبوں اور مزدوروں کی محرومی' سرمایہ داروں کے خلاف احتجاج اور ارباب اقتدار سے بغاوت کے خیالات مچلنے لگے۔ اعلیٰ اخلاقی قدروں کو ابھارنے اور صالح اعمال کی طرف ترغیب دینے کے لئے نہ پہلی قسم کی شاعری میں کوئی جگہ تھی اور نہ دوسری قسم کی شاعری میں بلکہ ترقی پسند شاعری میں تو مذہب' خدا' رسول' مذہبی شعائر اور بعض مسلّمہ اخلاقی اقدار کا مذاق بھی اڑایا جانے لگا، یہ صورتحال قوم وملت کیلئے ایک بدبختی اور نحوست تھی جو اس پر مسلط کی جارہی تھی کیونکہ ادب نظم ہو یا نثر یا اس کی کوئی بھی صنف ہو انسانی زندگی کی تعمیر اس کا بڑا ہدف ہے جو مشین تعمیر کے لئے ہو وہی تخریب کا کام کرنے لگے تو اس سے زیادہ محرومی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ تاہم اس سے کچھ مستثنیات بھی ہیں ان مستثنیٰ شخصیات میں خواجہ مجذوب' حکیم اخترؔ' اور اقبال سب سے اہم نام ہیں اقبال کو جس چیز نے ثریا تک پہنچایا اور ان کے کلام کو آفاقیت ملی

وہ ان کی فکر کی سلامتی‘ اس پر استقامت اور انقلاب انگیز دعوتِ حق کا جذبۂ بے کراں ہے۔

ہمارے فانی صاحب نام وشہرت میں خواجہ مجذوب‘ حکیم اختر اور اقبال نہ سہی مگر انہوں نے شعروادب کو نیا رنگ وآہنگ اور شاعری کو نیا ولولہ اور ڈھنگ دیا انہوں نے شعروادب میں قلم وکتاب‘ مطالعہ واکتساب‘ ذوق علم اور کتابی ولولوں کو امتیازی مقام بخشا ...... ؎

اوروں کا ہے پیام اور ، میرا پیام اور ہے
عشق کے درد مند کا طرزِ کلام اور ہے

فانی صاحب واقعی قلم وکتاب‘ مطالعہ اور کتاب سے اکتساب کے دردمند تھے ان کے طرز کلام کا تمام تر ہدف کتاب ہے ان کا فروغِ کتاب کے مشن اور ہدف پر جتنا کلام آیا ہے وہ نابینائے بصیرت کو بینا بنانے کے لئے کافی ہے ان کی شاعری کا ایک بڑا حصہ‘ کتاب ومطالعہ‘ قلم اور شعروادب کی دعوت‘ تحریر وتصنیف کی ترغیب‘ تشویق اور تحسین وتشجیع کی سعی وکاوش سے عبارت ہے۔

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

ان کے ادبی سرمایہ کی تہہ میں جھانک کر دیکھئے تو ان سب کا فکری سرچشمہ دعوتِ مطالعہ‘ شوق علم‘ ذوق تصنیف وتالیف اور استعمال قلم ہے الفاظ اور تعبیر کے فرق کے ساتھ ان کے اشعار وادب اور افکار میں ہر جگہ کتابی ذوق اور فروغ کتاب کی دعوت ملتی ہے، زین المحافل‘ توضیح السنن‘ شرح صحیح مسلم‘ شرح شمائل‘ الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ابوالکلام آزادؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ، قائد ملت مولانا مفتی محمودؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، فدائے ملت مولانا اسعد مدنیؒ، مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور القاسم اکیڈمی کے مطبوعہ دیگر دسیوں کتابوں پر آپ کے جو منظوم تاثرات چھپے ہیں وہ شعروادب کا ایک عمدہ ترین نمونہ ہیں جن کا ہدف فروغ قلم اور ترویج علم وکتاب ہے اس حوالے سے فانی صاحب وہ تنہا ادیب اور بلند پایہ شاعر ہیں جن کے اشعار کا ایک بڑا حصہ فروغ علم اور قلم وکتاب کے لئے وقف ہے ......

ع تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

ایک مرتبہ جامعہ ابوہریرہ تشریف لائے کچھ احباب جمع ہوگئے قدیم وجدید شاعری زیر بحث تھی اپنی اپنی پسند کے شعراء کا ذکر ہورہا تھا اور اپنے پسندیدہ شعراء کا کلام بھی سنایا جارہا تھا فانی صاحب سن بھی رہے تھے اور سنا بھی رہے تھے بات آگے بڑھی ،اشتراکی شعراء کے مداح بھی آگے بڑھنے لگے ،حضرت فانی صاحبؒ ان

کی بے ہودہ گفتگو برداشت نہ کرسکے کہا چھوڑ دو، کیا عریاں مناظر دکھا رہے ہو، فرمایا:

''ادب برائے ادب' ایک بے روح اور بے جان ادب ہے جو انسان کو حقیقت آگاہ نہیں کرتا اسے ادب نہیں کیا جاسکتا فرمایا: ادب تو وہ ہے جو زندگی کو ادبی گداز عطا کرے نہ کہ نفس دو نفس کی لذت' ایک آوارہ قہقہہ یا بے مقصد چٹچہہ ادبی مساعی کا ہدف نہیں ہونا چاہئے، جس ادب سے دل میں ایمانی اور روحانی تلاطم پیدا نہ ہو اور وہ فکر و عمل کو روحانی انقلاب سے ہمکنار نہ کرسکے وہ ادب کیا ہے؟ اگر ادیبوں کا ادب' شاعروں کا کلام' اور خطیبوں کے رشحات فکر چمنِ انسانیت کو افسردہ کر کے رکھدیں اور اس کے کردار و عمل کے لئے باد سموم بن جائیں تو اس کی کوئی قیمت نہیں۔ فن وہ ہے ادب وہ ہے جس کی تاثیر انقلابی ہو جو انسانیت کو حق سے آشنا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جو علم و فن' قلم و کتاب' شعر و ادب اس قوتِ اعجاز سے خالی ہو وہ بے فیض اور نامراد ہے پھر بڑے دردناک لب و لہجہ میں اقبال کا یہ کلام سنایا کہ ....

اے اہل نظر ! ذوقِ نظر خوب ہے لیکن — جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا ؟
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے — یہ ایک نفس دو نفس مثلِ شرر کیا ؟
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں ! وہ صدف کیا ! وہ گہر کیا ؟
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو — جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا ؟
بے معجزہ دنیا میں اُبھرتی نہیں قومیں — جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا ، وہ ہنر کیا ؟

...... 0 ...... 0 ...... 0 ......

فانی صاحبؒ کی سیرت، ان کا اخلاق اور ان کی شرافت ان کی شاعری کی طرح زبان زد خاص و عام ہے وہ طبعاً سنجیدہ' متین' متواضع ور منکسر المزاج واقع ہوئے تھے جس سے بھی ملتے تھے انتہائی خلوص و محبت سے ملتے تھے دوسروں کی مثال کیا دوں خود مجھ سے ایک مرتبہ تعلق قائم ہوا زندگی بھر نبھانے کی کوشش میں انہیں سبقت حاصل رہی، ہفتہ دو میں جامعہ ابوہریرہ تشریف لائے بغیر انہیں قرار حاصل نہیں ہوتا تھا انہوں نے کبھی بھی اپنے شعر و ادب یا اعلیٰ ترین صلاحیتوں کا رعب ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ بڑی عرق ریزی اور جگر کاوی سے کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ میرے ساتھ بھی ان کا تعلق قلم و کتاب اور شعر و ادب کے حوالے سے مستحکم رہا، ان کا یہ ادبی رشتہ بعض صورتوں میں قرابت سے بھی زیادہ گہرا تھا وہ شعر و سخن کے محفل سے کبھی نہیں اکتاتے تھے بلکہ وہ تشنہ کامان ادب اور جرعہ کشان غزل کا قبلۂ حاجات بنے رہتے۔

☆ ☆ ☆

مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری حقانی*

آہ! حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی

راہی دار بقاء ہوئے

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ کے مدرس' استاد حدیث' عظیم ادبی' علمی شخصیت اور مشہور شاعر حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ ۲۵ ربیع الثانی ۲۵۔۲۶ مارچ ۲۰۱۴ء کی درمیانی رات کو کڈنی سنٹر حیات آباد ٹیچنگ ہسپتال پشاور میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے راہی دار بقا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جہاں وہ کئی دن سے بغرض علاج داخل تھے' ان کو عرصہ سے شوگر اور گردوں کی تکلیف تھی' ان کی نماز جنازہ دارالعلوم حقانیہ میں ۱۱ بجے حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نائب مہتمم دارالعلوم حقانیہ ونائب مرکزی صدر وفاق المدارس نے پڑھائی جبکہ ان کا دوسرا جنازہ اسی دن ۳ بجے ان کے آبائی گاؤں زروبی ضلع صوابی میں پڑھایا گیا اور وہیں ان کی تدفین کی گئی۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ' حضرت مولانا عبدالحلیمؒ زروبوی کے فرزند کبیر تھے۔حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ملک بھر میں اپنے طرز تدریس وتحقیق کی وجہ سے علماء کرام اور طلباء دینی مدارس میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ آپ کے ہزاروں تلامذہ دین کی خدمت میں مصروف کار ہیں۔ آپ ایک نہایت وجیہہ اور بارعب شخصیت تھے' مزاج میں حددرجہ استغنا تھا۔فرق باطلہ کے لئے سیف بے نیام تھے۔قوت استدلال سے مالا مال تھے۔ دارالعلوم حقانیہ کے قیام کے ابتدائی سالوں کو مستثنیٰ کرکے آپ نے پوری زندگی دارالعلوم حقانیہ میں تدریس کے لئے وقف کررکھی تھی۔ آپ دارالعلوم حقانیہ کے صدرالمدرسین کے مقام پر فائز تھے۔ اور ''صدر صاحب'' آپ کی پہچان بن گئی تھی۔حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ نے اپنے والدگرامی کے سایہ شفقت اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ کی زیرسرپرستی ان کی حیات ہی میں تکمیل حصول علم کے بعد دارالعلوم حقانیہ ہی میں تدریس کا آغاز کیا تھا اور اپنی حیات مستعار کے آخری لمحات تک دارالعلوم حقانیہ سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔اور وہیں سے ان کا جنازہ اٹھا اور اسی حیثیت سے ان کا حشر ہوگا۔

---

* سابق خطیب جامع مسجد گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک صرف پاکستان ہی نہیں عالم اسلام میں ایک ممتاز علمی' دینی ادارے کی حیثیت رکھتا ہے۔ان دینی تعلیم گاہوں میں اس کا ممتاز مقام ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں طالب علم زیر تعلیم رہتے ہیں۔ایک ایک کلاس اور درجہ میں سینکڑوں کی تعداد میں طلباء ہوتے ہیں اور جہاں فائنل ایئر (دورۂ حدیث شریف) میں ہزاروں تک تعداد پہنچتی ہے۔دیگر مدارس کی نسبت سے دارالعلوم حقانیہ کا ایک خاص اور امتیازی ماحول ہے یہاں اساتذہ کرام اور طلباء کا آداب واحترامات کے ساتھ ساتھ باہمی محبت' خلوص اور برادرانہ تعلق کا جو مظاہرہ کیا جاتا ہے' وہ مثالی ہے اور یہ وجہ ہے کہ ایک طالب علم جب دارالعلوم حقانیہ کے اس ماحول سے مانوس ہوجاتا ہے تو اس کا جی پھر کہیں بھی نہیں لگتا۔دارالعلوم حقانیہ کے اسی ماحول کی وجہ سے اس میں ایک کشش اور جاذبیت پائی جاتی ہے جو طلباء کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

اس لئے جب راقم الحروف نے دسمبر ۱۹۷۰ء مطابق شوال ۱۳۹۰ھ میں یہاں داخلہ لیا تو پھر یہیں کے ہوکر رہ گیا اور اگست ۱۹۷۶ء مطابق شعبان ۱۳۹۶ھ میں یہیں سے سند فراغت حاصل کی مگر دور طالب علمی کے اختتام کے بعد ایک علمی ادارے میں تدریس کے عمل کا آغاز تو کیا مگر دارالعلوم حقانیہ اور اس کے اساتذہ کرام اور طلباء سے تعلق میں فرق نہ آیا اور جب بھی تعطیل ہوتی دارالعلوم میں ضرور حاضری دیتا اور اپنے اساتذہ کرام کی زیارت سے دل کو فرحت وسرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کرتا رہتا تھا۔اس دور کے طلباء میں مولانا محمد ابراہیم فانی بھی تھے۔دونوں کا داخلہ دارالعلوم حقانیہ میں ایک سال ہوا تھا۔ان کا ابتدائی درجہ تھا جبکہ راقم الحروف پانچویں درجہ کا طالب علم تھا۔وہ دارالعلوم کے صدرالمدرسین کے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے تمام طلباء کی نگاہوں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔اور ہر طالب علم ان کو ادب واحترام دیتا تھا۔دوسری طرف وہ ذاتی خوبیوں سے بھی مالا مال تھا۔ان کو ان کی ذاتی خوبیوں' ذہانت وقابلیت' بے مثال حافظہ' شعروادب سے والہانہ وابستگی نے اساتذہ اور طلبا میں ہر دل عزیز بنادیا تھا۔وہ لطائف بھی سناتے تھے اور نکتہ سے نکتہ پیدا کرنے کا ملکہ بھی رکھتے تھے۔قوت بیان بھی خوب تھا اور ان تمام نسبتوں اور صلاحیتوں کے باوجود کسر نفسی' عاجزی اور سادگی ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔کبھی یہ جتانے کی کوشش نہیں کرتے تھے کہ وہ استاذ اور وہ بھی صدرالمدرسین کا فرزند ہے۔ان کی تربیت ہی اس انداز سے ہوئی تھی کہ کبھی اپنے آپ کو امتیازی حیثیت دینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ملنسار' ہنس مکھ' ہر وقت خندہ پیشانی سے ملتے اور چلتے چلتے بھی کوئی لطیفہ' شعر یا ادبی چٹکلہ ضرور سناتے اور آگے بڑھ جاتے۔سیاست میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔راقم الحروف دوبار ان کو ترغیب دے کر جمعیۃ طلباء اسلام کے اجلاس میں پشاور لے کر گیا تھا مگر ان کو اس طرف میلان ہی نہ ہوسکا۔۱۹۷۴ء میں جب ملک بھر میں قادیانیت کے خلاف تحریک چلی اور عوامی رابطہ کے لئے دارالعلوم حقانیہ کے طلباء کو دیہاتوں میں بھیجنے کا فیصلہ ہوا اور

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبویؒ نے دارالعلوم حقانیہ کی جامع مسجد میں تمام طلباء کوختم نبوت کے عقیدہ کے بارے میں قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبوی سے مزین وآراستہ تقریر فرما کرایک ایک دلیل طلباء کو ذہن نشین کرایا اور قادیانیت کی تاریخ اور مرزا قادیانی کی مغلظات سے طلباء کوآگاہ کرکے عام مسلمانوں تک یہ باتیں پہنچانے کی تلقین کی اوراس کے لئے طلباء کے گروپ بنائے گئے تو راقم الحروف اور مولانا محمد ابراہیم فانی کی تشکیل ایک گروپ میں ہوئی' ہم روزانہ قریبی دیہاتوں کی مساجد میں جاتے اورصدر صاحب کے بتائے ہوئے دلائل عوام کے سامنے دہراتے اوراس تحریک میں بیداری کی مہم میں شریک تھے۔یہاں تک کہ مسلمانوں کی احتجاجی تحریک کے دباؤ کے نتیجے میں حکومت مجبور ہوئی اوراس نے قومی اسمبلی کی متفقہ قرارداد کی روشنی میں قادیانیت کے کفروارتداد پرسرکاری مہرثبت کردی اور قادیانیوں کوغیرمسلم قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ دارالعلوم حقانیہ میں دینی تعلیم کے آغاز سے قبل میٹرک پاس کرچکے تھے اور حفظ بھی مکمل کرچکے تھے۔شعبان ۱۳۹۸ھ مطابق اگست ۱۹۷۸ء میں انہوں نے دورہ حدیث سے تحصیل علم کی تکمیل کی اوراگلے تعلیمی سال شوال ۱۳۹۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۷۸ء سے دارالعلوم حقانیہ ہی میں تدریس کا آغاز کیا۔ابتدائی درجات کی کتب کی تدریس سے آغاز کرتے ہوئے دورہ حدیث کی کتب تک ۳۵ سالہ تدریسی تجربہ کے حامل تھے۔آپ ایک کامیاب مدرس شمار کئے جاتے تھے۔فصاحت وبلاغت اور تفہیم کا مادہ وافرمقدار میں ملا تھا۔طلباء کا آپ کی طرف زیادہ رجحان تھے' آپ کے اسباق میں وہ خوشی خوشی سے شریک ہوتے تھے۔اسباق میں آپ کوخوش طبعی' حسن ظرافت اور ادبی چٹکلوں سے مستفید ہوتے تھے۔اس لحاظ سے ان کی موت علمی' ادبی دنیا کے لئے نقصان عظیم ہے۔مگر قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ان میں کسی بندہ کو کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے بس صرف اپنی محرومی پر افسوس ہوتا ہے۔

جون ایلیا کا شعر ہے:

روز و شب، شام وسحر لوگ چلے جاتے ہیں
نہیں معلوم' تہہ خاک تماشا کیا ہے؟

یہ شاعر کا ایک تخیلا نہ سوال ہے' وہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اپنے کسی پیارے کی موت پر اپنی بے بسی کا اظہار کرتا ہے مگراس سے اعلیٰ تخیل وہ ہے جوحضرت شیخ سعدی شیرازیؒ نے پیش کیا ہے۔

عجب نیست برخاک اگر گل شگفت
کہ چندیں گل اندام در خاک خُفت

کہ زمین سے رنگ برنگ اورخوشبو دار پھولوں کے اُگنے سے تعجب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان پھولوں سے بھی

پیارے پیارے خوشبودار اور نازک ونفیس انداز لوگ اسی خاک کے سپرد کئے گئے ہیں یہ اسی کا ردعمل ہے۔

ہمارے پیارے دوست، مخلص ومحبّ دوست حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی بھی اپنے دوستوں کو داغ مفارقت دیتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ورنہ ابھی تو اس نے دوستوں کو خوش رکھنا تھا۔ ہنسنا نا تھا اپنی سحر بیانی اور شیریں کلامی سے دوستوں کی محفل کی رونق کو دوبالا کرنا تھا۔مگر بات پھر آ کر یہاں ٹھہر جاتی ہے کہ قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، حکمت ومصلحت سے بھرپور ہوتے ہیں مگران کی حکمت ومصلحت کو بھی وہی جانتا ہے، بندہ کا کمال یہ ہے کہ ان کے فیصلوں کے آگے سرتسلیم خم کردے کہ

سرتسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

راقم الحروف مئی ۲۰۱۱ء کو دارالعلوم حقانیہ میں اساتذہ کرام کی زیارت کیلئے حاضر ہوا، حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب مدظلہ کا مہمان بنا۔اساتذہ کرام سے ملاقاتیں ہوئیں۔مولانا محمد ابراہیم فانیؒ سے ملاقات کے لئے ان کے کوارٹر میں حاضری دی۔ یہ عین ان کے آرام کا وقت تھا مگر پیغام ملتے ہی مہمان خانے میں تشریف لاتے۔ راقم الحروف کو بہت کمزور دکھائی دیئے، پاؤں پر موٹی پٹی بندھی ہوئی تھی، استفسار پر بتایا کہ شوگر نے یہ حال کردیا ہے پاؤں کی چھوٹی انگلی کٹوانی پڑی ہے۔ ان کی صحت کی کمزوری اور بیماری کا حال سن کر طبیعت پریشان ہوئی مگر اس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہ تھے بقول شاعر

زخموں کے باوجود میرا حوصلہ تو دیکھ
تو ہنس دیا تو میں بھی تیرے ساتھ ہنس دیا

انکے مزاج میں وہی شگفتگی تھی گفتگو کے درمیان میں بار بار کبھی پشتو کے کبھی کبھی اردو فارسی اور عربی کے اشعار پڑھتے اوران میں بھی وہی برجستگی تھی، وہی بے ساختہ پن تھا جوان کی خوبی تھی، انہوں نے کچھ اپنا مزاج ہی ایسا پایا تھا۔احمد ندیم قاسمی کا شعر ہے

کچھ نہیں مانگتے ہم لوگ بجز اذنِ کلام
ہم تو انسان کا بے ساختہ پن مانگتے ہیں

مولانا فانیؒ نے نہایت پاکیزہ مزاج پایا تھا ان کی طبیعت میں فطری طور پر لطافت تھی اور مزاج ومذاق کی فراوانی تھی اوراس میں قدرتی طور پر شگفتگی تھی بقول شاعر

نہ کلی ہے وجہ نظر کشی ، نہ کنول کے پھول میں تازگی
فقط ایک دل کی شگفتگی ، سبب نشاط بہار ہے

موت اگرچہ تلخ ہے مگر ہے ایک اٹل حقیقت اوراس سے کسی کو بھی استثناء نہیں مولانا فانیؒ موت کا تذکرہ بھی

مزے لے لے کر کرتے تھے اور اس کا ایسا نقشہ کھینچتے جیسا کہ مرزا غالب نے کہا ہے

مزے جو موت کے عاشق کبھی بیان کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کے آرزو کرتے

اور جیسے ایک اور شاعر نے اس کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔

زیست کا مجھ پہ یہ حق ہے کہ میں جینا سیکھوں
موت کا کیا ہے جب آئے گی تو مرجاؤں گا

مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کی عظمت کا صحیح اندازہ وہ لگا سکتے ہیں جنہوں نے آپ کی صحبت اختیار کی ہو۔ آپ کی شاعری میں جدت ہے انقلابی اور رومانوی شاعری کا بہترین امتزاج ہے ان کی نظموں میں قومی درد' نوجوانوں کے لئے ایک تحریک اور خدمت اسلام کا درس پایا جاتا ہے۔ وہ قلب مضطر رکھتے تھے اور اس کا اظہار آپ کے اشعار سے ہوتا ہے۔ان کی موت کا افسوس رہے گا۔ ع وہ کیا گئے کہ رفاقت کے سارے لطف گئے

اور شکیب جلالی کا شعر ہے

ہمراہ اپنے رونق محفل لئے ہوئے
وہ کون جا رہا ہے تیری جشن گاہ سے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ آمین

اہم مشاہیر کی وفات

قارئین کرام کو افسوس کے ساتھ اطلاع دی جاتی ہے کہ گزشتہ دنوں تین عبقری شخصیات حضرت مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ ، بزرگ رہنما تبلیغی جماعت انڈیا ، جناب میاں محمد عارف ایڈوکیٹ ،مرکزی رہنما و نائب صدر جمعیت علماء اسلام اور جناب کرنل محمد اعظم صاحب،سابق رفیق کار ماہنامہ ''الحق'' انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تینوں مرحومین کے حوالے سے تعزیتی شذرات ومضامین آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں (ادارہ)

مولانا قاری محمد عبداللہ *

فانی جی کی رحلت

مدیر الحق کی محدود محبت کا مرکز خیبر پختونخواہ کے شعراء ادباد مصنفین ،مولفین کے امیر حضرت مولانا ابراہیم فانی صاحب سفر آخرت پر روانہ ہونا یہ کوئی نئی بات نہیں دنیا میں آنا اور پھر سب کو جانا ہے۔

کاروان حقانیہ کے قلم کے شہسوار مولانا فانی الوداع،صدر محترمؒ کے نورِ نظر لخت جگر الوداع،کتابوں کے رمزشناس ، ادیبوں کے میرِ کارواں الوداع، رئیس التحریر مولانا عبدالماجد دریا بادی کے شریک قلم مولانا سمیع الحق صاحب کے معاون و مددگار الوداع ، فانی جی مرحوم ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر اور تحریر کی دنیا میں سلطان القلم تھے ماہنامہ الحق کے اوراق گواہ ہیں اور گواہ رہیں گے کہ فانی جی کی رحلت سے صرف مولانا راشد الحق یتیم نہیں ہوئے بلکہ انکے قلم کی حرمت اور روانگی ختم ہوئی، الحق کے نظام کی چھت گر گئی انکی معصوم مسکراہٹ نہ ہونے کی وجہ سے آج دارالعلوم حقانیہ کی خوشگوار محفلیں ادھوری ہیں ۔

موت سے چند دن پہلے مولانا فضل علی کے صاحبزادے عزیزم محبوب احمد غازی کے ذریعہ فون پر فانی جی سے رابطہ ہوا تو خیریت دریافت کرنے کے فوراً بعد پوچھا کہ کوئی نئی کتاب آئی ہے؟ تو میں کہا جی ہاں ! برصغیر کے مشہور عالم مولانا سیف اللہ خالد رحمانی کی کتاب ’’وہ جو بیچتے تھے دوائے دل‘‘ آئی ہے فانی جی نے اگلا شعر پڑھا اور فرمایا کہ یہ بہادر شاہ ظفر کا شعر ہے مجھے کہا یہ کتاب کہاں سے ملے گی میں نے کہا حقانی صاحب سے رابطہ کریں،

فانی صاحب مرحوم علم و کتاب کے دیوانہ تھے کتابوں کی دنیا میں وسیع معلومات کے ذخیرہ کے مالک تھے جہاں کتاب طبع ہوتی لینے کیلئے بے تاب ہو جاتے ۔

برصغیر میں بہت سے محدثین کو بڑے بڑے قابل لائق اور فائق شاگرد ملے لیکن تعلیم و تربیت کے تاج محل محدث کبیر مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کو بہت نامور ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ملے جو کہ ایک مستقل موضوع ہے مثال کے طور پر صدر وفاق مولانا سلیم اللہ خان صاحب ، امیر الہند مولانا سید اسعد مدنیؒ ،مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی لکھنو ،علم و ادب کے شہسوار مولانا محمد موسی روحانی البازی ، امام الفنون قاضی حمید اللہ صاحب ،صوبہ خیبر پختونخواہ کے معیاری مدرسہ کے نامور شیخ الحدیث مولانا مفتی غلام الرحمٰن علم و سیاست

---

* سابق ممبر سینٹ آف پاکستان

کے مسلّم قائد امیر جمعیت علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن صاحب، مولانا شیر علی شاہ صاحب مشہور اہل قلم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب جیسے ہزاروں کی تعداد میں مولانا عبدالحق صاحبؒ کے شاگرد ہیں اور اسی فہرست میں حضرت فانی صاحب مرحوم بھی شامل ہیں۔مولانا عبدالحقؒ کیلئے سب سے بڑی شہادت ومظہر علوم قاسمی اپنے وقت کے غزالی ورومی حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ کا وہ جملہ کافی ہے جوانہوں نے مولانا عبدالحق صاحب کی جدائی پر نالاں ہے اور ساتھ ہی رئیس المخلصین فرمایا تھا۔ یہ شہادت عالم اسلام کے بڑے آدمی کی ہے میں بہت دور چلا گیا۔

فانی صاحب کے والد ماجد صدرالمدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم زروبی بہت بڑے عالم تھے علم سے بڑھ کر بہت بڑے فلسفی تھے حق شناس مجاہد تھے پاکستان کے قبلہ علمی دارالعلوم حقانیہ کے صدر المدرسین تھے۔ جنکی تفصیل حیاب صدر المدرسین میں فانی جی نے جمع کی ہیں ۔ صدر محترم جب بیمار ہوئے تو طلبہ نے درخواست دی حضرت مولانا عبدالحق کو کہ صدر صاحب کی کتابیں تبدیل کی جائے مولانا عبدالحق صاحب نے فرمایانہیں ! کتابیں صدر صاحب کے نام سے نہ کاٹی جائیں وہ وفادرار مدرس ہیں اوربطور مثال فرمایا: میرے زمانہ دیو بند میں استاذ مولانا عبدالسمیع صاحب کے بارے میں طلبہ نے درخواست دی کہ مسلم شریف ان سے کاٹ دی جائے تو مہتمم صاحب نے فرمایا: نہیں جب یہ آخرت کے سفر پر جائے تو مسلم شریف انکے نام پر ہو، میں چاہتا ہوں کہ صدر صاحب خدا سے بحیثیت شیخ الحدیث کے ملاقات کرے یہ اچانک بات نہیں تھی یہ معنوی نسبتیں ہیں۔

فانی صاحب دارالعلوم کے مدرس تھے پڑھاتے پڑھاتے ایک مہینے تک وہ بیمار رہے لیکن انتقال کے وقت تک نام مدرسین میں شامل تھا پہلا جنازہ دارالعلوم علم وعمل کے شہسواروں نے اداء کیا یہ فانی صاحب کی قسمت والد صاحب اور مولانا عبدالحقؒ کی نسبت کی تکمیل ہے دارالعلوم دیو بند میں شیخ الاسلام تحریک حریت کے امام برصغیرنہیں عالم اسلام کے عظیم لیڈر مولانا محمود الحسن صاحب اسیر مالٹا کے جانشین برحق مولانا مدنیؒ کا انتقال ہوا تو مملکت علم کے بے تاج بادشاہ آفتاب ولایت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے نماز جنازہ پڑھایا، مورخین کہتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کو کسی نے بھی زندگی بھر اونچی آواز سے روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن جب حضرت مدنی کے چہرے کو بوسہ دیا تو رونے کی چیخ نکل گئی۔

آیئے ذرا آگے چلئے حضرت مدنی کے بعد فدائے ملت صدر جمعیت علماء مولانا اسعد مدنی صاحب کا جب انتقال ہوا دارالعلوم کے احاطہ جب جنازہ لایا گیا تو شیخ الحدیث صاحبزادہ مولانا ارشد صاحب نے فرمایا نماز جنازہ کیلئے مولانا محمد طلحہ آئے اور نمازِ جنازہ پڑھائے یہ اتفاقی بات نہیں کسی دل والے سے پوچھیئے یہی

بات حضرت فانی جی کی قسمت میں آئی۔

اور دوسرا جنازہ زروبی میں حضرت فانی کی وصیت کے مطابق حضرت مولانا فضل علی صاحب امیر جمعیت علماء اسلام ضلع صوابی نے پڑھایا تقریباً ڈیڑھ سال پہلے عالم اسلام کے مشہور عالم مولانا مفتی محمود تقی عثمانی صاحب جامعہ تحسین القرآن نوشہرہ تشریف لائے رات وہی گزاری رات کے وقت جامعہ حقانیہ میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب مولانا انوار الحق صاحب قاری محمد عمر علی صاحب اور دیگر علماء کرام کی محفل میں مولانا ابراہیم فانی صاحب نے حضرت شیخ الاسلام کے سامنے اپنی بہترین غزلیں سنائیں جس سے حضرت مفتی صاحب محظوظ ہوتے رہے اور پھر حضرت مفتی صاحب نے بھی اپنا کلام ''دربار میں حاضر ہے'' سنایا اس وقت حضرت فانی صاحب کی خوشی دیدنی تھی اور کل کو مشاہیر (جوکہ پاکستان کی لائبریریوں سب سے بڑی زینت والی کتاب ہے) کی تقریب ہوئی۔

فانی جی کی یادوں کی بستی سے محو ہو جانا بہت مشکل ہے ایک آخری بات لکھنے کی جی چاہتا ہے تو بہت عرصہ پہلے میرے سامنے ہوا عالم اسلام کے عظیم فقہی عالم علامہ زاہد الکوثری کے شاگرد درشید علامہ استاذ عبدالفتاح ابو غدہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے نماز ظہر استاذ نے امامت فرمائی مولانا عبدالحقؒ اور مفتی فرید صاحبؒ بھی موجود تھے نماز کے بعد شامی شیخ نے فرمایا: ''مجھے کتب دکھائیں'' تو فانی صاحب کو ساتھ کیا جب دارالعلوم کے وسیع کتب خانہ میں استاذ داخل ہوئے تو بہت خوش ہوئے اور مخطوطات دکھانے کا مطالبہ کیا کیونکہ علامہ صاحب مخطوطات میں علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی کی طرح بہت ماہر تھے، قصہ مختصر فانی جی نے اس وقت فرمایا کہ آج شام، دمشق بلخ و بخارا برصغیر کے علمی مخطوطات کے ماہر دارالعلوم آئے جس سے دارالعلوم کی رونق دوگنی ہوگئی۔

ماہنامہ الحق کے ننھے منھے مدیر فانی صاحب کے شاگرد درشید مولانا راشد الحق صاحب کیلئے یہ چند بے ربط و بے ضبط سطور املا کروا دی گئی ہیں اور امید ہے کہ مولانا راشد الحق صاحب حضرت فانی جی مرحوم پر الحق نمبر شائع کریگا۔

اور آخر میں یہی دعا کرونگا کہ اللہ تعالیٰ فانی صاحب کو درجات عالیہ سے نوازیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور انکی اولاد کو جد امجد کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

از:

خاکروب آستانہ مدنی و آزاد

محمد عبداللہ، بنوں

مولانا فضل علی حقانی*

آہ! میرے بھائی میرے دوست
حضرت مولانا الحافظ محمد ابراہیم فانی

اس دارِ فانی میں ہر آنے والا جانے ہی کیلئے آتا ہے' قدرت کی کرشمہ سازی بعض ہستیوں کو عظیم ماؤں کی کوکھ سے جنم دے کر خاص تربیت سے رکھتی ہے۔ دنیا میں آنے کے بعد ایسی ہستیاں قدرت کے وہ مقاصد جس کیلئے ان کا تخلیق اور تربیت کیا گیا ہو' پورا ہونے کے بعد رحمتِ الٰہی کی آغوش میں جاکر ہمیشہ کیلئے امر بن جاتے ہیں اور رحلت کے بعد ان کی عظمت دنیا پر آشکارہ ہوکر ایک عالَم کو اپنے پیچھے سوگوار چھوڑ جاتے ہیں۔ انہی عظیم ہستیوں میں میرے بھائی اور حقیقی دوست حضرت علامہ حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب مرحوم تھے جو طویل علالت کے بعد ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء بروز بدھ ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے فرحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً ، برادرم جناب اسماعیل صاحب نے ان کی وفات کی خبر صبح ۳:۳۰ کو گلوگیر آواز سے سنائی جو کسی صاعقہ سے کم نہ تھی۔

خاندانی پس منظر:

حافظ محمد ابراہیم فانیؒ ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کے بارے میں یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ ''این خانہ ہمہ آفتاب است'' فانی صاحب مرحوم کا نسبی اور روحانی رشتہ اس شجرہ طوبیٰ سے تھا جن میں بڑے بڑے جبال العلم صاحب نسبت بزرگ گزرے ہیں جن کے شاگرد دنیا کے کونے کونے میں تشنگان علم کو سیراب کر چکے ہیں اور بڑے بڑے عالمی تحریکوں کا حصہ رہ چکے ہیں۔جن میں مجاہد کبیر حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب ''مہاجر کابل'' بحرعمیق مولانا قطب الدین صاحب غورغشتوی' مولانا سید میر محمد دننگرہاری' مولانا عبدالجمیل طوروی' مولانا قاضی عبدالحق کابلی' مولانا پردل قندھاری اور مولانا سودائی بام خیل شامل ہیں۔ پھر فانی صاحب مرحوم کی تربیت جس ہستی کی آغوش میں ہوئی وہ رہتی دنیا تک صدرالمدرسین کے نام سے یاد رکھے گی۔ ایسی عبقری شخصیت جس نے جنوبی ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں آخر دم تک ہزاروں تشنگانِ علوم کو قال اللہ وقال

---

* سابق وزیر تعلیم' صوبہ خیبر پختونخوا

الرسول کا درس دیا' جوسرتاپا علم وعمل کا مجسمہ اور سنت نبوی ﷺ کی عملی تصویر تھے' جس کے فقیرانہ دربار میں متبحر علماء اس کے علمی ہیبت کی وجہ سے گنگ رہتے' بڑے بڑے جاگیردار' خان اور نواب اس کے سامنے سرنگوں رہتے' حق بات کہنے میں بلاخوف لومۃ لائم نہ تردد کرتے اور نہ کسی قسم کی مصالحت کے روادار تھے۔حضرت فانی صاحب مرحوم کی رگوں میں وہی خون دوڑتا نظر آیا اور وہی موروثی اثرات بدرجہ اتم ان کو منتقل ہوئے۔

فانی صاحب سے قلبی محبت وعقیدت:

حضرت مولانا ابراہیم فانی صاحب مرحوم اگرچہ عمر کے لحاظ سے مجھ سے بڑے تھے لیکن دونوں علمی خاندان ہونے کے ناطے بچپن سے ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میرے والد ماجد مولانا فضل حق مرحوم اور حضرت صدر صاحب نوراللہ مرقدھما کے قریبی مراسم تھے۔تقریباً ۱۹۶۸ء سے میرے والد صاحب مرحوم بستر علالت پر تھے۔ جب صدر صاحب مرحوم جمعۃ المبارک کو گاؤں تشریف لاتے تو ضرور میرے والد صاحب مرحوم کے پاس تیمارداری کے لئے تشریف لاتے۔ اس وقت اگرچہ میں کم عمر تھا لیکن آج بھی حضرت صدر صاحب مرحوم کے مخصوص لہجہ میں آواز جو دروازے پہ کھڑے ہوکر ''فضل علی'' پکارتے' کانوں میں گونج رہی ہے۔حضرت مرحوم تشریف لانے کے بعد دیر تک والد صاحب مرحوم سے مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے جب والد مرحوم اپنی زیست سے ناامید ہونے لگے تو حضرت صدر صاحب مرحوم کو بلا کر وصیت فرمائی کہ مجھے زندگی کی اب امید نہیں رہی اور یہ بیٹا اللہ تعالیٰ کو اور آپ کے سپرد کرتا ہوں اس کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال آپ رکھیں گے۔حضرت صدر صاحب نے اسی وصیت کی لاج رکھتے ہوئے زندگی کے ہرموڑ پر مکمل سرپرستی فرمائی اور میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مجھے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں اپنی سرپرستی میں داخلہ دلوایا۔ حضرت صدر صاحب نے ہمیشہ اپنے نسبی بیٹوں سے زیادہ شفقت فرمائی فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔اسی تعلق کی وجہ سے فانی صاحب مرحوم سے بھی مراسم بڑھ گئے۔

گاؤں کے ماحول میں رسومات اور بدعات کی مخالفت ہو یا قادیانیوں' پرویزیوں کا تعاقب ہو یا فرقہ واریت کی عفریت سے مخاصمت ہو۔ الغرض تمام تحریکوں میں ہم دونوں یک جاں دوقالب کی طرح میدان میں کھودتے رہے ہیں اور الحمدللہ سرخرو ہوئے۔یہ داستانیں ایک کامل کتاب کے متقاضی ہیں۔

فقیری میں بادشاہی:

حضرت فانی صاحب مرحوم دیگر بہت سارے خوبیوں سمیت فقیر منش اور درویش صفت انسان تھے۔ان کی نشست وبرخاست' گفتار وکردار انتہائی سادہ مگر پروقار تھی۔کبھی بھی اپنے علمی تفوق کو ہم عصروں کی محفل میں آشکارہ کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ظاہری وضعداری اور شان وشوکت بنانے سے بہت دور تھے جبکہ اجنبی شخص پر آپ کا علمی

مقام گفتگو کرنے کے بعد ظاہر ہوتا' جب کبھی بھی گاؤں تشریف لاتے تو فوراً اطلاع کر کے ہمارے گھر سے متصل مختصر کمرے میں سارا دن گزارتے اور دوست واحباب جمع ہو کر فانی صاحب مرحوم کی بذلہ سنجی' لطائف وظرائف اور موقع کے مناسب اشعار اور علمی نکات کے موتیوں سے محظوظ ہوتے اور سامعین داد دیئے بغیر نہ رہتے۔ اللہ رب العزت نے فانی صاحب مرحوم کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا۔ تنگ دستی اور معاشی مشکلات کے باوجود استغناء کو اوڑھنا بچھونا رکھا اور ہمیشہ اپنی حالت کو اخفاء میں رکھ کر کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو ‏ ‏ ‏ ‏ تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

حسد وکینہ سے پاک صاف مزاج:

اس ظلمت کدہ میں ابتدائے آفرینش سے قدرتی طور پر کسی انسان کو کمال حاصل ہونے پر اس کے حاسدین میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور کبھی حسد کی آگ محسود کے درپے آزاد ہو کر امت مسلمہ کو بڑے خسارے سے دوچار کرتا ہے' جیسا کہ تاریخ کے اوراق ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ علاوہ ازیں سب سے زیادہ توجہ طلب یہ کہ اللہ عزوجل نے قرآن کریم کو حسد ہی سے پناہ مانگنے پر ختم کیا ہے۔

حضرت فانی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا مزاج اور وسیع ظرف دیا تھا کہ دور دور تک حسد کا شائبہ اس میں نہ تھا بلکہ اس کے برعکس دوستوں کے علمی تفوق کو تسلیم کرتے اور ان کے دنیاوی ترقی پر دلی مسرت کا اظہار کر کے حقیقی معنوں میں خوش ہوئے۔ صرف اسی صفت پر حضور علیہ السلام نے بعض صحابہ کرام کو جنت کی بشارت دی ہے جو کہ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت فانی صاحب مرحوم میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ مصائب اور مشکلات کے دوران دوستوں کے حوصلے بڑھا کر مسائل کے حل کے لئے خلوص دل سے صائب مشورے دیتے تھے شاید اس پرفتن دور میں کسی کو ایسا مخلص دوست ملے۔ ‏ ‏ ‏ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

علمی حیثیت تصنیف وتالیف کے میدان میں:

حضرت فانی مرحوم کی خاندانی علمی تفوق اور ٹھوس علمی حیثیت کی ایک دنیا معترف اور اس پر ناز کرتی ہے۔ فانی صاحب مرحوم موروثی صفات کے ساتھ ساتھ حضرت صدر صاحب مرحوم کی خصوصی توجہ اور دعاؤں کا پرتو اور عکس جمیل تھے۔ جنوبی ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی سے فراغت کے بعد درس وتدریس کے میدان میں آخر دم تک دارالعلوم سے وابستہ رہے۔ مختلف علوم وفنون کے منتہی کتابیں زیر تدریس رہیں اور اکابر دارالعلوم کے نظر کرم خصوصاً دارالعلوم کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی کے خصوصی شفقت اور محبت کی وجہ سے دارالعلوم کے مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوئے جو ہر عالم دین کی دلی خواہش ہوتی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ‏ ‏ ‏ ‏ تانہ بخشند خدائے بخشندہ

درس وتدریس کے علاوہ تصنیف اور تالیف کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیں۔یقیناً قابل داد ولائق تحسین ہے۔عربی' اردو' فارسی اور پشتو پر یکساں دسترس حاصل تھی۔اللہ رب العزت نے اسکے قلم میں روانگی' سلاست' چاشنی اور فصاحت وبلاغت کے نادر نکتے جوان کی تالیفات کی خصوصیات ہیں۔موقع بہ موقع اشعار جوان کی خصوصی صفت تھی' ودیعت رکھی تھی' حالانکہ یہ فضیلت کم لوگوں کونصیب ہوا کرتی ہے۔انکے قابل ذکر تصنیفات دروس الکافیہ' شرح حسامی' حیات صدرالمدرسین' نالہ زار' ازغی دَ تمنا۔ویرژن تصورات ،ارمانونہ وغیرہ قابل ذکر ہے۔

شعراورادب کے بے تاج بادشاہ:

حضرت فانی صاحب مرحوم کو دیگر خصوصیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دردمند دل دیا تھا۔اس درد دل کوحضرت فانی صاحب مرحوم نے مختلف زبانوں میں الفاظ کا جامہ پہنا کرعصر حاضر کے بہترین وقادر الکلام شعراء کے صف اول میں اپنے لئے جگہ بنادی۔آپ کا شاعرانہ کلام ملک بھر کے وقیع رسائل جیسے ماہنامہ''الحق'، ماہنامہ''الخیر''،''خدام الدین'' اور''بینات'' وغیرہ میں شائع ہوتا رہا۔ان کی نظموں اورغزلوں کو بہت کم مدت میں زبردست پذیرائی ملی' آپ عربی' فارسی' اردو اور پشتو کے قادرالکلام شاعر تھے۔اردو زبان میں نہایت شگفتہ انداز میں واردات قلبی اور دردِ دل سپردقلم کرتے رہے۔دوستوں کی مجلس میں جب موقع اور محل کے مناسب اشعار وردِ زبان ہوتے تو محفل کو کشت زعفران بنادیتے۔فانی صاحب مرحوم اپنی شاعری کی حقیقت کے بارے میں محترم ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ کے چنداشعار لکھتے ہیں۔

یہ میرے اشعار یہ ضربات قلب بے قرار — ہیں میرے وجدان حسن وعشق کے آئینہ دار
شاعری ہے میری تنہائی کا اک شغل لطیف — اپنے بزم دل کا خودساقی ہوں خودہوں مئے گسار
جب ہوا کچھ کیف دل میں کہہ لئے دوچار شعر — پھر بقدر ذوق اس کو پڑھ لیا دوچار بار
عمر بھر میں نے چھپایا ان کومثل راز دل — کیا سر محفل سناتا ماجرائے ناگوار
یہ نوائے تلخ و شیرین یہ فغان گرم وسرد — کیوں کسی اہل نظر کی طبع نازک پہ ہو بار
میں ہوں جس عالم میں رہنے دو مجھے اے عارفؔی — محفل اہل ہنر سے دور اور بیگانہ وار

اپنے دردِ دل کو یوں چند اشعار میں ذکر کیا ہے:

داغ دل پہ یار جانی اور ہے — ماجرائے خون فشانی اور ہے
یہ نہیں ہے قصہ لیلیٰ وقیس — درد کی میری کہانی اور ہے
زندہ ہوں لیکن شہید عشق بھی — یہ حیات جاودانی اور ہے
ہوں مرید میر و غالب شعر میں — پھر بھی لیکن رنگ فانؔی اور ہے

مختصر یہ کہ آپ کے شاعرانہ کلام کا جھلک آپ کے کتابوں ''نالہ زار'' پشتو زبان میں ''ازغی دتمنا''، ویرژن تصورات' اور ''داغہائے فراق'' (جو کہ مرثیوں پر مشتمل ہے) سے واضح ہے کہ آپ عصر حاضر کے بہترین شعراء میں سے تھے۔

فرق باطلہ کا تعاقب اور جامعہ حقانیہ سے محبت:

بچپن سے فانی صاحب مرحوم کی سیاسی وابستگی جمعیت علماء اسلام سے تھی۔ زمانہء طالب علمی میں اس میدان میں گاؤں میں بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ جس کا یہ مختصر مضمون تحمل نہیں کرسکتا۔ گاؤں میں رسومات اور بدعات کے خلاف جرأت مندانہ انداز کے ساتھ میدان میں کھود کر انجام سے بے پرواہ ہوتے۔ جن میں اکثر واقعات اصحاب احوال اور اہل قصبہ کو معلوم ہیں۔ اسی طرح سیاست کے میدان میں جلسے جلوسوں میں شرکت اور خصوصاً انتخابات کے موقع پر علمی اور عملی متاع لٹا کر اپنوں اور بیگانوں کے طعنوں اور مخالفت کی پرواہ کئے بغیر خلوص دل سے ہماری سرپرستی فرماتے رہے، اپنے ہم جنسوں کے محفل میں انتہائی خوش وخرم جبکہ عوام کی محفلوں سے کتراتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کا والہانہ تعلق اپنے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ سے اس قدر تھا کہ آپ چھٹیاں بھی دارالعلوم میں گزارتے اور بہت کم اپنے گاؤں تشریف لاتے۔ جب ہم شکایت کرتے تو فرماتے کہ میرا دارالعلوم سے نکلنا مچھلی کو دریا سے باہر نکالنے کے مترادف ہے۔

لیکن موت نے آخر ہم سب کو اپنے اپنے وقت پر اسی دارِ فناء سے دار بقاء کو لے جانا ہے۔ فانی صاحب مرحوم نے اپنے والدِ محترم حضرت صدر صاحب مرحوم کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''شکستی کمر ما'' یہ جملہ آج مجھ پر فانی صاحب مرحوم کے سانحہ رحلت پر صادق ہورہا ہے۔ فانی مرحوم کے سانحہ رحلت نے ہمارے دلوں کو مضطر اور حواس کو معطل کر کے رکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جنازہ ادا کرنے کے وقت میں غم سے نڈھال اتنا تو تھا کہ اپنے انتہائی مہربان دوستوں جناب مولانا حامد الحق صاحب اور مولانا راشد الحق صاحب کا نام بھول گیا' زبان گنگ' دل ماؤف اور عقل پژمردہ تھا۔ دارالعلوم حقانیہ اور زروبی میں ہزاروں علماء' طلبا اور صلحا وعوام الناس نے جنازہ میں شرکت کی۔ فانی صاحب بستر مرگ پر بھی دوستی اور محبت کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھ جیسے طالبعلم سے گاؤں میں نماز جنازہ کی امامت ادا کرنے کی وصیت کر گئے۔ جسے میں اپنے لئے باعث سعادت اور باعث نجات سمجھتا ہوں۔

اور یوں فانی مرحوم اس دار فانی سے تمام رشتہ دار اور احباب کو غمزدہ چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔

اللھم نور قبرہ وبرد مضجعہ

مسکراہٹ کی لکیریں جس نے تصویروں کو دی   اس مصور کی جبیں پر ہر شکن مضروب ہے

☆ ☆ ☆

محمود زکی بن مولانا محمد ابراہیم فانیؒ *

ابو جی نور اللہ مرقدہ

موت سنت بنی آدم ہے یہاں آنا ہی جانے کی تمہید ہے۔موت کے اٹل قانون سے نہ کوئی پیغمبر مستثنی ہوئے نہ کوئی صحابی یا ولی، کیا بادشاہ کیا گدا سب اسی راہ کے مسافر ہیں۔کل نفس ذائقۃ الموت کا عظیم فرمان اللہ جل جلالہ کی حاکمیت کا اعلان کرتا ہے کہ یہاں جو بھی آیا جانے کیلئے آیا باقی رہ جانے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔کوئی انسان قدرت کی بارگاہ سے ہمیشہ کی زندگی لیکرنہیں آتا ہر انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی موت اسکے ساتھ چلی آرہی ہے۔ ہر شخص کی سانسیں قضاء الہی میں گنی ہوئی محفوظ ہیں جن میں کسی کی کوشش ،تمنا و آرزو سے کوئی کمی وبیشی ممکن نہیں ۔ پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے کہ کسی کو کب تک دنیا میں باقی رکھنا قرین حکمت ہے کیونکہ وہی ذات حکیم بھی ہے اور اپنے بندوں پر کائنات کے ہر فرد سے زیادہ رحیم بھی لیکن چونکہ ہم کمزور ہیں ہماری عقلیں ناقص اور سوچ ناپختہ ومحدود ہے اس لئے مذکورہ بالا حقائق پر مکمل ایمان کے باوجود دل آتش غم سے سلگ رہا ہے، جذبات میں ایک ہیجان اور آنکھوں میں آنسوؤں کے طوفان موجزن ہیں دل پارہ پارہ اور کلیجہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ٹوٹ رہا ہے کہ ابو جی اپنی عمر فانی پوری کر کے رہگرائے عالم بقا ہو گئے ہیں انالله ونا اليه راجعون

کیسے کیسے چشم و عارض خاک کی زینت بنے   گردش دوراں خدارا لوٹ کر آنا ذرا
لشکر فریاد ونالۂ کے لئے میرے خدارا   وسعت صحرا بھی کم ہے اس کو پھیلانا ذرا

دل ودماغ ابھی تک اس حقیقت کو قبول کرنے میں متردد ہے کہ ابو جی جو ہماری چھوٹی چھوٹی تکالیف پر تڑپ اٹھتے تھے آج ہمیں یوں اپنی جدائی کے لق و دق صحرا میں بے سروسایہ چھوڑ گئے جہاں ہر طرف غموں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اور روشنی کی کوئی کرن نظرنہیں آرہی۔یا اللہ تو ہی اس صدمے پر صبر کی توفیق عطا فرما اللهم لا ملجا ولا منجا الا اليك

الٰہی تو ہی درد کا درمان ہے اور تیرا ہی فرمان ہے کہ دل لاکھ ٹوٹا سہی ایک بار انالله وانا اليه راجعون پڑھو میں اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمه و اولئك هم المهتدون میں نام درج کروادونگا!!

* متعلم درجہ سادسہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جانے والے پر دل کا رنج وغم ایک فطری بات مگر آج کون اشکبار نہیں؟ ابو جی تو خوشی خوشی اس بے وفا دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن اس مرد قلندر کے پیچھے ایک دنیا اشک بہاتی نہیں تھک رہی، محبین کے سروں پر غم کے طوفان منڈلا رہے ہیں۔ شہر ویران، بستیاں اجڑی اور گلستان مرجھایا ہوا سا ہے۔ کلیوں سے چٹک پھولوں سے مہک اور بلبل کی چہک غائب ہے۔ مدرسہ میں کہرام ہے کہ اس کے محبوب استاد چلے گئے، دارالحدیث کے در و دیوار افسردہ ہیں کہ فانی بابا کی قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بند ہو گئیں!!!

مئے خانہ ہے ویران کوئی جام نہیں ہے زندوں کی بھری بزم میں اک نام نہیں ہے
طوفان کی رکتی ہوئی نبضیں ہیں بتاتی جو پیڑ گرا ہے وہ کوئی عام نہیں ہے

پارہ پارہ دل اور پرنم آنکھوں کے ساتھ ابو جی کی کچھ یادوں کو جمع کرنے بیٹھا ہوں۔ لیکن ذہن کسی کورے ورق کی طرح خالی ہے اور لفظوں کی زباں جذبات کے موجوں میں گم ہے۔

دل میں اک ہنگامۂ طوفاں بپا ہے ان دنوں خود نہیں ادراک مجھ کو اپنے احساسات کا

آہ! ابو جی کا وہ بہار آفریں وجود نہ رہا جن سے ایوان علم گل و لالہ بن جاتا تھا۔ جن کے پاس زخمی دلوں کا مرہم شفا تھا۔ جن کو دیکھ کر محبوبیت اپنی کاکل و گیسو سنوارتی تھی۔ اہل دل افسردہ ہیں کہ

ع جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

ابو جی کے ساتھ گزارے ہوئے ایک ایک لمحے کی تصویریں ذہن میں گردش کر رہی ہیں جو مسلسل دل پر کچوکے لگا رہی ہیں۔ نگاہوں میں ابھی تک ابو جی کا وہ متبسم چہرہ منقش ہے اور دل منتظر ہے کہ شائد ابھی ابو جی وہ ابدی مسکراہٹ لیئے کہیں سے نمودار ہو جائینگے اور غم و انبوہ کے یہ سارے بادل یکلخت کافور ہو جائینگے!!

مگر نہیں، اللہ کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں جو گیا ہے کبھی واپس نہیں آیا۔ جانا تو سبھی کو وہاں ہے۔ انسان موت کے دروازے پر بے بس ہو جاتا ہے اور یہ موت ہی ایسی چیز ہے جس سے خدائے حیی و قیوم کے منکر بھی انکار نہیں کر سکتے۔

الحمدللہ ہمارا ایمان و یقین ہے کہ جو کچھ بھی ہوا وہ حکمت و مصلحت کے عین مطابق تھا۔ حق تعالی شانہ نے کسی کی موت کیلئے جو وقت مقدر فرما رکھا ہے موت ٹھیک اسی وقت مقرر پر آتی ہے اس میں ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔ اذا جاء اجلهم لا يستأخرون ساعة و لا يستقدمون

ابو جی اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، عاجزی و انکساری کی عملی تصویر اور سادگی و بے نفسی کے عکس جمیل تھے۔ جس نے ساری زندگی ایک قلندرانہ شان سے گزاری۔ صبر و شکر اور توکل ابو جی میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا

تھا۔ساری عمر مدرسے کی طرف سے دیئے گئے ایک چھوٹے سے کوارٹر میں گزاری اور بڑی سے بڑی آفر کو مادر علمی کیلئے ٹھکرا دیا تھا۔

الفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے
نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

اللہ تعالیٰ نے ابو جی کو دل دردمند اور ضمیر غیور سے نوازا تھا۔لکھنے اور پڑھنے سے ایک خصوصی شغف رکھتے تھے اور ساری ساری رات بیٹھ کر لکھتے رہتے۔ابو جی کو جو محبوبیت اللہ تعالی نے عطا کی تھی وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ایک بار جو ابو جی کے پاس بیٹھ جاتا پھر وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا۔کوارٹر کی چھوٹی سی بیٹھک میں علماء مشائخ و اکابر کی آمدورفت رہتی اور ابو جی کی بدولت بڑی بڑی عظیم ہستیوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔اب بھی جب انکی نشست گاہ کی طرف جاتا ہوں تو لگتا ہے ابھی ابھی اٹھ کر کہیں گئے ہوئے ہیں کیونکہ سب کچھ تو ویسے کا ویسا رکھا ہوا ہے، انکی زیر مطالعہ کتابیں،انکی ڈائری،ان کے خطوط،ان کا قلم،ان کی مہک۔سب کچھ تو موجود ہے اگر نہیں ہے تو ابو جی کا وہ وجود جن سے دشت دل گلشن بنا ہوا تھا جہاں اب خزاں کے ہولناک ویرانیوں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

بن ترے میرے لئے سونی ہے بزم کائنات
اور ویرانہ ہے میرے سامنے باغ ارم

ابو جی سچے عاشق رسول ﷺ تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ عشق رسول ﷺ ہی میرا سرمایہ ہے۔

دردِ عشق مصطفیٰ ﷺ ہے دولتِ تسکین جاں　　توشۂ عقبیٰ مرا نذرانۂ عشق رسول ﷺ
روز محشر یا خدا دامانِ رحمت ہو نصیب　　فانؔی عاجز ہے اک مستانۂ عشقِ رسول ﷺ

درود شریف پڑھنے کا بے حد اہتمام فرمایا کرتے تھے۔یہاں تک کہ بستر مرگ پر بھی حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لاکھوں بار درود شریف کا نذرانہ پیش کیا۔ہسپتال کے ایام میں جب تکلیف حد سے بڑھ جاتی تو بے ساختہ لبوں پر درود شریف کا ورد شروع ہو جاتا۔

ساعتِ کرب بلا میں راحت دل مصطفیٰ
مرہمِ زخمِ نہاں ہے نامِ محبوب خدا

ابو جی سراپا محبت تھے۔ہر کوئی سمجھتا کہ وہ سب سے زیادہ ان کا محبوب ہے۔بڑا بیٹا ہونے کے ناطے مجھ پر خصوصی نظر کرم تھا۔ہمیشہ میری کامیابیوں پر بے تحاشا خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔چونکہ کئی درجوں میں ابو جی کے ساتھ پہلا گھنٹہ رہا اس لئے میں ابو جی کے ساتھ ہی کتاب لیکر درسگاہ جاتا تھا اور صبح ابو جی کمال

شفقت سے برآمدے میں چارپائی پر بیٹھ کر میرے تیار ہونے کا انتظار فرمایا کرتے تھے کہ جب میں تیار ہو جاؤں تو ساتھ چلیں!!

آہ وہ پر کیف لمحے وہ زمانائے وصال — وہ بہاریں وہ گھٹائیں یاد آتی ہیں مجھے

آہ، کہاں تک ابو جی کی شفقتیں اور عنایتیں یاد کروں کہ یادوں سے یادیں جڑی ہوئی ہیں۔ پیدائش سے جوانی تک کا ایک لمبا عرصہ ہے جو ان کی آغوش شفقت میں گزرا جس کا ہر ہر لحظہ دل و دماغ میں پیوست ہے۔ وہ ایک ابر رحمت تھے جو برستے برستے اچانک جنت کی ہواؤں میں گم ہوگئے۔ اب تو بس ان کی یادیں ہیں جو دل و دماغ کے دریچوں سے داخل ہو کر اندر کو معطر و منور کرتی چلی جاتی ہے۔ ان حسین یادوں کو الفاظ کا جامہ پہنا کر صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا ناممکن ہے مگر اسی یادوں کے سہارے اجینا ہے کہ یہی قانون فطرت ہے۔

چھین لی ہم سے زمانے نے متاع زندگی — بجھ چکا ہے اب چراغ آس جل سکتا نہیں
کس طرح ٹوٹے گا یارب حلقۂ زنجیر غم — آتشیں نالوں سے میرے وہ پگھل سکتا نہیں

پیدائش: آپ ۱۵ مارچ ۱۹۵۵ کو امام المتکلمین رئیس المفسرین امیر المحدثین فقیہ العصر عارف باللہ جامع المعقول والمنقول صدر المدرسین علامہ عبد الحلیم صاحب قدس سرہ کے ہاں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتداء سے ہی ابو جی اپر اللہ کا خصوصی کرم رہا کہ پہلے پارے کے دو تین ورق سیکھنے بعد باقی پارے بغیر استاد کے پڑھے۔ عصری تعلیم مڈل تک اپنے گاؤں زروبی میں حاصل کی اس کے بعد اکوڑہ خٹک کے گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل ہوئے لیکن سہ ماہی امتحان کے بعد ناگزیر وجوہات کی بناء پر موضع ٹوپی کے سکول میں داخلہ لیا اور وہاں سے میٹرک کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔

اسی دوران ابو جی اپنے والد مکرم اور اپنے ماموں علامہ عبد الوحید قاسمی (فاضل دیوبند) سے دینی رسائل اور فارسی نظم کی کتابیں پڑھتے رہے۔ ۱۹۷۰ میں میٹرک کے بعد ابو جی نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں درس نظامی میں داخلہ لیا اور ساتھ ساتھ حفظ القرآن میں بھی مشغول رہے۔

اساتذہ: فنون کی کتابوں میں جن اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا ان میں امام المتکلمین حضرت العلامہ مولانا عبد الحلیم صاحب زروبوی صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مفتی اعظم مولانا محمد فرید صاحبؒ، مولانا محمد ہاروت صاحب سواتیؒ، مولانا محمد علی سواتیؒ فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، جامع المعقول والمنقول حضرت العلامہ مولانا فضل مولیٰؒ، مولانا قاری علی الرحمان صاحبؒ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدنی مدظلہ، مولانا عبد الحلیم صاحب دیروی، حضرت مولانا انوار الحق

صاحب اور مشہور جہادی کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی شامل ہیں۔

صحاح ستہ اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ابو جی نے جن نابغۂ روزگار مشائخ سے استفادہ کیا ان میں امام المحدثین نمونہ اسلاف استاد العلماء تلمیذ رشید شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ بانی و مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، امام المتکلمین صدرالمدرسین حضرت العلامہ عبدالحلیم زروبویؒ، مفتی اعظم مولانا محمد فریدؒ، شیخ الحدیث والتفسیر اللبیب البارع شہید مظلوم مولانا حسن جان المدنیؒ، حضرت مولانا محمد علی سواتیؒ اور قائد ملت امام انقلاب شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی شامل ہیں۔

ابو جی نے دورۂ تفسیر القرآن ۱۹۷۶ میں شیخ التفسیر والحدیث العارف باللہ حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصوریؒ سے کیا۔ یوں ان جہاندیدۂ وقت سے استفادہ کے بعد ۱۹۷۸ کو درس نظامی سے فارغ ہوئے۔

تدریس: ۱۹۷۸ میں درس نظامی سے فراغت کے اگلے سال ہی حضرت مولانا عبدالحقؒ کی خصوصی نظر عنایت سے ابو جی کو اپنی مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں خدمت کا موقعہ دیا گیا اور صرف ونحو و منطق اور ادب کی مختلف کتابیں تفویض ہوئیں۔ چنانچہ اس وقت سے لیکر وفات تک پوری دلجمعی یکسوئی اور جوش و ولولہ کے ساتھ تدریس میں مصروف رہے۔

تصنیفات: ابو جی کی کئی تصنیفات معرض وجود میں آئی ہیں جن میں علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ ابن حاجب کی پشتو شرح دروس الکافیہ کو شہرت دوام حاصل ہے اور آج تک اس کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جبکہ اس کا دوسرا حصہ العیون الصافیہ کے نام سے موسوم ہے۔ علم اصول فقہ کی مشہور کتاب منتخب حسامی کی پشتو شرح التوضیح السامی بھی آپ کی علمی محنت کا ثمرہ ہے۔

حیات صدر المدرسین: یہ وقیع علمی کتاب ابو جی نے اپنے والد مکرم کے حالات زندگی پر لکھی ہے جسکی افادیت کے پیش نظر وزارت تعلیم صوبہ سرحد نے سکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں کیلئے اس کی منظوری دی ہے۔

افادات حلیم: اس کتاب میں بھی صدر صاحبؒ کے افادات کو یکجا کیا گیا ہے۔

کاروان آخرت: ماہنامہ ''الحق'' کے مدیر اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے جو ادارتی شذرے ملک وملت کی مشہور شخصیات کے سانحہ ہائے ارتحال پر لکھے تھے ابو جی نے وہ ادارئے مرتب کئے اور ان پر تعلیقات و حواشی کا اضافہ کیا۔ جس کو مؤتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ نے شائع کیا ہے۔ چونکہ ابو جی چار زبانوں کے بہترین شاعر تھے اس لئے شاعری کے حوالے سے بھی ان کے کئی مجموعے

منظر عام پر آچکے ہیں جن میں اردو کلام کا مجموعہ ''نالۂ زار''، فارسی عربی و اردو مراثی کا مجموعہ ''داغہائے فراق'' اور پشتو کلام کے مجموعے ''ازغی دتمنا''۔''بے شانہ غم''۔''ویرژن تصورات''۔''بیا دردونہ پہ خندا دی''۔''شاہین دتخیل''۔''سوگیلی می زڑگے غواڑی'' اور ''دنیا داحساساتو'' شامل ہیں۔

اسی طرح ''متاع دردمع آتش شوق'' جوکہ مراثی اور تغمینات کے علاوہ فارسی دیوان پر مشتمل ہے بھی زیرِطبع ہے۔

آئی سی یو میں بھی ابو جی نے ''داستان دلکشا درزمان ابتلا'' کے عنوان سے ہسپتال کے شب وروز اور عیادت کے لئے آنے والے علماء وشخصیات کی مجالس کو لکھنا شروع کیا جس سے کافی ساری مواد جمع ہوگیا تھا اسی طرح مختلف علماء کرام پر بھی لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔جس کے مرتب کرنے کا کام جاری ہے۔

سفر آخرت: ابو جی تقریبا ۲۰ سال سے شوگر کے مریض تھے۔جسکی وجہ سے پاؤں کے ۴ آپریشن ہوئے اور ۲ انگلیاں بھی کٹوانی پڑیں۔عید کے دن سے ابو کو سخت بخار چڑھا جو ایک ہفتے تک جاری رہا۔چھٹیوں کے بعد مدرسے کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا تو بھی ابو مسلسل بیمار رہے لیکن اس حالت میں بھی اسباق کا ناغہ نہیں کیا۔۳ جنوری ۲۰۱۴ء کو ابو نے مجھے فرمایا کہ مجھے لگتا ہے کہ میری بصارت پر اثر پڑا ہے کیونکہ مجھے کتاب کی عبارت صحیح طرح نظر نہیں آرہی اور سر بھی چکرا رہا ہے، (ابو جی کی ایک آنکھ پر پیدائش سے ہی پردہ تھا اور دوسری آنکھ پر بعد میں پڑ گیا تھا لیکن شوگر کی وجہ سے اس کا آپریشن بار بار مؤخر ہوتا رہا) میں نے جلدی سے بلڈ پریشر چیک کیا تو وہ کافی شوٹ کر گیا تھا۔ڈاکٹر سے رابطہ کیا گیا تو اس نے فوری طور پر فشار خون کو معتدل کرنے کی کچھ گولیاں بتائیں اور دینے کو کہا اور تاکید کی کہ بلڈ پریشر مستقل چیک کروالیا کریں۔

دوسرے دن ابو ڈاکٹر کے منع کرنے کے باوجود درسگاہ تشریف لے گئے اور اسباق پڑھا دیئے لیکن دارالحدیث شریف میں بصارت اور کمزوری کے سبب نہ پڑھا سکے اور طلباء کو آپریشن اور دعا کی درخواست کرکے واپس تشریف لے آئے۔شام کو ابو کو جھٹکے لگنے شروع ہوئے تو ہم ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ابو کو جلدی سے ہسپتال لے گئے جہاں ڈاکٹروں نے فالج کے حملے کا خدشہ ظاہر کیا وہ تو بحمد اللہ غلط ثابت ہوا لیکن مسلسل جاری رہنے والے بلند فشار خون نے دماغ کے پچھلے حصے کو متاثر کیا جسکی وجہ سے ابو کو توازن برقرار رکھنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔میڈیکل سپیشلسٹس نے معائنے کے بعد تین چار ہفتے مکمل آرام کا مشورہ دیا اور نئی صورت حال کے پیش نظر آنکھوں کے آپریشن کو بھی مؤخر کردیا۔تین چار دنوں بعد اچانک ابو کو پیشاب کرنے میں مشکل پیش آنے لگی جس پر دوبارہ ہسپتال سے رجوع کرنا پڑا اور پیشاب وخون کے تمام ٹیسٹ کئے گئے جس کے رزلٹس

نے ہمارے ہوش اڑادیئے کہ ابو جی کے دونوں گردوں نے کام چھوڑ دیا ہے۔اور ابو جی کو فوری طور پر ڈائلاسس کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹروں کے مشورے پر ہم ۲۶ جنوری ۲۰۱۴ء کو ابو جی کو انسٹیٹیوٹ آف کڈنی ڈیزیز حیات آباد لے گئے جہاں پر ابو جی کو آئی سی یو میں داخل کردیا گیا جہاں آخر وقت تک زیر علاج رہے۔دوران علاج طلباء وعلماء اور محبین کا ایک ہجوم روزانہ عیادت کیلئے ہسپتال تشریف لاتا رہا جس پر ڈاکٹر حضرات ابو جی سے مذاحا کہا کرتے تھے کہ آپ نے ہسپتال اور آئی سی یو جیسی حساس جگہ کو بھی مدرسہ بنایا ہوا ہے اس دوران رپورٹس کے اتارچڑھاؤ سے ہمارے حوصلے بھی بلند و پست ہوتے رہے لیکن ابو جی کی استقامت ان شدید تکالیف میں بھی مثالی رہی حالانکہ ڈاکٹروں کے مطابق ابو جی کے جسم کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں تھا جو متاثر نہ ہوا ہو۔وفات سے ایک دن قبل انفیکشن بہت زیادہ بڑھ گیا تھا جس پر ابو جی پر غنودگی طاری ہوگئی لیکن اس حالت میں بھی مسلسل زبان پر اوراد واذکار اور درود شریف کا ورد جاری رہا۔بالاخر فراق کی گھڑی آن پہنچی اور ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء کو رات تین بجے کے قریب ابو جی ہم سب کو چھوڑ کر آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون

ع عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

آخر میں ابو جی کی بیماری اور وفات کے اس پر مہیب دورانیہ میں جملۂ شیوخ و اساتذہ، تلامذہ، اقاربہ اور متعلقین کی مخلصانہ محبت، خصوصا استاذ العلماء حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی ہر موقعہ پر سرپرستی، حضرت مولانا انوار الحق صاحب کے اخلاص، مولانا مفتی ذاکر حسن نعمانی، مولانا قاری مقبول احمد حقانی، مخدوم زادہ حضرت مولانا راشد الحق سمیع صاحب و مولانا حامد الحق صاحب کی ہمدردانہ خدمت اور مولانا سلمان الحق صاحب و مولانا عرفان الحق صاحب کی والہانہ عقیدت سے تسوید اوراق نہ کروں تو میری نوائیں ادھوری اور دعائیں بے روح ہونگی۔اسی طرح میرے وہ طالب علم بھائی بھی خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے زندگی بھر اور خصوصاً بیماری کے دوران ہسپتال میں ایک ماہ تک دن رات مسلسل بے لوث خدمت کی، مثلاً مولانا محمد اسرار ابن مدنی، مولوی محبوب احمد غازی، مولانا شوکت علی، مفتی راحت علی حقانی، مولوی بیت اللہ، مولوی برہان، مولوی رحمت اللہ متقی، مولوی وزیر محمد، مولوی ضیاء الرحمٰن وزیرستانی' مولوی محمد سیف، مولوی میاں محمد شاہ حسین، کے نام قابل ذکر ہیں۔

میرے پاس وہ الفاظ نہیں جو اس عاجز کے عجز بیان کو اظہار اسلوب دے سکے۔تاہم خداوند کریم اپنے پیاروں کی پیاری پیاری اداؤں کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے ''گلشن حقانیہ'' کی اس حسین محفل کی اجھلی اجھلی اور دھلی دھلی فضاؤں کو تاقیامت سلامت رکھے اور ہم سب کو اس رحمت کی گھٹاؤں سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆

ام ہانی بنت حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ

آہ... میرے ابو جیؒ

سمجھ میں نہیں آتا کہ ابو جی پر کیا لکھوں؟ کس طرح لکھوں؟ دل مضطرب ہے سوچ اور فہم ساتھ چھوڑ گئے ہیں، دل و دماغ میں ایک ہلچل مچی ہوئی ہے اور دماغ منتشر ہے۔سوچوں پر تالے لگ گئے ہیں دل کسی ضدی بچے کی طرح مچل رہا ہے کہ میرے ابو جی مجھے لوٹا دو۔ ابھی تک یقین نہیں آتا کہ واقعی ابو جی ہم سے جدا ہو گئے ہیں جس کے بارے میں سوچا کرتی تھی اگر ایسا ہو گیا تو میں کیسے برداشت کر پاؤنگی؟ کیسے زندہ رہونگی؟ لیکن موت سے کس کو رستگاری ہے؟ یہ دنیا دار الفنا ہے اور ہمارے ابو جی بھی دار الفنا کو چھوڑ کر دار البقا کی طرف چلے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنی جلدی ابو جی ہمیں چھوڑ کر چلے جائینگے۔ جانے والوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے جانے پر آسمان و زمین بھی نوحہ کرتے ہیں لیکن جو بندہ اللہ کو محبوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کا شوق رکھتے ہیں۔ ابو جان! میں آپ جیسا محسن کہاں سے لاؤں گی؟ ابو جی کیسے یقین کروں کہ اب میں قیامت آپکی حسین صورت کو ترسوں گی۔ آپ کیا گئے ہمارے خواب تعبیریں پانے سے پہلے ہی ختم ہو گئے۔ ابو جی آپ کیا گئے ہمارے ہونٹ مسکرانا ہی بھول گئے۔ ابو جی آپ کیا گئے ہم خوشی کے لفظ سے بھی نا آشنا ہو گئے۔

اے دلِ بے قرار چپ ہوجا   جا چکی ہے بہار چپ ہوجا
اب نہ آئیں گے روٹھنے والے   دیدۂ اشکبار چپ ہوجا

ابو جی کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صفات اور خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم و عمل، زہد و تقوی، تواضع و انکساری، عقل و فہم، ایثار و قربانی، خلوص اور مہمان نوازی یہ سب ان کی گھٹی میں شامل تھے۔ ابو جی سراپا محبت تھے۔ وہ ایک آئیڈیل باپ، بیٹے اور شوہر تھے۔ ان کی گھریلو زندگی بھی بہت پیاری تھی ۔ہمیں دوستانہ ماحول دیا تھا۔ ابو جی عجز و انکساری اور صبر و تحمل کے پیکر تھے۔ انتہائی بیماری کی حالت میں بھی فرماتے کہ الحمد للہ میں بالکل ٹھیک ہوں یہ بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ ابو جی اعلیٰ درجے کے اخلاق کے مالک تھے جو بھی آپ کو تکلیفیں پہنچاتا آپ اس کے ساتھ بھی احسان کا معاملہ فرماتے اور ہمیں بھی اس بات کا درس دیتے۔ ابو جی کو ہم سب بہن بھائیوں سے بہت محبت تھی۔ میں ان کی بہت لاڈلی تھی۔ جیسے ہی ابو جی گھر میں تشریف لاتے آ کے سب سے پہلے میرا نام لیتے تھے۔ ابو جی کیلئے چائے بنانا، کتابوں کو ترتیب سے رکھنا، شوگر چیک کرنا یہ سب میری ذمہ داریاں تھی۔ شوگر کی وجہ سے

ابو جی کے پاؤں میں زخم بن گئے تھے جب میں اس زخموں کی مرہم پٹی کرتی تو ابو جی مجھے بہت دعائیں دیتے اور فرماتے بیٹیاں سب کی بہت پیاری ہوتی ہیں لیکن میری بیٹی بہت ہی پیاری ہے۔

ہم بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی اچھا کام کرتا تو اس کی بہت تعریف اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ایک بار ابو جی ایک کیسٹ لے آئے جس میں ''اباجی'' شیخ المشائخ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کی پشتو زبان میں تقریر تھی اس تقریر کو اردو میں ترجمہ کر کے لکھنا تھا چونکہ ابو جی کی علمی مصروفیات بہت زیادہ تھیں تو میں نے اس تقریر کو ترجمہ کر کے لکھ دیا اور جب ابو جی کو دکھایا تو بے تحاشا خوش ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی اور انعام بھی دیا۔

ابو جی چار زبانوں کے بہترین شاعر تھے۔ ایک بار میں نے عرض کیا: ابو جی! مجھے علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار بہت پسند ہیں

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر حسابم را تو بینی ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

یہ اشعار سنتے ہی ابو جی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا یہ اشعار تو ہمارے دل کی آواز ہے اور میرے حسن انتخاب کی بہت تعریف کی۔ابو جی کو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا، فرماتے تھے جو دن میں نے تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں جیل میں گزارے ہیں وہی میری زندگی کا سب سے بہتر اثاثہ اور سرمایہ ہیں۔ ابو جی دن رات، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت درود شریف پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنی اوسط عمر کے مطابق کم از کم ۶۰، ۷۰ لاکھ درود شریف پڑھے۔ابو جی تقریباً ۳۲ دن ہسپتال میں زیر علاج رہے وہاں بھی ۳ لاکھ سے زیادہ درود شریف پڑھا، والدہ محترمہ فرماتی ہیں ابو جی نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی درود شریف پڑھتے تھے۔

ہمارے ابو جی تواضع و انکساری کے پیکر تھے اور تواضع بھی ایسی کہ پچھلے دس سال سے چارپائی پر نہیں سوئے تھے فرمایا کرتے تھے ''میں تو اللہ کا بہت گناہگار بندہ ہوں زمین پر لیٹنے کا بھی قابل نہیں ہوں'' ابو جی کو دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔حلال وحرام کے معاملے میں بھی بہت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

میں نے اپنی زندگی میں ابو جی جیسا شفیق مہربان اور محبت کرنے والا انسان نہیں دیکھا۔حضرت ابو جیؒ شدید بیماری کے حالت میں بھی اسباق سے ناغہ نہیں کرتے تھے۔ پاؤں کا آپریشن ہوا تھا ڈاکٹروں نے انگلی کو کاٹ دیا تھا، ہسپتال سے واپس آنے کے دوسرے ہی دن ویل چیئر پر بیٹھ کر مدرسے تشریف لے گئے میں نے بہت کہا ابو جی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں آج چھٹی کیجئے تو فرمایا کہ بیٹا میری انگلی کاٹی گئی ہے زبان تو سلامت ہے۔میں حرام تنخواہ لیکر کیا کرونگا پھر مسکرائے اور فرمایا! ''جب میری بیٹی مجھے دم کریگی تو میں بالکل ٹھیک ہو جاؤنگا'' اللہ تعالیٰ ابو جی کی مغفرت فرمائے۔

مفتی ذاکر حسن نعمانی

فانی کے ساتھ باقی مجالس

جناب مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب دارالعلوم حقانیہ کے فیض یافتہ قابل وفاضل شخصیت ہیں۔ جامعہ حقانیہ، ادارہ ''الحق'' آپ کا خصوصی ممنون ہے کہ آپ نے حضرت فانی صاحب کی علالت کے دوران تقریباً ایک ماہ سے زائد بے لوث خدمت کی اور روزانہ اِن کی ضرورتوں کا خیال رکھا اور حضرت فانی صاحب کے ساتھ تقریباً روزانہ علمی اور ادبی مجالس دوران بیماری کے اثر کو زائل کرنے کیلئے منعقد کیں۔.........................

صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب مدرس جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک پچھلے چند سالوں سے شوگر کے مریض تھے۔ چند دن قبل میرے بھانجے مفتی یاسر احمد زیرک کا فون آیا کہ جناب محترم فانی صاحب کو کڈنی سنٹر حیات آباد پشاور (حیات آباد کمپلیکس) ڈائی لائیسز (Dialysis) کے لیے لا رہے ہیں، آپ ان کے ساتھ تعاون کریں۔ میری امامت وخطابت کی مسجد (مسجد تکبیر فیز 4) اور رہائش چونکہ کڈنی سنٹر کے بالکل پڑوس میں ہے، اور بعض ڈاکٹر حضرات سے کچھ تعارف بھی ہے، اس لیے فانی صاحب کی آمد سے کچھ دیر پہلے کڈنی سنٹر پہنچ کر ان کے انتظار میں کھڑا تھا، ایمبولینس پہنچی، جس میں آپ کے ساتھ آپ کے بھائی محمد اسماعیل، بیٹا محمود ذکی اور مولانا محمد اسرار مدنی صاحب کے علاوہ خدمت کے لیے چند طلبہ کرام تھے۔ چونکہ کڈنی سنٹر محدود بیڈز پر مشتمل ہے، اتوار کا دن تھا، کوئی بیڈ خالی نہیں تھا، لیکن میرے ہسپتال جانے سے قبل بعض سرکاری باثر افراد کے کڈنی سنٹر سفارشی فون بھی آچکے تھے، اس لیے فوری طور پر آپ کو انتہائی نگہداشت وارڈ (ICU) میں داخل کر دیا گیا، اور تمام ڈاکٹر حضرات آپ کے خصوصی علاج کی طرف متوجہ ہو گئے، علاج کا سلسلہ برابر ایک ماہ تک جاری رہا۔

تذکرہ فانی:

میں نے ان کے نام کے شروع میں اپنی طرف سے لفظ صاحبزادہ کا اضافہ کیا ہے۔ فانی صاحب کے والد محترم مرحوم ومغفور فاضل دیوبند اور جامعہ حقانیہ کے صدر مدرس تھے۔ بقول حضرت شیخ الحدیث مولانا مفتی غلام الرحمٰن مدظلہ العالی ''صدر صاحب'' اپنے دور کے شاہ ولی اللہؒ تھے۔ میرے خیال میں علوم وفنون میں علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہم سری کر رہے تھے۔ چونکہ فانی صاحب ان کے بیٹے ہیں، اس لیے میں نے ان کے نام کے ساتھ لفظ صاحبزادہ کا اضافہ کیا۔

---

* استاذ حدیث وتخصص جامعہ عثمانیہ پشاور، وسابق شریعہ ایڈوائزر خیبر بینک پشاور

فانی صاحب تھے تو سب کی طرح واقعی فانی ،لیکن کام ان کے تھے سب باقی اورلاثانی ۔آپ حافظ،عالم،مدرس،مصنف اورفارسی ،اردو،عربی اورپشتو زبان کے قادرالکلام شاعر تھے۔آپ نے دنیا سے رخصت ہونے والے بڑے بڑے علماء کے ہرزبان میں انتہائی وقیع مرثیے لکھے ہیں، جوملک کے اہم دینی رسالوں بالخصوص ''ماہنامہ الحق''میں شائع ہوئے ہیں۔آپ جس زبان میں شاعری کرتے تھے،تواس زبان کے ماہراورتجربہ کارزبان دان معلوم ہوتے تھے۔ بڑے اونچے درجے کی شاعری کرتے تھے۔جب شیخ الاسلام مفتی محمدتقی عثمانی مدظلہ جامعہ حقانیہ تشریف لائے تھے ،بڑے بڑے علماء موجود تھے ،بڑی ادبی مجلس تھی جس میں مفتی محمدتقی عثمانی صاحب نے اپنامنظوم کلام پیش کیا تھا،جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جب فانی صاحب کااردوزبان میں منظوم کلام سنا تو فرمایا: پختہ کلام ہے۔شیخ الاسلام جیسی علمی شخصیت اوراہل لسان قادرالکلام شاعر کا یہ جملہ فانی صاحب کی مسلم الثبوت شاعری کی سب سے بڑی دلیل اورتصدیق ہے۔آپ پشتو زبان کے خیبرپختون خواہ میں واحدپشتون شاعرہیں،جنہوں نے فارسی زبان میں''من الالف الی الیاء'' تک دیوان مرتب کیاہے۔فانی صاحب ایک باغ وبہار ،آزادمنش اسلامی شاعر تھے ۔آپ کی مجلس میں طبیعت اکتاتی نہیں تھی،بلکہ مجلس کوطول دینے پراکساتی تھی۔

ہسپتال اورسخت بیماری کی حالت میں علمی ادبی مجلس ہروقت قائم رہتی تھی۔آپ کی ہمت اورحوصلہ قابل دید تھا۔علماء وطلباء کاآپ کے اردگرد ہروقت جمگھٹا رہتاتھا۔مجالس کی باقاعدہ ریکارڈنگ ہوتی تھی ۔آپ کے ضعف،کمزوری اوربیماری کودیکھ کرایک طالب کے منہ سے یہ جملہ نکلاکہ آپ کادماغ ٹھیک ہے؟ اس کامطلب تھاکہ کیاحافظہ صحیح کام کررہاہے؟ توفانی صاحب نے اپنے طبعی گپ شپ والے موڈ میں جواب دیا؟ کیامیں پاگل ہوں؟ ایک مجلس میں مجھے کہنے لگے میری بیماری نے کئی کتابوں کوجنم دیا،تذکرہ علماء زروبوی ،تذکرہ علماء حقانیہ اورفانی کے ساتھ باقی مجالس وغیرہ کڈنی سنٹرکی علمی ،ادبی اورروحانی سوغات ہیں۔

داستانِ فنا:

21رفروری2014ء بروز جمعہ عصرکی نمازکے بعد میں فانی صاحب کے پاس بڑے خوشگوارموڈ میں گیا، غرض یہ تھی کہ جومجالس میں نے لکھی ہیں، ان کے بارے میں گفتگوکروں اورمزید مجالس قلم بندکروں، کیونکہ میراخیال تھاکہ مجالس کایہ سلسلہ طویل ہوگااوربڑی قیمتی علمی ،روحانی اورادبی مجالس منظرعام پرآجائیں گی ،لیکن قدرت کوکچھ اورمنظورتھا۔میں نے دیکھا آپ پرنیم بے ہوشی کی حالت طاری ہے میرے ساتھ غنودگی کی حالت میں گفتگوکی۔میں نے کہاحضرت کچھ مجالس لکھی ہیں ،فرمایاسناؤکیالکھاہے۔میں نے کہااوراق گھرمیں ہیں۔

عشاء کے وقت سناؤں گا۔میرا خیال تھا کہ حالت سنبھل جائے گی۔ حالانکہ یہ فانی صاحب کی حیاتِ مستعار کی 59(انسٹھ) بہاروں کے آخری لمحات اور علمی وادبی گلستان وبوستان کے اُجڑنے کی ابتداء تھی۔وہی ہسپتال جہاں باذوق علماء،فضلاء اور طلباء کیساتھ روحانی اور نورانی علمی وادبی محفلیں قائم رہتی تھیں، یکدم ماند پڑ گئیں۔ ڈاکٹروں نے پوری تندہی اورعقیدت کے ساتھ علاج کیا۔پیر کے دن ڈائی لائسز کے دوران مجھے جناب مولانا راشد الحق صاحب نے فرمایا کہ جناب سرجن ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب (ڈائریکٹر کڈنی سنٹر) کہہ رہے ہیں کہ بس اب دعا کرو۔چنانچہ منگل کی رات کوعشاء کی نماز کے بعد فانی صاحب کے بیڈ کے قریب کافی دیر تک بیٹھا رہا۔آپ کی حالت انتہائی سیریس تھی۔ میں نے آپ کے خادم طالبعلم محمد برہان نعمانی کواپنا موبائل نمبر دیا اور کہا کہ جوکچھ بھی ہو مجھے فوراًاطلاع کردینا۔گھر آکر افسوس اور مایوسی کے عالم میں سوگیا۔ رات کے تین بجے موبائل فون گھنٹی کی بجی ،فون آن کیا تو طالب علم نے یہ المناک خبر سنائی کہ فانی صاحب انتقال کرگئے ۔فوراًICU پہنچا ان کودیکھ کر بے اختیا رو پڑا۔خیال آیا کہ جناب مولانا راشد الحق صاحب کواطلاع کردوں کیونکہ فانی صاحب اور راشد الحق صاحب کا آپس میں محبت اور عقیدت کا گہرا تعلق ہے۔راشد الحق صاحب اکوڑہ خٹک سے بار بار بیمار پرسی ،تیمارداری اورنگرانی کے لیے تشریف لاتے تھے لیکن میں نے راشد الحق صاحب کوفون نہیں کیا سوچا کہ اس وقت ان کوفون کرکے کیوں پریشان کروں۔لہذا خود ہی تمام امورنمٹانے کی ٹھان لی ۔فانی صاحب کے بیٹے محمود ذکی کوفون کیا،جناب محمود ذکی اپنی والدہ کے ساتھ حیات آباد میں اپنے خالو کے گھر مقیم تھے۔دن بھر ابو کی خدمت کے بعد رات تھوڑی دیرآرام کے لیے خالو کے گھر چلے جاتے اورپھر وارڈ میں طلبا کرام فانی صاحب کی خدمت اورنگرانی کرتے ۔جناب فانی صاحب کی اہلیہ بھی دن میں دومرتبہ ICU تشریف لاتیں۔کافی دیرتک فانی صاحب کی خدمت میں مصروف رہتیں۔مثلاً صفائی ،کپڑے بدلنا وغیرہ یہ آپ کا روزانہ کامعمول تھا۔محمود ذکی کو میں نے انتقال کی اطلاع نہیں دی میں نے کہا آپ آجائیں ۔فانی صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔چنانچہ وہ اپنے خالو مولانا مقبول صاحب کے ساتھ فوراپہنچ گئے ۔اپنے عظیم باپ کودیکھتے ہی حالت غیر ہوگئی۔ میں نے خوب دلاسہ اورپُرسہ دیا۔میں نے کہا کہ فانی صاحب توفانی ہوگئے لیکن باقی (اللہ) موجود ہیں ،وہ تمہارا ذمہ دار ہے۔ جب اس کی حالت ذرا سنبھل گئی تو میں نے کہا اب والدہ صاحبہ کوفون کرواور بتاؤ کہ فانی صاحب ٹھیک ہیں، کیونکہ فی الحال ان کوبھی پریشان نہیں کرنا چاہیے چنانچہ میں اورقاری مقبول صاحب موٹرسائکل پرسوار ہوکر گئے اورایمبولنس کابندوبست کیا۔ ایمبولنس کڈنی سنٹر آئی اور جناب فانی صاحب کاجسدِ خاکی احترام اورعقیدت کے ساتھ اس میں رکھااور ساتھ ان کے بیٹے محمود ذکی کوبٹھایااوران سے کہا کہ اپنے خالو کے گھر جائیں اوروہاں سے مستورات کوساتھ لے کرحقانیہ پہنچ جائیں۔چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ کے انتقال کے میسجز (SMS) ہرطرف پھیلنا شروع ہوگئے ۔آپ

کی وصیت کے مطابق جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں 11 بجے بروز بدھ نماز جنازہ کا وقت مقرر ہوا۔

جناب فانی صاحب نے وصیت کی تھی کہ میرا پہلا جنازہ حقانیہ میں میرے استاذ و مربی حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب پڑھائیں گے۔اگر آپ کہیں سفر پر ہوں تو پھر میرے استاذ حضرت العلامہ مولانا انوار الحق صاحب نائب مہتمم جامعہ حقانیہ نماز جنازہ پڑھائیں۔حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب عمرہ کے سفر پر تھے۔ اس لیے نماز جنازہ حضرت العلامہ مولانا انوار الحق صاحب نے پڑھائی۔نماز جنازہ میں حقانیہ کے مدرسین ،شیوخ، محدثین اور طلبہ کرام کے علاوہ جامعہ حقانیہ کے قدیم وجدید فضلاء نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔جنازہ سے قبل بڑے بڑے محدثین اور شیوخ نے فانی صاحب کی حقانیہ میں علمی خدمات اور جامعہ کے ساتھ مرتے دم تک وفاداری پر خراج تحسین پیش کیا۔فانی صاحب نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ میرا دوسرا جنازہ میرے آبائی گاؤں زروبی ضلع صوابی میں جناب مولانا فضل علی حقانی سابق وزیر تعلیم خیبر پختونخواہ کی صوابدید پر ہوگا یا پھر وہ خود پڑھائیں گے۔چنانچہ 3 بجے سہ پہر حضرت مولانا فضل علی حقانی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور پرنم آنکھوں اور ہچکیوں کے ساتھ آپ کے جسدِ خاکی کو اپنی والدہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی آمد:

(1)......حضرت مولانا سمیع الحق صاحب عیادت کے لیے تشریف لائے، جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ آپ ایک انتہائی اہم اور بڑی علمی وسیاسی شخصیت کے مالک ہیں۔ملکی سیاست میں بھی آپ کا نمایاں کردار ہے،اس لیے فانی صاحب نے فرمایا کہ آپ کا وجود ضروری ہے۔اشارہ تھا کہ حضرت اپنی چلت پھرت میں احتیاط رکھیں،اس لیے کہ حالات خراب ہیں۔

روشن چراغ کا تذکرہ:

(2)......حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب تشریف لائے ،فانی صاحب اور حضرت مفتی صاحب ہم عمر،ہم استاذ اور ہم سبق ہیں۔دوستانہ ماحول میں آزادانہ بات چیت ہوئی۔حضرت مفتی صاحب کا حال ہی میں دل کا آپریشن ہوا تھا۔خیریت پوچھی اور ساتھ ہی فانی صاحب نے مفتی صاحب کے ہاں اپنی غیر حاضری کے بارے میں فرمایا کہ میں شرمندہ ہوں کہ آپ کے ہاں حاضر نہ ہوسکا(جس کی وجہ فانی صاحب کی بیماری تھی۔)حضرت مفتی صاحب نے اپنے اکابر اساتذہ کرام کا تذکرہ ماہنامہ العصر میں قسط وار شائع کیا ہے۔''روشن چراغ'' کے نام سے کتاب شائع ہورہی ہے۔فانی صاحب نے مفتی صاحب سے مزاحیہ انداز میں فرمایا جو باتیں آپ نے چھوڑ دیں ہیں۔ان پر حاشیہ میں چڑھاؤں گا تاکہ تذکرہ مکمل ہوجائے۔

منفرد ناظم تعلیمات:

(3)......حضرت مولانا حسین احمد صاحب (ناظم تعلیمات واستاذ حدیث جامعہ عثمانیہ پشاور) جب تشریف لائے تو ان کے ساتھ خوب گپ شپ ہوئی، چند ادبی اور بلند پایہ اشعار بھی سنائے۔ فرمایا کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں: باذوق، بدذوق اور بے ذوق۔

ان میں سب سے برا بدذوق ہے اور سب سے اچھا باذوق ہے اور بے ذوق گزارا حال ہے۔ اس موقع پر بندہ نے ایک شعر سنایا جس سے خوب محظوظ ہوئے۔

شوق نہیں ذوق نہیں سوز نہیں　　　زاہد خشک کا جینا بھی کوئی جینا ہے

فرمایا: میں نے زندگی میں دو ناظم تعلیمات دیکھیں ہیں: ایک حضرت مولانا سلطان محمود صاحب فاضل سہارنپور، ناظم تعلیمات وناظم مالیات جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ انتہائی امانت دار اور دیانت دار تھے۔ فرمایا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ ان پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

فرمایا: حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے ساتھ دفتر اہتمام میں بیٹھے ہوتے تھے، حضرت شیخ الحدیث کے صرف ہونٹ ہلتے تھے اور ناظم تعلیمات صاحب جی ہاں، جی ہاں کرتے تھے۔

فرمایا: انتہائی رمز شناس تھے، اندازہ لگائیں، حضرت الشیخ اور ناظم تعلیمات کی آپس میں کتنی زبردست under standing تھی، ایک دوسرے کے ہونٹوں کے اشارے بھی سمجھتے تھے۔

فرمایا: دوسرے ناظم آپ (مولانا حسین احمد)۔ مولانا حسین احمد صاحب جامعہ عثمانیہ پشاور کے ناظم تعلیمات اور انتہائی منظّم اور احسن طریقہ سے اپنا شعبہ چلا رہے ہیں، جس کی وجہ سے جامعہ بہت جلد ملک کے بڑے بڑے مدارس کی صف میں شامل ہوگیا ہے۔ سعدی اور غالب کی ثنائے مصطفیٰ ﷺ اسی مجلس میں فرمایا: لوگ تو شیخ سعدی کے کلام بلغ العلیٰ بکمالہ　کشف الدجیٰ بجمالہ کو حضور ﷺ کی تعریف میں کمال سمجھتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ غالب نے اس بارے میں کمال کر دیا:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم　　　کہ او ذات پاک مرتبہ دان محمد است

فانی صاحب فرمانے لگے کہ ایک طالب علم نے کہا کہ غالب تو شیعہ تھا۔ میں نے کہا اس کے ساتھ ہمارا کیا کام ہے، ہم تو امرأ القیس کی طرح کافر شاعر کے بھی اشعار پڑھتے اور پڑھاتے ہیں بلکہ قرآن وحدیث کے الفاظ کے صحیح معانی اور مفہوم کو متعین کرنے کے لیے جاہلیت کے شعراء کا کلام بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔

بندے کے خیال میں ہر کوئی حضور ﷺ کی تعریف کرسکتا ہے۔ بڑے بڑے کفار کے حضور ﷺ کے بارے میں تعریفی کلمات موجود ہیں "والفضل ماشھد ت بہ الاعداء" اگر غالب نے حضور ﷺ کی تعریف میں

کمال کردیا تو کیا ہم اس کوٹھکرا دیں؟ مجھے (ڈاکٹر حسن) خود جناب احمد رضا خان بریلوی کا ایک شعر بہت پسند ہے' آپ نے بھی حضور ﷺ کی تعریف میں کمال کردیا ہے۔لکھتے ہیں ؎

تجھے یک نے یک بنایا   تیرے پائے کا نہ پایا

''بعد از خدا بزرگ تو قصہ مختصر'' میں بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے۔

والدہ کا ڈاکٹر پر عتاب:

(4)......فرمایا: ایم ایم اے کی حکومت میں والدہ صاحبہ بیمار ہوگئیں۔حکومت کی طرف سے دل کی بیماری اور Pumping کوکنٹرول کرنے کیلئے Pacemaker لگایا۔ایک مشہور معالج اور ماہر قلب کے منہ سے یہ بات نکلی کہ یہ آلہ کسی نوجوان کولگانا چاہیے تھا،فانی صاحب کی والدہ نے ڈاکٹر کی زبان سے جب یہ جملہ سنا تو ڈاکٹر سے کہا،بیٹا ذرا ادھر آؤ اور بات سنو۔ڈاکٹر قریب آئے تو ان سے کہنے لگیں''اللہ تعالیٰ نے آپ کوصلاحیت دی ہے، آپ ماہر فن ہیں ،سنو! بری ضرب اور مار آدمی بھول جاتا ہے لیکن بری بات آدمی نہیں بھولتا اور ڈاکٹر سے مزید کہا میں یہ تو نہیں کہتی کہ میری بیماری تیری بیوی اور تیرے بچوں کو لگ جائے۔البتہ یہ کہتی ہوں کہ اللہ کرے میری بیماری تجھے لگ جائے۔پھر میں آپ سے پوچھوں گی کہ اب بتاؤ! یہ آلہ کس کو لگنا چاہیے۔''یہ باتیں سنتے ہی ڈاکٹر کے اوسان خطا ہوگئے،کپکپی طاری ہوگئی۔ہاتھ کانپنے لگے اور آپریشن تھیٹر چھوڑ کر نکل گئے،پھر ایک دن اپنے پرائیویٹ کلینک بھی نہیں گئے اور بعد میں خوب معافی مانگی کہ مجھے معاف کردیں،مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

میرا عقیدہ ایمان:

(5)......فرمایا: میرا عقیدہ تو وہی ہے جو امام صاحبؒ نے فرمایا''إیماني کإیمان جبرئیل'' لیکن عبادت میں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔البتہ عشق رسول میرا سرمایہ ہے،ان شاء اللہ مغفرت کے لیے کافی ہے۔پھر فرمایا ؎

تیری معراج لوح وقلم تک ہے   میری معراج تیرے قدم تک ہے

فرمایا: میری تو آرزو تھی کہ اپنے بیٹے کی دستار فضیلت (دستار بندی) دیکھوں گا،اس کی شادی دیکھوں گا، لیکن شاید ایسا نہ ہوسکے۔چلو شیخ الہند سے ملاقات ہوگی،حضرت مدنیؒ سے ملاقات ہوگی،حضرت ابوالکلام آزاد سے ملاقات ہوگی،جامی کی زیارت نصیب ہوگی۔اپنے بیٹے محمود زکی سے فرمایا: میرے پاس امانتیں ہیں،کہیں امانتوں کو میراث نہ بنا دینا۔

دارالعلوم حقانیہ سے بے پناہ عشق:

(6)......جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کے بارے میں فرمایا: حقانیہ سے مجھے محبت ہے،میری مادر علمی ہے،میرا لڑکپن،

جوانی یہیں گزری ہے، گاؤں اور وطن نہیں جاتا، کوئی اس کی اینٹ کو کالا کہے تو اس کا نصیب کالا ہو۔اس کا در دیوار میرے لیے حرم کی حیثیت رکھتا ہے۔

فرمایا: ایک مرتبہ کراچی سے آیا تو پہلے حقانیہ کی مسجد کا دروازہ چوما، پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

مفتی نظام الدین شامزئی کا ذوق شاعری:

(7)......فرمایا: جناب حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ بھی بڑے باذوق انسان تھے، ان کے سامنے ایک دفعہ میں نے چند اشعار پڑھے تو وجد میں آکر تکیہ گود میں لے کر اور دونوں ہاتھ تکیہ پر دے مارے اور ایک دفعہ کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ کر فوجیوں کی طرح میری طرف سلوٹ کیا۔

علامہ افغانی اور قاری محمد طیبؒ کو موازنہ:

(8)......فرمایا: حضرت علامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جناب حضرت قاری عبداللہ صاحب بنوں نے حضرت العلامہ مولانا سمیع الحق صاحب سے پوچھا کہ علامہ افغانی بڑے عالم تھے یا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب۔مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا یہ فیصلہ تو وہی شخص کرسکتا ہے جو ان دونوں سے علم و فضل میں بڑا ہو۔ پھر مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حکیم الاسلام تھے اور علامہ افغانی صاحب فیلسوف الاسلام تھے۔

اسیر مالٹا کو اکوڑہ آمد کی دعوت:

(9)......فرمایا کہ ہم ایک دفعہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل صاحب کے ہاں گئے اور ان کو حقانیہ آنے کی دعوت دی۔اسیر مالٹا نے فرمایا کس لیے آئے ہو؟ تو مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا کہ لوگ حقانیہ میں آپ کی زیارت کریں گے؟ تو اسیر مالٹا نے فرمایا: کیا میں سینما ہوں (حضرت کی عادت تھی کہ شہرت سے انتہائی گریز کرتے تھے) مولانا ان کے مزاج شناس تھے، حضرت اپنے بارہ میں بڑائی کی بات پسند نہیں کرتے ان کا شدید انکار اور مولانا کا اصرار جاری تھا، بالآخر مولانا سمیع الحق نے ان کی کمزوری کی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ حضرت! آپ اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے علماء و مشائخ آپ کی زیارت کے لئے یہاں آئیں آپ کو جانا پسند نہیں۔

اسیر مالٹا کو قاری طیبؒ کا استقبال:

(10)......فرمایا: حقانیہ میں جب حضرت قاری محمد طیب صاحب کو حضرت اسیر مالٹا کی تشریف آوری کا پتہ چلا تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ خود جا کر ان کی قدم بوسی کروں وہ یہاں کیوں آئیں؟ پھر جب اسیر مالٹا کی آمد کا وقت قریب آگیا تو حضرت قاری محمد طیب صاحب باوجود پیرانہ سالی اور بیماری کے حقانیہ کے گیٹ کی طرف استقبال کے

لیے کھڑے تھے ۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسیر مالٹا تشریف لائیں اور میں بیٹھا رہوں۔مسلسل کھڑے رہے کہ اسی اثناء میں اسیر مالٹاتشریف لائے ۔بڑا لٹھ ہاتھ میں تھا،قد کاٹھ بڑا تھا،آتے ہی حضرت قاری صاحب کے ساتھ بغل گیر ہوگئے اورقاری صاحب سے فرمایا ارے! آپ تو بوڑھے ہیں۔میں نے تو آپ تو میری گود میں پلے بڑھے ہیں۔

چھوٹی جنت پر کیا کروگے:

(11)......فرمایا:ایک صاحب نے جنت میں چھوٹی سی جگہ مانگی۔ میں نے کہا بڑی جنت مانگو،ایسی جنت پر کیا کروگے جس میں پاؤں بھی نہ پھیلاسکو۔مزاحاً فرمایا اس سے تو دوزخ اچھی ہے۔

مولانا غورغشتوی کے جنازے میں شرکت:

(12)......فرمایا: شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی کے جنازے میں میں نے شرکت کی ہے میں اس وقت اسکول کا طالب علم تھا۔آنے جانے کا میرا کل خرچہ جو ہوا تھا وہ آٹھ آنے تھا۔

مفتی فریدؒ کے فتوے کی جامعہ ازہر سے تائید:

(13)......فرمایا: شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ (شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ) مجدد تھے۔بہت بڑے فقیہ تھے۔ان سے کسی نے ایک مسئلہ میں اختلاف کیا پھر مخالفین نے وہ مسئلہ جامعہ ازہر بھیجا،تو جامعہ ازہر والوں نے آپ کے بتائے ہوئے مسئلہ کی تصدیق کی۔

علامہ افغانیؒ کی علمی شان:

(14)......فرمایا:حضرت علامہ افغانی سے میری ملاقات ہوئی ،بحرِ ذخار تھے۔حقانیہ میں ان الحکم الا اللہ پر تین گھنٹے تقریر کی۔انکے کان بڑے بڑے تھے۔ماہرین کا کہنا ہے یہ بڑے اور عالی دماغ ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

(بندے نے کفن میں علامہ افغانیؒ کی زیارت کی تھی۔سرخ چہرہ تھا،اس وقت میں نے یہ بات نوٹ کی تھی کہ کان بڑے بڑے تھے۔نماز جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ نے پڑھائی۔میں نے حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کو سہارا دیے ہوئے تھا۔اس لیے بہت قریب سے حضرت العلامہ افغانیؒ کی بابرکت اور مقدس لاش کی زیارت کی۔ذاکرحسن)

مریضوں کے لئے شفایابی کی دعا:

(15)......کڈنی سنٹر کے ڈائریکٹر سرجن ڈاکٹر عطاء الرحمٰن ICU میں تشریف لائے،چند علماء موجود تھے،بڑے ادب کے ساتھ سب حضرات کے ساتھ علیک سلیک کیا،اپنا تعارف کیا۔بندہ نے نام سنا تھا دیکھا نہیں تھا۔جناب فانی

صاحب سے کہنے لگے کہ ہمارے ہسپتال کے لیے کامیابی اور ترقی کی دعا کریں۔فانی صاحب نے فرمایا یہ دعا تو میں نہیں کرسکتا کہ مریض زیادہ ہوں،البتہ یہ دعا کروں گا کہ اللہ کرے کہ آپ کے ہسپتال کے مریض شفایاب ہوں۔

ہم غریب لیکن کچکول سونے کا:

(16)......فرمایا:ہمارے گاؤں کی ایک عورت بھکاری بن کر ہمارے گھر آئی،حالانکہ غریب نہیں تھی۔فرمایا:والدہ صاحبہ نے کہا کہ یہ ناشکری ہے،جس کے پاس مال ہو اور کہے کہ نہیں ہے،تو فرشتے کہتے ہیں اللہ کرے ایسا ہی ہو پھر والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہم ہیں تو غریب،لیکن کچکول ہمارا سونے کا ہے۔

مولانا نافع گل جامعہ بنوری ٹاؤن کے بانی:

(17)......فرمایا:حضرت مولانا نافع گلؒ برادر حضرت مولانا عزیز گل صاحب جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بانیین میں سے ہیں۔

مفتی فریدؒ کے بھائی ابوالوفا کا تذکرہ:

(18)......فرمایا:مولانا محمد زاہد ابوالوفاء افغانی جو مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی تھے،بہت بڑے عالم تھے۔فانی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ بڑی محبت کرتے تھے۔ایک دن دل لگی کے طور پر کہا کہ دنیا میں صرف تین عالم ہیں۔ایک میں (ابوالوفاء افغانی) دوسرے حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی اور تیسرے میرے والد ماجد (حضرت العلامہ مولانا حبیب اللہ زروبوی)۔فانی صاحب فرماتے ہیں میں نے مزاحاً کہا کہ اصل میں صرف آپ ہی عالم ہیں،دوسرے کو اس لیے مانتے ہیں کہ آپ کے استاذ ہیں اور تیسرے آپ کے والد ماجد تو ابوالوفاء افغانی ہنس پڑے۔

مولانا عبدالرحمٰن صدیقی کا تذکرہ:

(19)......بندہ نے فانی صاحب سے کہا کہ جناب مولانا عبدالرحمٰن صدیقی صاحب (نوشہرہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ) بھی کڈنی سنٹر میں ایڈمٹ ہیں۔فرمایا:انہوں نے جمعیت کی بڑی خدمت کی ہے۔ ہر دینی تحریک میں حصہ لیا ہے اور ختم نبوت کا لٹریچر تقسیم کرتے تھے۔

ہم چھوٹے لیکن نسبت بڑی ہے:

(20)......فرمایا:کڈنی سنٹر میں میرا داخلہ آسمانی نقارہ ہے۔ Face Book پر میرا نام آگیا،بیماری کا پوری دنیا کو پتہ چل گیا۔فرمایا:امریکہ،برطانیہ،جرمن،فرانس،اسپین،سویڈن،بلجیم،مکہ مکرمہ،مدینہ منورہ،مصر،ایران، افغانستان،ہندوستان،جاپان اور بنگلہ دیش وغیرہ سے تیمارداری کے فون آئے ہیں۔اندورن ملک فون تو لاتعداد

ہیں ۔میں کمزور اور غریب بندہ ہوں ، نہ نواب ہوں ، نہ جاگیردار ہوں پھر اتنی بڑی شہرت کہاں سے آگئی ۔فرمایا: یہ علم کی برکت ہے اور علم کی نسبت ہے ،نسبت بڑی چیز ہے ۔فرمایا: میری نسبت بلند ہے اگر چہ چھوٹا ہوں آج ہر براعظم سے ہمدردی کا اظہار ہو رہا ہے ۔

فرمایا: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حقانیہ تشریف لائے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ العالی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا تو قاری محمد طیب صاحب نے فرمایا آپ نے میری تعریف کی۔ حالانکہ من آنم کہ من دانم ۔فرمایا: ہم چھوٹے ہیں لیکن نسبت بہت بڑی ہے:

گر چہ خوردیم لیک نسبت بزرگ ذرہ آفتاب

گھر کے کھانے کو ترجیح:

(21)......ایک دفعہ میں نے اپنے بیٹے حافظ قاری محمد سفیان کے ہاتھ عشاء کا کھانا بھیجا ۔جب کھانا پہنچا اس وقت آپ کھانا تناول فرمار ہے تھے۔جب دیکھا کہ ہمارے ہاں سے کھانا آیا ہے، تو جو کھانا کھا رہے تھے وہ چھوڑ دیا اور فرمایا میں یہ کھانا کھاؤں گا اس میں اخلاص ہے ۔چنانچہ ہمارے گھر کا کھانا کھایا۔جس کی وجہ سے ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

موت کے بعد اصل پہچان:

(22)......فرمایا: ہمارے چچا ملازم تھے ،ریٹائر ہوئے تو ڈاڑھی رکھ لی اور گاؤں کی مسجد میں امامت بھی شروع کر دی فرمایا: گاؤں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے استاد جی ہیں اور ہمارے والد محترم امام المتکلمین حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صدر مدرس جامعہ حقانیہ کے بارے میں بھی کہتے کہ یہ بھی ہمارے استاد جی ہیں۔گویا بظاہر گاؤں اور محلّہ کے عوام کو ان دونوں میں کوئی خاص فرق نظر نہ آتا تھا۔فرمایا: جب ہمارے والد محترم کا انتقال ہوا اور گاؤں اور محلّہ والوں نے ان کے عظیم الشان جنازہ میں علماء اور صلحاء کی کثیر تعداد دیکھی، تو کہنے لگے ''اصل استاد جی تو یہ ہیں'' فرمایا: لوگوں نے میرے عظیم باپ کو پہچان لیا ،لیکن موت کے بعد۔

ٹوپی اسم ہے یا فعل:

(23)......فرمایا: شیخ الحدیث حضرت مولانا حمداللہ جان صاحب ڈاگئی نے مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت کے بعد تدریس شروع کی ۔اچھی اور اعلیٰ تدریس سے آپ کی شہرت ہوئی ۔تو ایک مولوی صاحب حضرت مولانا حمداللہ جان مدظلہ العالی کے پاس امتحان لینے کی غرض سے آئے ۔ان صاحب کی عادت ہی علماء کے ساتھ علمی چھیڑ چھاڑ تھی۔اپنے سر سے ٹوپی اتار کر حضرت مولانا حمداللہ جان ڈاگئی سے کہنے لگے ، یہ ٹوپی اسم ہے، فعل ہے یا حرف؟ تو حضرت مولانا حمداللہ جان صاحب نے اس سے فرمایا کہ ہر قسم کیلئے مقسم ہوتا ہے۔آپ اسکا مقسم بتائیں اور مقسم میں داخل کریں، میں پھر بتادوں گا کہ ٹوپی مقسم کی کون سی قسم ہے۔ٹوپی تو مسمی ہے ،نہ اسم ہے، نہ فعل اور نہ حرف ۔

چند دن قبل بندہ نے حضرت العلامہ مولانا حمداللہ جان ڈاگئی صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ ملاقات کی، تو اس مولوی صاحب کا نام اور واقعہ پوچھا۔حضرت مدظلہ نے واقعہ سنایا اور فرمایا اس کا نام مولوی گلاب تھا۔

یہ بس ہے بیٹھک نہیں:

(24)......فرمایا: ہمارے والد ماجد حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیم صدر مدرس جامعہ حقانیہ ایک دفعہ بس میں جارہے تھے جس میں گانے بج رہے تھے۔تو والد ماجد نے کنڈیکٹر سے کہا گانے بجانے بند کردو۔تو کنڈیکٹر نے کہا کہ مولوی صاحب یہ تمہاری مسجد نہیں اس پر والد ماجد نے فوراً جواب دیا کہ یہ (بس) آپ کی بیٹھک اور ڈرائینگ روم بھی نہیں۔

صدر صاحب کی حکیمانہ تربیت:

(25)......فرمایا: جامعہ حقانیہ کے کوارٹر میں والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے ایک صاحب تشریف لائے، تو میں نے اپنا تکیہ مہمان کے اکرام کے لیے پیش کیا۔تکیہ کے نیچے میرے زیرِ مطالعہ کہانیوں کی کوئی کتاب موجود تھی۔حضرت والد صاحب کی نظر اس کتاب پر پڑگئی لیکن اس وقت کچھ بھی نہ بولے، بعد میں مجھے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کی ایک جلد دی اور فرمایا اس کا مطالعہ کرو۔میں نے پوری جلد کا مطالعہ کیا جس کے بعد مواعظ کی دیگر جلدوں کے مطالعہ کا بھی چسکہ پڑگیا اور مطالعہ شروع کردیا۔فرمایا یہ میرے والد صاحب کی حکیمانہ حسن تربیت تھی۔

☆ ☆ ☆

چھین لی ہم سے زمانے نے متاعِ زندگی
بجھ چکا ہے اب چراغِ آس جل سکتا نہیں

(فانیؔ)

☆ ☆ ☆

ہم بڑھے جاتے تھے انجامِ سفر سے بے خبر
رُک کے جب منزل پہ دیکھا کوچہء صیاد تھا

(فانیؔ)

☆ ☆ ☆

جناب پروفیسر اظہار الحق *

ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی!

مارچ ۱۹۷۷ء میں میٹرک کے امتحان سے فراغت کے فوراً بعد حضرت والد مرحوم نے دینی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ شروع کرنے کے لئے اکوڑہ خٹک جانے کا مشورہ دیا۔ان کے مشورے کو حکم سمجھتے ہوئے دوسرے دن ان کے ساتھ چل کر ابتدائی کتب کی بسم اللہ ہوئی ۔اور یوں ۸ سال کے درس نظامی کی وادی میں پہلا قدم رکھا۔ رفتہ رفتہ طلبہ اور اساتذہ جامعہ اسلامیہ' جامعہ حقانیہ سے شناسائی بڑھتی گئی ۔طلبہ تو میرے ہم عمر اور اکثر میرے ہم سبق تھے۔اور دونوں جامعات کے اساتذہ کرام سے تعلق تو وضاحت کا محتاج نہیں۔مگر ایک ابراہیم فانی مرحوم تھے جو نہ تو میرے ہم سبق اور ہم عمر تھے اور نہ میرے اساتذہ کرام کی صف میں شامل تھے۔مگر فارغ اوقات کا زیادہ حصہ میں ان کے ساتھ گزار کر ان کی محفل سے محظوظ ہوتا تھا۔اور پھر یہ تعلق ان کے سفر آخرت تک جاری رہا مجھے وہ دن بھی اچھی طرح یاد ہے' جب فانی صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی تھی اور اب وہ دن بھی دیکھنا پڑا جب وہ سفر آخرت پہ جارہے تھے۔

پستہ قد' سرخ گندمی رنگ' چہرے پہ ایک دائمی مسکراہٹ' شعروادب کا دلدادہ' مہمان نواز' خاکسار' علم و ادب سے وابستگی' ذہین وفطین اور خود دار ادیب وعالم کے طور پر جانے پہچانے جاتے تھے۔میری ان کے ساتھ رفاقت کی دوتین خاص وجوہات تھیں۔ایک یہ کہ میرے والد مرحوم شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الٰہی ایک عرصے تک اکوڑہ خٹک کے دونوں جامعات (جامعہ اسلامیہ اور جامعہ حقانیہ) میں درس و تدریس کے منصب پر فائز رہے۔اور فانی صاحب کے والد مرحوم حضرت مولانا عبدالحلیم (صدرِ المدرسین) بھی دارالعلوم حقانیہ کے شیوخ میں نمایاں مقام رکھتے تھے ہم دونوں کا تعلق بھی ایک علاقے ضلع صوابی سے تھا۔ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس زمانے میں تقریباً پانچ سال (۱۹۷۷۔۱۹۸۲) تک مجھ پر غزل گوئی کا بت سوار رہتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۷۷ء میں جب میں نے پشتو کی پہلی غزل لکھی تو میں نے وہ غزل اپنے ایک قریبی رشتہ دار مولانا فضل حق ممتاز اور فانی صاحب کو اصلاح کے لئے دے دی تو دونوں نے خوب حوصلہ افزائی فرمائی ۔مولانا فضل حق ممتاز مرحوم

---

* گورنمنٹ ڈگری کالج چھوٹا لاہور' صوابی

واپس کراچی چلے گئے اور یوں میں بذریعہ خط ان سے اور بالمشافہ فانی صاحب سے شعروشاعری کے میدان میں مستفید ہوتا رہا۔

مولانا فضل حق ممتاز مرحوم (جو رشتہ میں میرے چچا لگتے تھے) خود بھی اعلیٰ پائے کے شاعر اور عالم تھے اور فانی صاحب کے ساتھ میری رفاقت کی ایک وجہ ان دونوں کی آپس کی گہری دوستی بھی تھی۔ ایک دن بذریعہ ڈاک مولانا فضل حق مرحوم کا میرے نام ارسال کردہ خط مجھے ملا۔ خط میں ایک شعر کے مصرع کو 'طرحہ' بنا کر کراچی کی کسی پشتو ادبی مجلس میں شعراء کو طبع آزمائی کیلئے پیش کیا گیا تھا۔ خط میں مولانا مرحوم نے مجھے اور فانی صاحب کو بھی طبع آزمائی کا مشورہ دیا تھا۔ مصرع یہ تھا ''سترگے مِی دہ یار دی کهٔ مزار کبنی ڈیوے بلے دی''

فانی صاحب نے تو دو ایک دن کے بعد مذکورہ طرح پر ایک اچھی غزل مجھے لکھ کر سنادی۔ میرے چچازاد بھائی مفتی رضاء الحق صاحب نے بھی اس کو غزل کی شکل دی۔ میں بھی خریداران یوسف میں شامل ہوا۔ مجھے ٹھیک طرح سے یاد نہیں کہ طرحہ کے مصرعے پر یہ دوسرا مصرع ہم تینوں میں کس نے لکھا تھا؟

''سترگے مه دہ یار دی کهٔ مزار کبنی ڈیوے بلے دی
نه یمه شاعر خو دہ یار سترگو کبنی غزلے دی

بہرحال دو تین اور میری غزلیں مکمل ہوئیں' تو اتفاقاً فانی صاحب سے ملاقات کے دوران انہوں نے حمزہ شنواری کی بیماری اور محمدی ہسپتال پشاور میں زیرعلاج ہونے کی بری خبر سنائی۔ ان کی بیمار پرسی کے لئے پشاور جانے کا پروگرام بنا اور یوں حمزہ شنواری مرحوم سے ملاقات کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ یہ شعراء بھی عجیب بادشاہ لوگ ہوتے ہیں' ان کی شاعری سے اپنی اولاد جیسی محبت ہوتی ہے۔ حمزہ صاحب کو دل کا عارضہ لاحق تھا۔ ہسپتال کے بستر پر تھے مگر اس وقت بھی انہوں نے فانی صاحب کی وجہ سے میری ایک غزل کو خوب سراہا۔

۵ سال تک شعروغزل کا شغف دیوانگی کی حد تک تھا۔ مگر بعد ازاں پتہ نہیں کیوں؟ شاعری کا وصف مفقود ہوگیا۔ تاہم فانی صاحب اور دیگر جہاں کہیں ملتے ان سے ضرور کچھ نہ کچھ سنتا اور یہ ذوق تاحال جوان ہے۔

۱۹۸۵ء میں دارالعلوم حقانیہ سے فراغت کے بعد میں نے صوبہ سرحد کے کالجز میں تدریس کا شعبہ اپنایا اور یوں فانی صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ کم تر ہوتا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں میرا تبادلہ لاہور کالج سے نوشہرہ کالج چار ماہ کے لئے ہوا۔ حضرت والد صاحب دارالعلوم حقانیہ میں دو کمروں پر مشتمل گھر میں رہائش پذیر تھے۔ میں نوشہرہ کالج سے دارالعلوم حقانیہ آجایا کرتا تھا اور یوں فارغ اوقات میں فانی صاحب سے ایک بار پھر ایک

با قاعدہ رابطہ قائم ہوگیا۔ اکثر ان کی بیٹھک میں اور خصوصاً بعد از نماز عصر تا مغرب دریائے کابل کی طرف واک کے دوران ان کی شاعری اور علمی وادبی باتوں کو سنتا رہتا۔

فانی صاحب بڑے بے تکلف انسان تھے' میں نے کبھی بھی یہ محسوس نہیں کیا کہ دارالعلوم حقانیہ کے کسی اعلیٰ پائے کے استاد سے مخاطب ہوں یا اپنے سے ۸ سال بڑی عمر کے کسی انسان سے' فانی صاحب بڑوں کے ساتھ بڑے اور چھوٹوں کے ساتھ ...... گویا اس حدیث کے مصداق تھے۔من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا' ان کی اعلیٰ ظرفی کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے کبھی بھی مجھے نام سے نہیں پکارا۔ ہمیشہ مجھے صاحب حق صاحب اور میں انہیں فانی جان کے الفاظ سے مخاطب کرتا تھا۔

جنوری ۱۹۹۳ء میں میرا تبادلہ واپس لاہور کالج ہوگیا۔ اور یوں پھر ہمارے رابطے کمزور ہوگئے۔تاہم یہ رابطہ کہ کبھی میں دارالعلوم حقانیہ اور کبھی فانی صاحب شاہ منصور تشریف لاتے تھے۔مرض موت تک بحال رہا۔ اللہ کی شان دیکھئے ۱۲/اپریل ۲۰۰۸ء میں مَیں اور مولانا ادریس چیئرمین امہ ویلفیئر ٹرسٹ کہیں جارہے تھے۔راستے میں مولانا نے فانی صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ حیرت ہوئی کہ مولانا ادریس اور فانی صاحب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔مگر بعد ازاں معلوم ہوا کہ مولانا ادریس کی ان سے ۱۹۸۵ء میں ایک ملاقات ہوچکی تھی۔مولانا نے بتایا کہ مفتی نظام الدین شامزئی مرحوم میرے استاد اور مخدوم تھے۔حضرت فانی صاحب کی شاعری سے اتنے متاثر تھے کہ اکثر سفر کے دوران وہ فانی صاحب کی شاعری سناتے اور ہم سنتے جاتے۔فانی صاحب کی شاعری کا ایک قابل ذکر حصہ ان کو ازبر تھا۔ یوں غائبانہ فانی صاحب کے نام اور کام سے تو میں واقف تھا۔۱۹۸۵ء کے دورہ حدیث کے وفاق کے امتحان کے لئے پہلی بار حضرت مفتی شامزئی مرحوم ممتحن کے طور پر دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے' مولانا ادریس کے بقول حضرت شامزئی صاحب مرحوم کے ساتھ مہمان خانے میں ۶ دن تک مستقل رہنے والا خادم میں ہی تھا۔اور یوں حضرت کی محفل میں فانی صاحب سے مولانا ادریس کی پہلی ملاقات ہوچکی تھی۔ پھر اس کے بعد حضرت فانی صاحب مرحوم کی امہ اور مولانا ادریس کے ساتھ آخری دم تک پکی یاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ مرض الوفات کا جب فانی صاحب پر حملہ ہوا تو مولانا ادریس اتفاقاً انگلینڈ سے اسی دن پاکستان تشریف لائے تھے۔ جب مولانا ادریس کو پتہ چلا کہ فانی صاحب بیمار اور گاڑی کے انتظار میں ہیں تو انہوں نے امہ ویلفیئر ٹرسٹ کی ایمبولینس بھیج کر پشاور لے گئے۔یوں یہ گویا تیسرا مرحلہ تھا جب مولانا ادریس کی وساطت سے فانی صاحب مرحوم سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔فانی صاحب مرحوم چونکہ نثر کے بھی اچھے لکھاری تھے' یوں میری درخواست پر امہ چلڈرن اکیڈمی

کے ماہنامہ ''پیامِ حق'' کے لئے ایک عرصے تک حرف آغاز لکھتے رہے۔

فانی صاحب کی آواز و انداز میں بلا کی تاثیر تھی' گفتار و کردار کے آدمی تھے' بولنے پہ آتے تو بڑے بڑے لوگ ہمہ تن گوش ہو جاتے' کشمیری حافظہ تھا' موقع اور محل کے مطابق عجیب وغریب واقعات اور عربی فارسی اشعار سناتے۔تحریر کے میدان میں قدم رکھتے تو قلم کا جادو چلتا اور اپنے ہاتھ سے ایسا خط لکھ جاتے کہ اسکے سامنے کمپیوٹر کا نستعلیق شرما جاتا۔ دارالعلوم حقانیہ کی اکثر اسناد حدیث کی خالی جگہوں میں فضلاء کے نام وغیرہ حضرت فانی صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ کرام' شیوخ عظام اور خصوصاً حضرت مولانا سمیع الحق صاحب' مولانا انوارالحق صاحب حضرت شیخ مغفور اللہ مدظلہ اور حضرت والد مرحوم کے ساتھ ان کا تعلق قابل رشک رہا۔ ہرکسی کو عزت وتکریم سے نوازتے اور خود بھی معزز ومکرم رہ کر دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔

میرا ذہن اس بات کے لئے تیار نہیں ہورہا کہ حضرت فانی صاحب مرحوم اب اس دنیا میں نہیں رہے' نہیں مانتا کہ فانی صاحب اب شعر نہیں سنائیں گے' کافیہ نہیں پڑھائیں گے' علمی لطائف کے جواہر نہیں بکھیریں گے' شاہ منصور ان کا آنا جانا نہیں رہے گا۔ دارالعلوم حقانیہ کے درودیوار اب فانی مرحوم سے خالی رہیں گے۔مگر کیا کروں؟ ہے تو یہ حقیقت کہ حضرت فانی صاحب اب دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ میں نے خود ان کے جنازے کی تیسری صف میں کھڑے ہوکر شرکت کی ہے مگر علامہ کا ایک شعر جو میں نے فانی صاحب سے پہلی بار سنا تھا' اپنی اور قارئین الحق کی تسلی اور اطمینان کا باعث سمجھتا ہوں۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبحِ دوام زندگی

ہمارا ایمان ہے کہ فانی صاحب انتقال کر گئے ہیں' ہم بھی انکے پیچھے جانے والے ہیں' وہاں ان شاء اللہ ہماری ان سے ملاقات رہے گی۔پھر نہ موت جیسا تلخ لفظ سننے میں آئے گا نہ فانی صاحب سے جدائی کا خدشہ واندیشہ رہے گا۔ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون اور اپنے دوستوں' طالب علموں' فانی صاحب کے رشتہ داروں 'برخورداروں' دارالعلوم حقانیہ کے شیوخ اور شاعروں' ادیبوں کو یہ خوشخبری سنا کر اپنی بات ختم کردوں کہ حضرت فانی صاحب سے دائمی ملاقات کے لئے ایک ماہ کا عرصہ کم ہوگیا۔اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اوران کے پسماندگان اور ہم سب کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمادے۔آمین یارب العالمین

☆ ☆ ☆

مولانا حافظ ابن امین*

اپنے ذہین شاگرد حافظ ابراہیم فانیؔ کے نام چند کلمات

احقر حافظ ابن امین کی خوش نصیبی تھی کہ میٹرک امتحان پاس کرنے کے بعد 1962ء میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں درجہ کتب میں داخلہ لیا۔اور ناظم سلطان محمود مرحوم کی تجویز پر جناب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کی مسجد میں اقامت پذیر ہوا۔جہاں حافظ مظفر دین صاحب نماز عصر کے بعد طلباء کرام کو حفظ القرآن الکریم کا درس دیتے ہوئے پایا۔جس میں حالاً نائب مہتمم مولانا انوارالحق صاحب بھی شریک درس تھے۔

انتہائی منت سماجت کے بعد مجھے بھی حفظ القرآن کے شاگردوں میں شامل کیا۔اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے ایک سال چار ماہ میں کتب کے ساتھ حفظ القرآن کی سعادت نصیب ہوئی۔اور دارالعلوم حقانیہ کے دیگر اساتذہ کرام کی موجودگی میں شیخی وشیخ الحدیث حضرت مولانا صاحب کے سامنے آخری سورتیں پڑھنے کا شرف پایا۔اور ان کے مستجاب دعاؤں سے جھولی بھردی۔

1964ء میں دارالعلوم کے کمروں میں سکونت نصیب ہوئی۔تو نماز عصر کے بعد دارالعلوم کے چمن میں حفظ القرآن کے طلباء سے دور اور حفظ کے درس کا موقعہ ملا۔اس زمانے میں دارالعلوم حقانیہ میں حفظ القرآن کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔سوائے ایک طالبعلم قاری کے جوشوقین طلباء کو صرف سورۃ فاتحہ وناظرہ قرآن کی تصحیح کرواتے تھے۔

ایک دن عصر کے بعد حفظ القرآن کے درس میں مشغول تھا کہ جناب صدر صاحب مولانا عبدالحلیم مرحوم غصے کے ساتھ محمد ابراہیم کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے آئے میں بھی ڈرا کہ کیا ہوا ہے۔تو اس نے اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا کہ یہ نہیں سنتا،سکول کے بعد آوارہ وقت گزارتا ہے جس کسی کے پاس اس کو بٹھا لیتا ہوں وہ استاد اس کی قدر کرتا ہے کہ میرا بیٹا ہے۔کچھ نہیں کہتا ایک دو سال سے کبھی حفظ شروع کرلیتا ہے۔پھر چھوڑ کر بھلا دیتا ہے۔''خوب مارو لیکن حافظِ قرآن بنالو'' شاید محمد ابراہیم اس وقت آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔چھوٹو ں سے کھیلنے کا دلدادہ تھا۔میں نے چارو ناچار اس پر پابندی شروع کی۔کافی ذہین تھا لیکن حفظ القرآن کیلئے اس کو وقت دینا مشکل تھا چند دفعہ ناغہ

* مہتمم جامعہ امینیہ تخت نصرتی،کرک

یاسبق یادنہ کرنے پرمجبوراً مارا۔ جب میرے ساتھ سابق قدر نہ پائی بلکہ مار بھی ملی تو سبق کے یاد کرنے کیلئے اپنے آپ کومجبور پاکرتوجہ سے سبق شروع کر کے وقت بھی دینے لگا۔بفضل اللہ دوسال بعدصدر صاحب کے کواٹر میں وہ خوشگوارمجلس نصیب ہوئی کہ جس میں محمدابراہیم حافظ قرآن بن کراساتذہ کرام کے سامنے آخری سورتیں پڑھیں۔ صدر صاحب نے انتہائی خوشی میں اساتذہ کرام کی چائے ومٹھائی سے تواضع کی بندہ کوخوشگوارموڈ میں مبارکباد دے کر بے تحاشا دعاؤں سے نوازا اورساتھ حکم دیا کہ اب اس پرزیادہ خیال رکھوتا کہ حفظ القرآن کو پکا کرے اور بھلا نہ دے۔اب وہ میٹرک کا امتحان پاس کرچکا تھا۔

میٹرک کے بعد اس نے دارالعلوم میں ابتدائی کتابیں شروع کی۔اورقرآن کریم کادور کرتا رہا۔ایک دن میں نے دور میں کمزروی پاکر تنبیہ کردی۔ دوسرے دن اتفاقاً صدر صاحب کے کوارٹر میں گیا۔ اوراچانک اس کی کتابوں کودیکھا جس کے اوپر اشعار سے بھری کاپی لی۔ غصے میں اٹھاکر پھاڑ ڈالی کہ جب تک حفظ کو پکانہیں کرتے۔شعروشاعری سے آپ کوکوئی واسطہ نہیں۔ابراہیم دیکھ کر چپ ہوگئے۔اگرچہ اشعار کے ضائع ہونے پر کافی خفاء ہوئے،لیکن مجھے کچھ نہیں کہا۔

پھراچھے طریقے سے دورمکمل کیا۔اوربعض وقت اپنے طلباء درس کوتکرار کرتے ہوئے پایا۔اللہ تعالیٰ نے کافی ذہانت دی تھی،تمام اساتذہ کرام کی قدرکرتے تھے۔اور مجھے حفظ القرآن کی وجہ سے کافی عزت دیتے تھے۔

فراغت کے بعد دارالعلوم حقانیہ میں تدریس نصیب ہوئی۔اساتذہ کرام اوردارالعلوم حقانیہ کے برکات سے وافرحصہ پاکرکمال پر پہنچا،شاعرتوبچپن سے تھے۔ادیب بنے،مؤلف بنے،اورچندشروح لکھنے کی سعادت پائی۔ہرکتاب چھاپنے کے بعد مجھے بھیج دیتے۔ایک دن اس کی کتاب میں یہ شعر پائی اوربہت خوش ہوا۔

فانی وہ خرابہ ہے اسے دل نہیں کہتے   جس دل میں نہ ہوں تمنائے مدینہ

تو میں نے اس کوتمام مناسکِ حج کواشعار میں منتقل کرنے کا کہہ دیا تھالیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ شایداس کوموقع نہ ملا۔اورداعی اجل کولبیک کہہ کرداغ فراقت دے گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

زروبی میں جنازہ کے وقت کوجاپہنچادونوں بھائی اور بیٹے سے افسردگی کے ساتھ تعزیت کی اوردل ہی دل میں افسوس کے ساتھ رضاء بالقضاء پرتسلی کرتے ہوئے واپس آیا۔

☆ ☆ ☆

شب غم اور یہ تلقین خموشی
میں اتنا حوصلہ لاؤں کہاں سے
(فانیؔ)

مولانا عبدالقیوم حقانی

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؒ کے ساتھ طالبان کے افغانستان کا ایک یادگار سفر

(مئی ۱۹۹۷ء)

فانی صاحبؒ نے علماء وزعماء کے ساتھ طالبان کے افغانستان کا ایک تاریخی سفر کیا تھا ذیل کا مضمون اس کا ایک اقتباس ہے جو علمی ادبی حوالے سے بہت دلچسپ ہے۔۔۔۔۔۔(حافظ محمد قاسم حقانی)

ابھی حضرت گل حقانی سے مذاکرہ جاری تھا کہ اچانک جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل اور سابق مدرس مولانا شمس الرحمان حقانی اپنے اساتذہ کی آمد کا سن کر اپنے فوجی ہیڈکوارٹر غنی خیل اولسوالی سے طورخم گمرک پہنچ گئے۔ جہاں ہم لوگ بیٹھے تھے، ان کے آنے سے رونقِ محفل دوبالا ہوئی کہ اپنے بے تکلیف دوست بھی ہیں اور مخلص تلمیذ بھی۔ میں نے اپنے مہمان دوست مولانا ابو طاہر اسمٰعیل مدظلہ سے ان کا تعارف کراتے ہوئے عرض کیا کہ مولانا ایک جید فاضل، ایک لائق مدرس، ایک محقق عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اوّلین روز سے میدان جنگ کے نڈر سپاہی اور تحریک طالبان کے اوّلین کارکن بھی ہیں۔ اس وقت اس علاقہ کے اولسوال (حکمران) ہیں۔ تحریک طالبان کے دوران جامعہ حقانیہ میں تدریس کرتے رہے اور تحریک میں عملاً بھرپور شرکت بھی کرتے رہے۔ تو اس پر مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ نے برجستہ شعر پڑھا ......

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

تو محفل کشت زار زعفران بن گئی۔

مولانا ابو طاہر اسمٰعیل مدظلہ نے اسی پس منظر اور پیش نظر کے حوالے سے کچھ اشعار سنائے، تو طالبان کی کامیابی اور فتح مبین کا ذکر چل پڑا۔ مولانا محمد ابراہیم فانی نے اس موقع پر فتح مبین کے حوالے سے کلام سنایا جو جامعہ حقانیہ میں فتح کابل کے موقع پر ''فتح مبین'' کانفرنس کے حوالے سے لکھا گیا تھا جس کے چند اشعار نذرِ قارئین

ہیں ...... ؎

یہ فتح مبیں فتحِ کابل مبارک | بفضلِ مبیں فتحِ کابل مبارک
زباں ہے یوں مشغول حمد خداوند | بسجدہ جبیں فتحِ کابل مبارک
جہاد مقدس کی تکمیل ہوگی | مرے ہم نشین فتحِ کابل مبارک
خدا نے رکھی لاج نام عمر کی | امیر اَمیں فتحِ کابل مبارک
ذلیل اور خائب ہوئے سارے دشمن | کھلا بابِ دین فتح کابل مبارک
ہے فانی عاجز کا ادنیٰ سا تحفہ | بقلب حزیں فتح کابل مبارک

غنی خیل کے لئے روانگی:

طورخم پھاٹک کے طالبان کا اصرار تھا کہ ہمارا ان کے ہاں زیادہ سے زیادہ قیام ہو مگر مولانا شمس الرحمان حقانی اور ان کے رفقاء نے کہا کہ ہم نے غنی خیل اولسوالی میں پہلے سے استقبالیہ کا پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اور ظہرانے کا اہتمام بھی کیا ہے۔اس دوران وائرلس کے ذریعہ غنی خیل سے مہمانوں کے انتظار اور یہاں سے انہیں جلد رخصت کرنے کے تاکیدی پیغامات بھی مل رہے تھے۔ جب غنی خیل کے لئے روانگی ہوئی اور دفتر سے نکل کر گاڑیوں کی طرف آنے لگے تو جامعہ حقانیہ کے قدیم فاضل اور معروف استاذ فقہ وحدیث اخونزادہ نعیم الدین حقانی نے میرا ہاتھ پکڑ کر سامنے کی پہاڑیوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ شمشاد (غونڈ) پہاڑیاں کہلاتی ہیں ان تمام پہاڑوں میں طالبان پھیلے ہوئے اور مورچہ بند ہیں ان پہاڑوں پر چڑھنے کی مسافت میں چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔

تخیل کی بلند پروازیاں:

طالبان کے ساتھ معیت کے یہ لمحات رحمت ہی رحمت تھے۔ ادھر طویل مدت بسیار دعاؤں' اور شدید انتظار کے بعد باران رحمت کی بوندا باندی بھی شروع ہوگئی۔ طالبان نے اس کو ہم گنہگاروں کی آمد کے حوالے سے نیک فال خیال کیا۔فانی صاحب نے کہا ...... ؎

اب کے پھر برسات میں گنجِ شہیداں پر چلیں
آسماں روئے گا اور اپنی غزل گائیں گے ہم

ایک عظیم تاریخی یادگار دن:

اب چاروں طرف باران رحمت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ فضاء میں خشکی بھی تھی اور رحمت بھی اور نور بھی۔ ہم اپنے تخیلات کی دنیا میں مست تھے کبھی بدر واحد کا خیال آتا ،کبھی حنین وتبوک کا تصور،کبھی اصحاب خندق کی قربانی رلاتی کبھی قادسیہ ویرموک کی داستانیں سامنے آتیں ،کبھی شاملی اور تھانہ بھون کا منظر ہوتا ،کبھی

بالاکوٹ کے شہداء کی روحیں متصور ہوتیں، اسی ایمانی فضاء میں روحانی تصورات نے ولولہ تازہ دیا ایمان کو جلا ملی۔ مولانا ابو طاہر اسماعیل نے بے ساختہ کہا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ پاک نے اپنی زندگی میں ایک اسلامی اور خالص اسلامی حکومت دکھادی ہے میں کتنا خوش قسمت ہوں کہ ایک طویل ترین تاریخی تسلسل میں خالص اسلام نظام، حکومت کے انخلاء کے بعد مجھے اللہ نے ایک خالص اسلامی حکومت دکھادی ہے۔فانی صاحب جوش مسرت سے بے قرار ہوگئے اور بے اختیار پکار اُٹھے، سبحان اللہ......

اک شور ہے میں نے تجھے پہچان لیا ہے
ہر آنکھ مرا ذوق نظر مانگ رہی ہے

فضاءِ بدر:

مولانا فانی نے مولانا ابو طاہر اسماعیل کا یہ ارشاد سن کر بات مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہا: حضرت! خدا کی نصرتیں اب بھی شامل حال ہوسکتی ہیں، فضاءِ بدر چاہئے، فضاءِ بدر، اور فرمایا:

فضاء بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

عظمت ورفعت کے باوصف عجز وانکسار کا اظہار:

اب ہمارا قافلہ جلال آباد مگر اس سے قبل مولانا شمس الرحمان کی اولسوالی غنی خیل کے لئے رواں دواں ہوا۔تو طالبان نے اپنے روایتی انداز میں اپنے اساتذہ اور اضیاف کے اکرام میں کاروان ترتیب دیا۔ مسلح گارڈ زبردست سرکاری پروٹوکول کے باوصف بے تکلفی، وارفتگی، عقیدت اور خلوص ومحبت اور تواضع وانکسار کے جذبات سے معمور جذبہ شہادت اور جوش جہاد سے بھرپور کاروان سوئے منزل رواں دواں ہوا۔کان لگا کر سنا تو فانی صاحب گنگنا رہے تھے ......

آواز دے رہے ہیں تقاضے نئے نئے
اب گفتگوئے کاکل و رخسار کیا کریں

طالبان افغانیوں کے لئے امن وعدل اور نفاذِ شریعت کی ضمان ہیں:

میرا بارہا ان راستوں پر گزر رہا ہے۔مجددی ربانی اور مسعود کے دورنامسعود میں میدان شہر اور درہ نور کے علاقوں میں جانا ہوتا تھا۔اپنے مخلص رفیق حافظ محمد صفی اللہ معاویہ (حال مدینہ منورہ) بھی میرے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ چند چند کلومیٹر پر پھاٹکوں کے سلسلے، ٹیکسوں کا بے ہنگم نظام' لوٹ مار کا طومار' بچوں اور بچیوں کی چھینا چھپٹی، دن دہاڑے لوٹ مار' اسلام کے نام پر آنے والے حکمران مظلوموں سے خدا کا واسطہ سنتے تو غضب ناک ہوجاتے، بخشش کی درخواست یا مظلوم کی فریاد سنتے تو مطلوبہ ٹیکس دوہرا کردیتے، وہ لوگ جنہیں جنگ کا تجربہ تھا، جرنیلی اور

جہادی قیادت میں نامور تھے۔حکومت اور نظام حکومت کے سلسلہ میں بلند بانگ دعوے کرتے تھے خواہ وہ کمیونسٹ حکمران ہوں یا ربانی ،حکمتیار ،مسعود سیاف جیسے جہاں دیدہ اور تجربہ کار سیاست مدار' سب کا نام اب گالی بن چکا ہے ۔ان کے مقابلے میں عمر کے کچے ، ناتجربہ کار بچے ،سندات اور ڈگریاں کہاں؟ ابھی تو بے چارے طالبان ہیں مگر افغانستان کے مسلمانوں کے لئے دارالامان ہیں راحت' سکون' امن عدل اور نفاذ شریعت کی ضمان ہیں ۔میرا یہ تجزیہ سن کر فانی صاحب نے ایک شعر میں دلچسپ تبصرہ کردیا ،فرمانے لگے ...... ؎

کچھ نہ کچھ اہل جنوں ہر دور میں باقی رہے
اِک اگر لٹتا رہا اک کاروان بنتا رہا

ادب' حیا اور احترام اساتذہ کا ایک نمونہ:

کاروان سوئے منزل رواں تھا۔مولانا شمس الرحمٰن حقانی کے اصرار پر احقر کاتب الحروف برادرم مولانا محمد ابراہیم فانی اور ضیف مکرم مولانا ابو طاہر اسماعیل ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے ۔ ڈرائیونگ خود مولانا شمس الرحمٰن کررہے تھے۔ایک عظیم مدرس' ایک محقق عالم اور ایک پاکباز نوجوان' ایک بے لوث کمانڈر' ایک بے ریا مجاہد اور ایک کامیاب حکمران اب خود ڈرائیونگ کررہا تھا۔اسے اس بات پر مسرت تھی کہ وہ اپنے اساتذہ کو لئے جارہا ہے مگر اس وقت حیرت ہوئی جب ڈرائیور کی سیٹ پڑ بیٹھ کر مولانا شمس الرحمٰن نے اپنے امکان کی حد تک آخری وقت تک اپنی پشت ڈرائیور گیٹ کی طرف موڑے رکھی ۔میرے اصرار پر بھی وہ اپنی اس ادا کو ترک کرنے پر قادر نہ ہوسکے کہ فرنٹ سیٹ پر تو ہم نے مولانا ابو طاہر اسماعیل صاحب کو بٹھا دیا تھا۔پچھلی سیٹ پر میں اور مولانا فانی صاحب تھے ۔ہم دونوں سے مولانا شمس الرحمٰن کو تلمذ کی نسبت تھی ۔جس نے مختلف صبر آزما معرکوں میں دشمن کے بڑے بڑے تجربہ کار کمانڈروں کو مات دی تھی ۔اسلامی تعلیم ،محمدی اخلاق کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے اساتذہ کی طرف پشت تک کو گوارا نہ کرسکا۔راستے میں احترام ومحبت کے ملے جلے جذبات نے کبھی اس کی آواز کو اونچا نہ ہونے دیا۔مجھے برادرم فانی صاحب نے آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ علم ومعرفت کی بلندیوں اور عظمت تدریس کی رفعتوں کے باوصف فنائیت اور کسر نفسی کا یہ عالم ہے ۔مولانا شمس الرحمٰن حقانی خاموش طبع 'نرم خو' انتہائی سادہ' محبت اور ادب وتواضع کا پیکر ،فانی صاحب نے فرمایا: ...... ؎

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

غیرت اسلام کے پیکر:

مولانا ابوطاہر اسماعیل تو طالبان کی ہر ادا پر از خود رفتہ تھے ۔ہم خود اپنے تئیں حیران تھے کہ یا اللہ ! یہ

طالبان کیا مخلوق ہے؟ سخت جان' مضبوط ایمان' فقر ودرویشی میں بوذری شان ۔فانی صاحب نے کہا:شورش مرحوم سے معذرت کے ساتھ قدرے ترمیم کرتے ہوئے ...... ؎

بوذر و سلمان کے اوصاف کے مظہر ہیں یہ
اس صدی میں غیرت اسلام کے پیکر ہیں یہ

تذکرہ حافظ سعید الرحمٰن شہیدؒ کا:

مولانا فانی اور مولانا ابو طاہر اسماعیل اپنے اپنے شاعرانہ اور ادیبانہ ذوق کی بنا پر مناسب اشعار پڑھ پڑھ کر تبادلہ خیال کرتے اور مجھ جیسے بدذوق کے لئے سامان فرحت وانبساط اور اسباب از دیاد ایمان کے وسائل مہیا کررہے تھے ۔بعض فارسی اشعار سے مولانا شمس الرحمٰن حقانی بھی لطف اندوز ہوتے رہے کہ اچانک لنڈی خیر کا مقام آیا تو مولانا شمس الرحمٰن حقانی نے گاڑی روک کر بتایا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر حافظ سعید الرحمٰن حقانی،مولانا شیر عالم حقانی میرے ساتھ رات کو اسلحہ ڈپو پر ڈیوٹی دیتے ہوئے مین (بارودی سرنگ) پھٹنے سے شہید ہو گئے تھے ۔ فانی صاحب نے کہا: آہ، یہ کس کا ذکر چھیڑا کس کا تذکرہ ہوا ...... ؎

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بو سے میری زبان کے لئے

مولانا سعید الرحمٰن ایک مخلص ساتھی' میرے شب وروز کے ہمسفر' ہم پیالہ وہم نوالہ' خدمت ومحبت میں سب سے آگے، فانی صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کلیم عاجز کے یہ اشعار سنائے ...... ؎

دنیائے عشق وادی پر خار ہی سہی — اب تو جنوں کو برہنہ پا کر چکے ہیں ہم
ہاں شوق سے حوالۂ دارورسن کرو — اے دوست ! اب تو جرم وَفا کر چکے ہیں ہم
کس کس جگہ بیاضِ وطن سے مٹاؤ گے — ہَر ہَر ورق پہ مہر وَفا کر چکے ہیں ہم

(ماخوذ از صدائے شریعت مئی ۱۹۹۷ء)

☆ ☆ ☆

ترستی ہیں نگاہیں ان کو فانیؔ
پتہ ملتا نہیں اس جان فزا کا

(فانیؔ)

مولانا محمد فضل عظیم حقانی

آہ! میرے محبوب ومحبّ ساتھی
حافظ محمد ابراہیم فانیؒ

انسان کا دنیا میں مختلف زمینی حقائق سے واسطہ پڑتا ہے اور اُسے تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ بعض حقائق ایسی ہوتی ہیں جو روزمرہ کے مشاہدات میں ہو کر ان سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان حقائق میں سے ایک حقیقت موت کی بھی ہے ؎

میں آنکھیں بند کرتا ہوں کہ یہ منظر نہ دیکھ آؤں
وہ منظر آنکھ میں کُھب کر کہ خود کو خود دِکھاتا ہے

لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ اپنی ذات کے اعتبار سے کئی سارے کمالات وصِفات کے حامل ہوتے ہیں، جن کا وجود ''رحمت'' اور عدم ''زحمت'' اور عظیم نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے باکمال وبامراد افراد کی موت اور وفات کو عالَم کی موت گردانا ہے۔ ارشاد گرامی ہے: ''مَوتُ العالِمِ مَوتُ العالَم''

انہیں باکمال وباخِصال افراد میں سے ایک میرا محبوب ومحبّ ساتھی مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؒ تھے ؎

26 فروری 2014ء کو بدھ کی رات برخوردارم محمد برہان نعمانی (شریک دورۂ حدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) نے پشاور ہسپتال سے فون کیا کہ میں محترم فانی صاحب کے ساتھ ہوں، اور ڈاکٹروں کے مطابق ان کی زندگی ختم ہے۔ اگر تم ملاقات کے لئے آسکتے ہو تو کہ زندگی میں ملاقات ہوسکے۔ اس سے کچھ قبل مَن بندہ فضل عظیم عیادت کے لئے حاضر بھی ہوا تھا، اور پھر قریب ایام میں فون پر بھی پوچھ کر بات ہوئی تھی۔ اس موقع پر میں خود بھی ایک ہفتہ سے سخت صاحبِ فراش تھا لیکن اس پیغام کے ساتھ تمام رات سخت ڈراؤنی خوابیں دیکھتا، اور خطرے کا اِلارم محسوس کرتا رہا کہ صبح کو درس کے دوران ہی خبر آئی کہ فانی صاحب بہ قضائے الٰہی وفات پاگئے۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعون O اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَـہٗ مَااَعْطٰی وَ کلُّ شیءٍ عِنْدَ ہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّٰی'' میری آنکھوں کے سامنے اس شعر کا مصداق گھوم گیا کہ ؎

آسمان بیفتد وکوھسار بجنبد　　　آنگہ کہ کسے نعیِ تو آردو بگوید

کانوں کو یقین نہیں آیا تو ایک ساتھی نے موبائل میں مائک/ہینڈفری لگا کر میرے کانوں میں رکھا اور آخر مکرر، سہ کرر سننے سے چونک اٹھا کہ ؎

دل میں غم کے جو ہنگامے اور شور شرابے برپا ہوئے، وہ فانی صاحبؒ کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

آهونه مے د زړهٔ سوے لمبے را پارَوی
فریاد مے د بلبلو ترانے را پارَوی
نور نشة دے گوګل که مے طاقت یاره د غم
هر غم دِ دَ دردونو سلسلے را پارَوی

سوچا کہ یہ غم اکیلے برداشت کرنا مشکل ہے۔ چلو! یار کا آخری حق بھی ہے کہ اُس کے جنازہ کو پہنچ جاؤں۔ ایک شعر ہے ؎

عزرائله ! روح مے واخله خو د سترګو نظر نه
کیدے شي پس د مرګه م آشنا دیدن له راشي

اور جنازے میں میرے جیسے غمزدہ بہت ہونگے، تو غم کو شریک کریں گے ؎

رفیقو! ساتھیوں! آؤ سناؤ قصّۂ غم سب
کہاں رخصت کیا فانی کو؟ وہ روٹھے ہوتے تھے کب؟
وہ کونسا شکوہ گلہ تھا کہ وہ راضی نہ ہوتے تھے؟
چھپا کے چہرہ یاروں سے، ہوئے رخصت وہ بستہ لب
کیا وہ محمودؔ زکی کی نہ سنتا تھا کوئی منّت
نہ وہ عرفانؔ و برھانؔ کی کوئی فریاد سنتے اب
یہ حقّانیہ اُس کی مادرِ علمی بھی ہے تو کیوں؟
خفا ہوکر گیا اُس سے ہمیشہ کیلئے یارب
کرے گا مجھ سے کوئی بات یا ہوگا خفا مجھ سے؟
ہوں میں فضلِؔ عظیم حیران کیا آفت پڑی بے ڈھب

بہر حال! میں بیماری ہی میں فوراً مولانا فضل ربانی صاحب کے ساتھ روانہ ہوا۔

میری طبیعت راستے میں بہت بگڑ گئی ،لیکن میں نہ جان سے خبر نہ جہاں سے خبر، نہ خوردونوش سے واقف اور نہ آرام وہوش سے واقف، بس ایک ہائے زور میں تھا کہ ہم زروبئ کو جنازے کے لئے پہنچ جائے ،اور فانی

صاحبؒ کا آخری دیدار ایک جھلک دیکھے، کیونکہ ہم دِیر سے پہنچیں گے تو ضرور دَیر سے پہنچیں گے۔

چنانچہ بہ مشکل ہم تقریباً تین بجے جنازگاہ کو پہنچ کر ایک لحظہ کے لئے فانی کا چہرۂ انور دیکھا، لیکن اس بات پر دل بہت بھر آیا کہ یار نے دیکھتے ہی مجھ کو نوکِ زبان اور سادہ صوابی لہجہ میں حسبِ روایت آج یوں نہیں کہا کہ ''فضل عظیم! لہ خیر راغلے'' آج وہ بالکل خاموش تھا۔ اس خاموشی میں بہت اسرار پوشیدہ ہوتے، اور بہت سے ارمان اُن کے دل پر بار ہوتے، لیکن کسی کو کیا پتہ؟

میں چارپائی سے ذرا ہٹ گیا تو حضرت العلامہ مولانا فضل علی حقانی صاحب نے حکم دیا کہ آؤ! مائک پر چند باتیں کرو! اور خود میرے نام کا اعلان فرمایا کہ یہ دیر سے آپہنچا اور فانی صاحب کا خاص ساتھی ہے، یہ چند باتیں کریں گے، پھر جنازہ تیار ہے۔ میرے لئے یہ اگر ایک طرف صد افتخار تھا تو دوسری طرف سخت امتحان تھا کہ سانس ڈوب ڈوب کر تھکا ماندہ پہنچا تھا، اور غم بھی عجیب شے ہے کہ فانی کی یادوں سے میرے دل میں ایک آتش فشاں پھٹتا، دل اُبھر آتا اور آنکھیں پرنم ہوجاتیں۔ بس تعمیلِ حکم میں چند باتیں عرض کیں۔

میں نے کہا'' مجھے اللہ تعالیٰ نے صدر باباؒ کی برکت اور اساتذہ کی دعاؤں سے دیر کے کوہساروں سے اس جنازے کیلئے آپہنچایا۔ فانی صاحبؒ تو اول سے آخر تک ساتھی تھا، لیکن اُن کے اوصاف اتنے ہیں کہ اس مختصر وقت میں بیان کرنا مشکل ہے، وہ ایک نابغۂ روزگار شاعر، ایک خوب مصنف، بہترین صحافی اور دارالعلوم میں اپنے والد ماجد صدر باباؒ کے صحیح جانشین تھے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم حقانیہ کو آباد رکھ کر ترقی دیدے کہ انہوں نے فانی صاحبؒ کو اپنے والد ماجد کی جگہ مدرس رکھ کر فانی صاحب نے بھی اپنے والد کی صحیح جانشینی کا ثبوت دیا۔ ایسے بیٹے بہت کم ملتے ہیں جو بڑے باپ کے صحیح جانشین ثابت ہوں۔ فانی صاحب نے جانشینی کا حق اداء کیا۔ اللہ مرحوم کے درجات کو بلند فرماویں! آمین۔''

ان باتوں کے کچھ بعد فانی صاحب کے برخودار محمود زکی کو بزرگوں نے فانی صاحبؒ کی جانشینی کی دستاربندی کی، من بندہ بھی شریک رہا۔ پھر صاحبزادہ زکی نے نمدید اور گریہ گرفتہ حالت میں جنازہ میں شریک حضرات کا شکریہ اداء کیا۔ الفاظ کے تول اور انداز کی سنجیدگی پر حاضرین نے صاحبزادے پر آفرین کہا۔

فانی صاحب کی وصیت کے مطابق جنازہ مولانا فضل علی حقانی (امیر جے یو آئی ضلع صوابی، سابق وزیر تعلیم صوبہ خیبر پختونخواہ) نے پڑھایا۔ اس سے قبل فانی صاحب کی رحلت کے غم کو مختصر مگر پرمغز اور مؤثر انداز والفاظ میں بیان فرمایا۔ جنازے کے ہجوم سے ظاہر ہوتا تھا کہ اہالیانِ زروبی پر حضرت مفتی اعظم محمد فرید صاحب رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد یہ دوسری آسمانی بجلی گری ہے۔ زروبی کا سارا گاؤں چیخ وپکار میں ڈوبا تھا۔ چشم ہائے تر کے درمیان کچھ اور لوگ بھی نظر آرہے تھے، جو سراپا تعجب تھے اور حیران وششدر ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ حیرت

کے مارے اُن کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ شاید یہ بھی زروبی شریف(أقامها الله وأدمها بخيرٍو امنٍ الى يوم القيامة) کے لوگ تھے جو کہتے جارہے تھے کہ ''سبحان اللہ'' ہمیں کیا پتہ تھا کہ فانی فنا میں باقی ہے۔ہمیں تو فانی کی قیمت معلوم نہ تھی۔ ہم تو اسے اپنی ہی طرح کا ایک عام آدمی سمجھ رہے تھے۔ بالکل ہماری طرح کا ایک شخص۔ ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ فانی ،فانی نہیں ، بلکہ یہ ایک زندۂ جاوید ہستی ہے۔ہم کبھی بھی یہ نہ سمجھتے تھے کہ اس شخص کی موت کا یہ عالم ہوگا کہ جنازہ پر آنے والوں کا بحرِ بے کراں ، زروبی کے وسیع قبرستان میں (اس کے والد ماجد کے جنازہ کی طرح یا کچھ قریب) نہ سموسکے گا، اور کھیتوں میں جنازہ کرنا پڑے گا۔ آہ ! ہم نے بر وقت اس ہیرے کو پہچانا ہوتا،تو اچھا ہوتا۔

جنازے کے بعد بہت سارے ساتھی مجھ سے گلے ملے اور میری شرکت پر خوش بھی تھے اور سخت متعجب بھی۔

میں مرکزِ علم وعرفان دارالعلوم صدیقیہ کو آکر نمازِ ظہر اداء کرنے کے بعد حضرت مفتی اعظم صاحبؒ کے مزارِ پرُانوار پر حاضری دی۔ پھر خواجہ حسین احمد صاحب نے گاڑی میں لے جاکر فانی صاحبؒ کی آخری آرامگاہ اور جائے دفن کو آپہنچایا۔ حضرت خواجہ حافظ حسین احمد صاحب اور حضرت مولانا فضل علی حقانی صاحب تا آخر مہمانوں سے ملنے ،خیریت دریافت کرنے ،ضیافت کرنے اور رخصت کرنے کیلئے ایسے کمربستہ کھڑے تھے، جیسے یہ اُن کے گھر کا غم ہے۔

میں نے حضرت قبلہ صدر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دے کر دعا کی ، اور دل میں کہا، کہ اب عظیم بیٹے کی اپنے عظیم الشان باپ سے ملاقات ہوجائے گی۔ ؎ ''هم داسے خُوی دَ داسے غوندے پلارمزه کوی''

پھر میں فانی صاحب کو آخری الوداع کہنے بیٹھ گیا۔ بہت سارے علماء، طلباء اور عوام بھی متحیر بیٹھے تھے۔ علماء کرام باری باری اُٹھ کر فانی صاحبؒ کے فضائل اور اسکی رحلت سے پیداشدہ خلا پر بحث فرماتے تھے اور دعائیں کرتے تھے۔ فانی صاحب کے متعلقین ،تلامذہ ، علماء اور طلباء تھے کہ قبرستان سے واپسی کا نام نہیں لیتے تھے۔ ہر ایک فکر کے جھولے پر جھولتا اور حیران وپریشان اور خطا اوسان، جسد بے جان بیٹھا تھا کہ یا اللہ ''جل وعلے'' یہ کیا ہوا؟

اللہ تعالیٰ بھلا کرے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ''نور اللّٰہ تُربَتَہٗ '' کے خاندان، پسرانِ گرامی ، اوران کے پوتوں کا کہ ہسپتال میں امتیازی ،ترجیحی ، شاندار خدمت ، دارالعلوم کے اندر والہانہ انداز میں اور اشکبار وغمناک منظر میں اپنے فرزندارجمند کی طرح جنازہ ، باعزت رخصتی اور الوداعی جلوس میں کوئی کسر نہیں چھوڑا۔ خصوصاً حامد الحق، راشد الحق اور عرفان الحق صاحبان تو آخری وقت تک قبر کے پاس سے ٹلنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ آخری گل افشانی کے بعد بھی متأسفانہ اور گریان وپریشان بہ صورتِ مراقبہ قبر کے پاس تشریف فرماتے تھے۔ تلامذہ میں برھان نعمانی بھی غم میں کسی سے کم نہیں تھا۔ تسنیمِ قبر اور گل افشانی کے کچھ بعد آخر واپس ہوئے ؎

گنجینۂ زر کی جگہ عالم دفن کیا   یاں کوہِ علم وفن کو جو سالم دفن کیا

دیگر یہ ''داغہائے فراق''، ''نالۂ زار'' کا — ہم صاحبِ مَراثی وہ راقم دفن کیا
کیا پھر کبھی بولے گا؟ وہ طوطائے سُخن ور — ہم نے یہ کیا کیا؟ اسے دائم دفن کیا
اے قبر خدا جانے تیرا پیٹ بھی کیا ہے؟ — جو کتنے گنجہائے غنائم دفن کیا
اے فصلِ عظیم اسعدؔ! رونا ہے اب فضول — خود تم نے جو علوم کا خادمِ دفن کیا

میں نے راشد الحق صاحب، اور برہان نعمانی کو قبرِ یار کے پاس مراقبِ اور سرنگوں چھوڑ کر خواجہ حافظ حسین احمد (جو میرے انتظار میں کھڑے تھے) کے ساتھ روانہ ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنے دربار، خانقاہِ عالیہ، حجرۂ مبارکہ کو پہنچایا۔ نمازِ عصر کے بعد اجتماعی مراقبہ کیا، اور پھر میں نے رات اُسی حجرہ میں حضرت مفتی اعظم صاحبؒ کی یادوں کے ساتھ گزاری۔

صبح کو نماز، مراقبہ اور ناشتہ کے بعد کتابیں ساتھ لے کر گھر کو واپسی کا ارادہ کیا۔ برھان نعمانی کو فانیؔ صاحب کے بھائیوں اور برخورداروں کے ساتھ خدمت کے لئے چھوڑ کر خود روانہ ہوا، اور رات کو گھر آ پہنچا۔

محمد ابراہیم فانی صاحب کے ساتھ میرا تعارف دارالعلوم حقانیہ میں اس وقت ہوا، جب میں نے 1974ء میں مولانا عبدالغنی صاحبؒ (دیربابا) کی معرفت سے دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا اور صدرالمدرسین بابا کے درس توضیح تلویح میں شریک ہوا۔ ایک مشہور ساتھی کے ساتھ ایک ہفتہ تک قراءت پر سرد جنگ کے بعد جب مجھے بھی عبارت پڑھنے کی باری ملی، تو حضرت صدر صاحبؒ نے رفتہ رفتہ توجہ شروع فرمائی۔ حضرت کی توجہ کے ساتھ ابراہیم فانی نے بھی مل ملاپ شروع کیا، اور یہ مل ملاپ حضرت کی مزید توجہ اور محبت کی وجہ سے دوستی پر مترقی ہوکر ''انجمن تہذیب البیان'' کے مشوروں اور اجلاسوں نے یہ تعلق بہت مضبوط کیا۔ فانی صاحب کو تقریر و تحریر دونوں میں روزِ اول سے اللہ تعالیٰ نے ایک ملکہ دیا تھا' جس کی وجہ سے وہ انجمنوں، اجلاسوں اور مجالس و محافل کے روحِ رواں رہتے تھے۔

جب طلباء میں شمالی اور جنوبی اضلاع کی سیاست شروع ہوئی تو فانی صاحب ہمارے ساتھ بہت ہی گھل مل رہے۔ فانی صاحب ذاتی بصیرت، وفاداری اور صدر باباؒ کی وجہ سے دارالعلوم کے بارے میں بہت محتاط رہتے تھے۔ تاہم! طلباء کی ضروریات کے لئے بات میں عام طلباء کے پیچھے نہ رہ جاتے۔ انجمن تہذیب البیان کی جھلکیاں بھی فانی صاحب ہی لکھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی موضوعات بھی وہ خود حوالہ فرماتے۔ ایک دفعہ مجھے چار زبانوں میں یعنی عربی، فارسی، اردو، پشتو میں تقریر حوالہ کیا۔ میں نے اُسے کہا کہ یار! یہ بتاؤ! کہ انجمن کا وقت سب میرا ہوگا؟ کیونکہ اگر آدھ گھنٹہ تقریر بھی ہو تو چار زبانوں کے لئے کم از کم دو گھنٹہ وقت درکار ہے۔ فانی صاحب نے فرمایا یار! یہ تو ٹھیک کہا، اور پھر مجھے صرف عربی میں تقریر کرنے کو فرمایا، چنانچہ میں نے عربی میں تقریر کی، اور جب میں نے یہ الفاظ کہے '' ولما هاجتِ الفتنةُ المودودية'' الخ تو طلباء نے بہت زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگائے اور صبح کو طلباء فانیؔ صاحب کی جھلکیاں دیکھنے کیلئے بیتاب اعلان گاہ کی طرف دوڑنے لگے۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ برادرم فانی

صاحب نے تمام جھلکیاں میری ہی تقریر پر لکھ کر یہ فقرہ بھی بہت اجاگر کیا تھا کہ "ولما ھاجت...... الخ"

فانی صاحب کو شعر وشاعری سے لگاؤ اور محبت اتنی تھی کہ ایک دفعہ میں نے طلباء کے حق میں کچھ اشعار لکھ دیئے تو فانی صاحب نے فرمایا کہ یہ مجھے دیدو! میں اس کو اپنے خط پر جلی الفاظ میں لکھتا ہوں۔ میں نے کہا ''ٹھیک ہے'' چنانچہ انہوں نے خوش خط لکھ کر مولانا عزیز الدین ھریانہ بالا پشاور (اُس وقت طالب علم) کو دیا۔ اس نے نوٹس بورڈ پر چسپاں کر کے سب طلباء نے اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

فانی صاحبؒ خوب ذہین تھے، اور عام صاحبزادوں کی طرح سبق سے بے پروانہیں تھے، اگرچہ صاحبزادگی کا کچھ اثر اُن پر ضرور تھا۔

ایک دفعہ ''شرح عقائد'' کے سبق میں غیر حاضر تھے۔ طلباء نے اس دن کے سبق کی اہمیت اُنہیں بیان کی تو وہ بہت پریشان ہوکر کہنے لگے کہ مجھے تکرار کون کرائے گا؟ جب میں نے اُن کیساتھ تکرار کی تو انہوں نے طلباء کی طرف دیکھا، طلباء نے اُنہیں کہا کہ استاد سے بھی بہتر تمہارے ساتھ دہرایا، پھر کیوں پریشان ہوتے ہو؟ تب وہ خوش ہوگئے۔

فانی صاحب میں کسرِ نفسی بھی زیادہ تھی، تب تو اپنے کو فانی کہتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ فون پر مجھے اس واقعہ کا ذکر فرمایا کہ کیا تمہیں یاد ہے؟ جب تم نے مجھے شرح عقائد کا تکرار کرایا تھا۔

ہم چونکہ زیادہ تر سبق میں مسابقت کرتے تھے، اس لئے فانی صاحب کے ساتھ شعری محافل میں شرکت سے معذور رہتے تھے۔ پھر بھی صدر صاحبؒ کے حجرے میں جاکر فانی صاحب موقع پانے پر ہمیں محظوظ فرماتے تھے۔ بلا کا حافظہ تھا، بات بات پر اگر اپنا نہیں تو دوسرے شعراء کے اشعار سناتے تھے، جس کی وجہ سے ہم فانی صاحب پر بڑا رشک کرتے تھے۔ ہم سنتے کہ وہ دارالعلوم حقانیہ کے سکول میں داخل ہوکر اس وقت سے یعنی بچپن ہی سے باذوق اور سلیم الطبع، نرم نرم گفتگو اور گرم گرم جستجو والے تھے۔

دورۂ حدیث کے سال مجھے کہتے تھے کہ دارالعلوم کی آنکھیں تم پر مرکوز ہیں۔ کوشش کیجئے کہ وفاق کے امتحان میں فرسٹ آجاؤ۔ میں نے کہا ''بھائی! یہ عقبہ سر کرنا مجھ جیسے نالائقوں کا کام نہیں ہے''۔ نتیجہ کے بعد فانی صاحبؒ کی طرف سے مبارکباد کا خط مجھے ملا۔ اس سے قبل عنایت اللہ مرحوم ہری چند کا خط سب سے پہلے ملا تھا، اور پھر خطوط کا سلسلہ جاری ہوا۔ جب وفاق کے ناظم اعلیٰ مفتی انور شاہ صاحب کا خط ملا اور میں دارالعلوم حقانیہ (لازالت شمسوس ارتقائھا بازغةً) کو آیا تو ساتھیوں نے بتایا کہ آپ کے لئے سب مبارک بادیاں فانی ہی وصول کرتے تھے، کیونکہ انہوں نے طلباء کے ساتھ شرط رکھی تھی۔ اور پھر تمہارے ملک بھر میں پوزیشن پر فانی اتنے خوش تھے کہ ساتھیوں کیلئے پروگرام کرتے رہے اور اُن کے ساتھ خوش طبعی کر کے شرط جیتنے پر اُن سے پروگرام بھی کھاتے تھے۔ میرے دارالعلوم میں آنے پر بھائی کی طرح میرا زبردست استقبال کیا اور ایسا لگتا تھا جیسا کہ یہ پوزیشن فانی ہی نے

جیتی ہے۔خصوصاً جس دن ایک پروقار تقریب میں مولانا عبدالحق رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ نے مجھ کو اور رفیق محترم مفتی غلام الرحمٰن کو بدست خود انعامات عطا فرمائے ،تو اُس دن فانی صاحب خوشی کے مارے آپے سے باہر کپڑوں میں نہیں سما سکتے ۔''فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء،آمین'' ۔

فانؔی صاحب چونکہ جید ، باذوق شاعر اور بہترین مصنف تھے اور بندے کے ساتھ دلی لگاؤ تھا ، اس لئے تصنیف لکھنے اور نام رکھنے میں بھی مجھ سے مشورہ فرماتے تھے۔ضروری بات کے لئے پہلے دور میں خط تحریر کرکے بھیجتے اور فون کی سہولت کے بعد فون کرتے تھے۔

حیات صدرالمدرسین کے لئے بھی دوبار خط بھیجا تھا۔افادات حلیم کی طباعتِ ثانیہ کے لئے مقالہ کا مطالبہ بھی فرمایا تھا۔ میں نے اردو اور عربی مقالات لکھ کر بھیجے ،تو انہوں نے شامل اشاعت کئے ۔ پھر دومرتبہ حضرت کے اجازت نامے کا نقل بھی مانگا ،جس کو میں نے اُنہیں اطراف کی گل کاری کے ساتھ روانہ کیا۔ ''بیا دردونہ پہ خندادی'' کتاب کے نام پر ہم دونوں کے درمیان بہت لے دے ہوا۔اس پر تقریظ لکھنے کا بھی حکم دیا،تو میں نے کافی بسط وتفصیل سے تقریظ لکھی ،جس کو بھائی صاحب فانی نے محترم مولانا فضل علی حقانی صاحب کی مدلّل تقریظ کے بعدمِن وعَن شائع کی جو ان کی محبت کی دلیل تھی۔

میری ایک کتاب ''تشریحات غائرہ اردوشرح محیط الدائرہ'' چھپ کر فانی صاحب نے ایک مرتبہ فون پر تہہ دل سے مبارک باد دی،اور پھر شکوہ کیا کہ ساتھیوں میں میرا نام کیوں شامل نہیں کیا ہے؟

پھر ماہنامہ الحق میں اس پر اتنا خوب تبصرہ لکھا کہ خود مجھے بھی میری کتاب کی اہمیت کا احساس دلایا۔ مبارکبادی پیغام میں یہ بھی فرمایا کہ یہ کتاب ہمارے لئے متن الکافی میں بھی مدد دے گی ۔ میں نے اس اشارے کو حکم سمجھ کر متن الکافی پر بھی تقریباً چھ سوصفحات کی کافی طویل اردوشرح لکھی ،اور ساتھیوں میں سرفہرست فانی صاحب کا نامِ نامی اسم گرامی شامل کیا،لیکن اے کاش! کہ مالی مشکلات کی وجہ سے ان کی زندگی میں وہ شائع نہ ہوسکی ،ورنہ اُن کی شکایت دور ہوجاتی ۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ایک مرتبہ خط بھیجا کہ ''شاہین دتخیل'' پیش خدمت ارسال کررہاہوں،اسے قبول فرماویں،اورصدر صاحبؒ کے ملفوظات اورکوئی درس بھی مرتب فرماویں، میں اسے مستقل شائع کرنا چاہتاہوں ۔ میں نے اس وقت حکم کی تعمیل کی ،لیکن شاید بیماریوں نے فانی صاحب کو اس کا موقع نہیں دیا ۔ اللہ تعالیٰ ان کے بھائیوں ''محمد اسماعیل ،عبدالحفیظ وغیرہ ''اور برخورداران ''محمود زکی ،اسد زکی'' اور دیگر متعلقین کو توفیق دے کہ فانی صاحب کے تمام تشنہ تکمیل منصوبے مکمل کرے ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ محمد ابراہیم فانی کو اپنے جوارِرحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔صدر بابا رحمہ اللہ کے ساتھ جنت کے اعلیٰ درجات میں پہنچائے ۔سوگوار خاندان، اور سوگوار دارالعلوم حقانیہ ، اس کے بانیانِ عظام ، اساتذۂ کرام اور فانی صاحبؒ کے تمام تلامذہ اور متعلقین کو صبر جمیل اور اس غم کے عوض اجر جزیل عطا فرمائے۔

مولانا محمد رحیم حقانی*

مادر علمی سے علمی و ادبی چراغ کی جدائی

جس نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں صرف کی ہو، ادبی ذوق وشوق عام کیا ہو اور جس نے اندرون و بیرون ملک اکابرین کی وفات پر منظوم الوداعی مراثی کلمات سفینۂ تحریر کو سپرد کیے ہوں مجھ جیسا پسماندہ علاقے تالاش دیر سے تعلق رکھنے والے ایک گمنام شاگرد حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات و خدمات پر کیا لکھ سکتا ہے۔

تجھے بھلا دیں گے اپنے دل سے یہ فیصلہ تو کیا ہے لیکن
نہ دل کو معلوم ہے نہ ہم کو جیئں گے کیسے تجھے بھلا کے

کچھ لکھوں گا تو حق ادا نہیں ہوسکتا برصغیر کے سب سے بڑے علمی و دینی ادارے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا استاذ الحدیث ہونا ہی ان کی شان مرتبت کے لئے کافی ہے۔

میں ابتدائی درجوں کا طالب علم تھا نفحۃ العرب، مقامات اور پھر متنبی وحماسہ وغیرہ ادبی کتابوں میں عرب کے شاعروں کے آپس کے جھگڑوں، مقابلوں اور اسی طرح ان کے آپس میں طنزیہ نمکین اور عجیب وغریب جملے جب سننے اور پڑھنے کو ملے مثلاً فما انصف القوم ضبه الخ خبث اسی طرح فخرجۂ غرمول وغیرہ وغیرہ تو میں حیران و پریشان رہ گیا اور سوچ رہا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ میرے والا بزرگوار نے تو مجھے علم دین حاصل کرنے کے لئے برصغیر کی سب سے بڑے علمی و دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک بھیجا تھا۔

صراط مستقیم پر آنے کے لئے دارالعلوم کا رخ اختیار کروایا تھا یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ یہ کیسا نصاب ہے اور کیسے اساتذہ ہیں؟ اور یہ ہمیں کیا پڑھا رہے ہیں اور میرے سامنے ادب، احترام، تقویٰ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا کیا خاکہ بن رہا ہے اگر ادب ضد ہے بے ادبی کا تقویٰ ضد ہے خلاف تقویٰ کا اسی طرح اولیٰ اور غیر اولیٰ آپس میں ضدین ہیں تو کیا میں مدرسہ میں بے ادبی، خلاف تقویٰ اور غیر اولیٰ سیکھنے کے لئے آیا ہوں اس زمانے میں حضرت مولانا محمد ہاروت بابا نور اللہ مرقدہٗ ہمیں منطق کی کتاب ایساغوجی پڑھایا کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ تم میں اور عورتوں میں

* سابق سیکرٹری تعلیمی کمیشن، خیبر پختونخوا

کوئی فرق نہیں انکی بھی داڑھی نہیں ہے اورتم بھی داڑھی کے بغیر ہو،1977ء میں ہمارے کلاس میں ایک دوطلبہ کے علاوہ سب کی داڑھی نہیں تھی سن بلوغت کو پہنچے تھے مگر داڑھی کسی بھی کی نہیں آئی تھی فرمایا کرتے تھے کہ عورتیں گھر کے اندر ہوتی ہیں اورتم کھلے عام پھرتے ہو ستر وغیرہ کے قوانین کا تم پر اطلاق نہیں ہوتا مگر یادرکھو ہر زندہ سر کے لئے کسی نہ کسی جگہ پر شکاری موجود رہتا ہے۔

نظام فطرت کے اندر یہ سلسلہ قائم دائم ہے شکار بے چارے کوعلم نہیں ہوتا ان کا تعلق چرند سے ہو یا بری، بحری اور ہوائی مخلوق میں پائے جاتے ہوں مگر زیرک اور تیز ترین شکاری کے نرغے میں کسی نہ کسی وقت آسکتے ہیں اور تم جیسے انسانوں کا شکار اور پھر طالب علم کے لئے آنے والے طلبہ کا شکار تو اس سے بھی آسان ہے شیطان اس منظر نامے کو کیسے نظر انداز کرسکتا ہے کہ جس دن تم داخل ہورہے تھے اس دن فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور جس حصہ زمین پر تم قدم رکھ رہے تھے ازراہ احترام تمہارے لئے زمین پر اپنے پر بچھارہے تھے ایسا نہ ہو کہ طالب علم دین کے مبارک پاؤں کو تکلیف نہ پہنچے کوئی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے یادرکھو اس دن سے شیطانوں کے منظّم دستے تمہیں گمراہ کرنے کے لئے تمہارے ساتھ لگ گئے ہیں اور جو شکاری طبقہ طلبہ علم دین کو گمراہ کرنے کے لئے لگ گیا ہے تو تربیت یافتہ شیطانوں کے مشورے، رہنمائی اور حوصلہ افزائی ان کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔

ہاروت باباؒ اور دارالعلوم حقانیہ کے باقی تمام معلمین کرام فرمایا کرتے تھے کہ جن طلبہ نے دارالعلوم کے نظم وضبط کا خیال رکھا، اپنے اساتذہ کا کہا مانا اوران کی حکمتوں، نصیحتوں اور مشوروں کے مطابق عمل کی تو شیطان زندگی کے کسی بھی موڑ پر گمراہ نہیں کرسکتے ۱۹۷۹ء میں تیسرے درجے کا طالب علم تھا اوراب میں مولانا عبدالحق صاحبؒ کے گاؤں والی مسجد سے دارالعلوم کے ہاسٹل منتقل ہوا تھا۔

مجھے الحق کے پرانے دفتر کے نیچے پانی کی ٹینکی کے نیچے والا الگ کمرہ ایک سیٹر ملا یہ کمرہ قابل سکونت نہیں تھا چھتوں سے پانی گررہا تھا میں ڈسٹمبر کرکے چارپائی اور کارپٹ کا انتظام کیا اور یوں کمرہ سیٹ کردیا اس کو دیکھ کر اس زمانے کے بڑے بڑے صاحبزادوں اور امیر زادوں نے مجھ سے یہ کمرہ چھیننے کی کوشش کی مگر میں چونکہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے مریدین خاص میں سے تھا بلکہ تابعداروں اور فرمانبرداروں کی فہرست میں شامل تھا لہٰذا دلاوروں، نثاروں، حامدوں اور شامیوں کے ٹولے نے مجھ سے یہ کمرہ چھیننا چاہا لیکن مجھ سے نہ چھین سکا دوران قیام مسجد حضرت مولانا عبدالحقؒ میں حضرت کے ساتھ بیعت کرچکا تھا حضرت مولانا صاحب مجھے بچہ کہہ کر بلاتے تھے باقی سب کو نام سے پکارتے تھے مثلاً عبدالقیوم حقانی صاحب کو عبدالقیوم مولانا قاری عمر علی صاحب کو عمر علی وغیرہ نام سے پکارتے تھے مگر مجھے ہمیشہ بچے ایسا کرو بچے یہ کرو وہ کرو آرام کرو وغیرہ وغیرہ، معاصرین طلبہ یہ صورت حال دیکھ کر مجھ سے باتیں کرنا بند کردی تھیں بلکہ بلوچی طلبہ نے تو قیام دارالعلوم کے دوران مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے

دی تھی یہ کہ تم ''چمچہ گیری'' چھوڑ دو تو تمہیں کچھ نہ کہیں گے۔

اپنے چمچہ ہونے کی الزامات وغیرہ کی باتیں جب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے سامنے بیان کی تو آپ نے فرمایا بچے جب اساتذہ کی خدمت اور احترام میں، درسگاہ اور کتابوں کے آداب ملحوظ خاطر رکھنے، مطالعہ تکرار درس کے نتیجے میں جن طلبہ پر چمچہ ہونے الزام لگتا ہے تو یہی سب سے بڑی کامیابی ہوتی ہے چمچہ ہونا تو فرمانبرداری اور تابعداری کا سرٹیفیکیٹ ہوتا ہے حسد کرنے والوں سے برداشت نہیں ہوتا تو اعزازی کلمات کے بجائے ''چمچہ جیسے الفاظ سے اپنی پکارتے ہیں دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالبعلمی میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ نہایت احترام کے نتیجے میں میرے لئے بھی بعض طلبہ نے چمچے ہونے کے الفاظ استعمال کئے تھے۔

حضرت مولانا صاحب دورہ حدیث سے فراغت کے بعد مجھے دارالعلوم میں استاد رکھنا چاہتے تھے ایک ماہ تک امتحان کے بعد رکوائے رکھا تھا لیکن بحیثیت استاد میری تقرری کا اجازت نامہ مجھے نہ مل سکا پتہ نہیں کیوں؟

دورہ حدیث کے سال جنگ اور نوائے وقت میں دارالعلوم حقانیہ کے حوالے سے میرے کالم چلنا شروع ہوئے تھے کالم ہم حضرت شیخ الحدیثؒ کو سنایا کرتے تھے وہ خوش ہوتے تھے اور میرے لئے دعائیں فرماتے تھے۔

درحقیقت آج کے دور میں جب میں نفس امارہ اور نفس لوامہ کے درمیان رہتے ہوئے خوش وخرم زندگی گزارتا ہوں اور میں اھون البلیتین کے بہانے خلط ملط چیزوں کو احمد اچار کہہ کر کھانوں کے لطف کو چار چاند لگانے کے دلائل کا انبار لگاتا ہوں تو میں سوچتا ہوں کہ یہ سب کچھ ٹھیک ہے عرف عام کے مطابق ہے اشباہ و نظائر کے عین مطابق ہے۔

مگر اصل حقیقت تو یہ ہے کہ استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق دامت برکاتہم کی صحبت میں رہتے ہوئے اس زمانے میں میرا تقویٰ درجہ ابرار کے برابر شاید تھا۔

اب قارئین یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے طالب العلم جس کا درجہ شاید نفس لوامہ سے آگے درجہ ابرار کے قریب ہوان کیلئے حضرت فانیؒ کے درس میں شامل علم ادب کی کتابوں سے عجیب وغریب تصور لینا کیا ممکن نہ تھا۔

مجھے یاد ہے کہ پرانے الحق دفتر کے نیچے والا کمرہ قندھاری طالبان کا تھا جہاں مولانا عبدالرحیم اخوند، گل محمد آغا وغیرہ مقیم تھے۔

ایک دفعہ شب جمعہ تھی سارے طلبہ انجمنوں میں چلے گئے اور حضرت فانی صاحب مجھے قندہاریوں کے کمرے میں لے گئے کیا دیکھتا ہوں کہ طلبہ چاروں اطراف پر براجماں ہیں طلبہ کے سر چادروں میں ڈھانپے ہوئے ہیں درمیان میں ایک طالب جان ناچ رہا ہے ایک طالب العلم منہ سے ڈول باجوں کے عجیب وغریب سریلی آوازیں نکال رہا ہے فارسی میں کچھ اشعار سنائے جارہے ہیں اور کبھی کبھی اشعار کہہ کہہ رو بھی پڑتا ہے۔

میرا حال بے حال ہو رہا تھا ماتھے سے پسینہ بہنا شروع ہوا اور ایک حیران کن منظر کا سامنا شروع ہوا اے

پرودگار! ایک مدرسے کے اندر میں یہ کچھ دیکھ رہا ہوں اور وہ بھی ایک استاد صاحب کی معیت میں ۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد حضرت فانی صاحب کے گھر چلا گیا اور زور زور سے اس کے سامنے رویا کہ میں تو سکول سے یہاں دین سیکھنے اور تقویٰ حاصل کرنے کے لئے آیا تھا یہ نفحۃ العرب، نفحۃ الیمن، مقامات، حماسہ اور متنبیؔ کے اندر کیا بکواسات لکھے گئے ہیں یہ بھی بتایا کہ یہ امام شافعی، امام مالک وغیرہ کون ہوتے ہیں جو ہر مسئلہ میں ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں ۔

ان اماموں کو شرم نہیں آتی کہ ہر مسئلہ میں ہمارے امام صاحب کے ساتھ الجھے ہوئے نظر آتے ہیں آخر کب تک یہ سب کے سب ہمارے امام مظلوم کے پیچھے لگے رہیں گے اور قندہاریوں کے ناچ گانوں پہ تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کل یہ سارا ماجرا میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے علم میں لاؤں گا یہ مدرسہ دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے بہت محنت شاقہ کے بعد بنا ہے اسے قندہاریوں کے بکواسات سے خراب نہیں کرنے دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت فانی آغاؒ نے مجھے ائمہ کے آپس میں اختلاف، ادب کے اندر اس طرح طرح کے جملوں کے استعمال کی حکمتوں سے آگاہ کیا میری آنکھیں کھل گئیں لکھنے کے لئے ۱۰۰ صفحات کم ہیں جسطرح حضرت فانی صاحب نے سمجھایا۔

بحرحال قندہاریوں کے ناچ گانوں کے حوالے سے انہوں نے فرمایا کہ یہ ناچ گانوں کا پروگرام نہیں تھا یہ ان کا ایک تعزیتی پروگرام تھا نڈر جہادی طلبہ میں انہوں نے اپنا تعزیتی پروگرام یہی بنایا تھا یہ سب طلبہ خط اول جہاد افغانستان سے آئے تھے ان میں سے دارالعلوم حقانیہ میں شریک دورہ حدیث کے دو طلبہ نے روسیوں کے مقابل جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا ہے اور جو طالب علم گانا گا رہا تھا وہ گانا نہیں تھا شہید طلبہ کے بارے میں منظوم خراج عقیدت پیش کر رہا تھا اور جن طلبہ نے چہروں پر چادر رکھی ہوئی تھی وہ سب کے سب رو رہے تھے واللہ العظیم حضرت فانی آغاؒ نے ہمیں دین اسلام سیکھنے کا ذوق دیا دین اسلام پر عمل پیرا ہوئے اور اس کی حکمتوں پر چلنے کا طریقہ سکھایا۔

حضرت شیخ الہند محمود الحسن، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ، جوش ملیح آبادی، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، مولانا علی میاںؒ، شورش کاشمیری، کرنل محمد خان، مولانا کوثر نیازی، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور احمد فراز جیسے نابغہ علمی، ادبی تحریکی شخصیات کی نہ صرف خدمات وجد وجہد سے آشنا کی بلکہ ان حضرات کی کتابوں کے خریدنے اور پڑھنے کا طریقہ اور راستہ دکھایا اور سکھایا۔

اس کو ہی جینا کہتے ہیں تو یوں ہی جی لیں گے
اُف نہ کریں گے لب سی لیں گے آنسو پی لیں گے

دارالعلوم سے فراغت کے سال ۱۹۸۵ء میں بندہ نے اخبارات کیلئے کالم لکھنا شروع کئے ۱۹۸۱ء میں میرا پہلا کالم مرحوم حکیم رفیع الدین کی سفارش سے ترجمان اسلام میں شذرات کامل کے عنوان سے چھپ گیا تھا۔

حضرت فانی دارالعلوم کے اندر استاد تربیت، ادب و ذوق تھے تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، تخلیقی کاموں کی حوصلہ افزائی اور پھر اسے جلا بخشنے کے لئے مکمل تعاون استاد محترم کا طرہ امتیاز تھا وہ خصوصیات جو میرے استاد محترم میں موجود تھیں شاید بہت کم حضرات میں دیکھنے کو ملتی ہیں مدارس میں اس جیسے نابغہ لوگ اوپری جامعات میں ڈھونڈتا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

حضرت فانیؒ نے الحق جیسے مشہور زمانہ دینی و علمی مجلّے میں اپنے قارئین کے لئے ایک نیا فورم ایک نیا وجود تشکیل دیا تھا جس کا کوئی رسمی ڈھانچہ تو نہیں تھا مگر عقیدتمندوں کی پسند و ناپسند کی دنیا تو اور ہوتی ہے۔

۱۹۸۳ء میں دوران طالبعلمی استاد محترم حضرت مولانا عبدالحلیم زروبی کی یاد میں ایک پورا اخباری صفحہ روزنامہ وحدت کیلئے تحریر کیا تو فانی صاحبؒ نے شاباش دیتے ہوئے فرمایا تم نے اپنا حق ادا کیا اور فرمایا محمد رحیم حقانی صاحب جن کتابوں کے مطالعے کو تم خلاف ادب اور خلاف تقویٰ سمجھتے تھے یہ ان ادبی علوم کے مطالعے کا نتیجہ ہے کہ آج تم نے اخبار کا پورا حصہ ہی سفینہ تحریر کرڈالا۔

درحقیقت فانی صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے طلبہ کے ساتھ شفقت و محبت اور حسن تربیت ان کا طرہ امتیاز تھا وہ علماء شخصیات کے حوالے سے لکھتے تھے اور منظوم و منشور مراثی سے انہیں الوداع بھی کہتے اور لکھتے تھے وہ زہین ترین بابغہ انسان تھے مروجہ علوم اور معلومات کے حوالے سے لکھ بھی سکتے تھے مگر آپ اس حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کتابوں کی چوری اور کتابوں سے چوری کا طریقہ نہیں آتا میں جو کچھ ہوں سب کے سامنے ہوں میرا مشن رضائے الٰہی کی خاطر خدمت انسانیت ہے اور اس کے لئے رجال کا تیار کرنا ہے گوکہ حضرت فانیؒ ہم میں موجود نہیں مگر دینی اور عصری سماج کے اندر ان کا تربیت یافتہ ایک عظیم اثاثہ موجود ہے اور یہ صدقہ جاریہ تا روز محشر انشاء اللہ ان کی اخروی نجات کا ذریعہ اور وسیلہ رہے گا۔

☆ ☆ ☆

بدلیں گے انداز تیرے یہ کبھی سوچا نہ تھا
دل نے اے جانِ تمنا یہ ستم دیکھا نہ تھا

(فانیؔ)

مولانا اعزاز الحق نقشبندی*

حضرتِ فانیؒ کا فسانہ

جمع تھے جو چند فرزانے تو وہ بھی ساتھ تھا
سن رہے تھے میرے افسانے تو وہ بھی ساتھ تھا — فانیؔ

وہ ہمارے استاد محترم تھے، لیکن اتنے شفیق، نفیس اور متواضع کہ ان سے مل کر بیٹھ کر کبھی اس بات کا احساس تک نہیں ہوا کہ ہم کتنے عظیم انسان سے محوگفتگو ہیں۔ بندہ فقیر کو بچپن ہی سے شعر وشاعری سے لگاؤ ہے۔ والد مکرم کے ماموں زاد مولانا فضل حق ممتاز (فاضل غورغشی) ایک قادرالکلام شاعر اور اپنے دور کے اکثر شعراء کے استاد تھے۔ استاد مکرم سے ان کے دیرینہ تعلقات تھے۔ اس طرح برادرم اکبر حضرت مولانا مفتی رضا الحق مدظلہ جو شعر وسخن کے میدان میں ایک مانے ہوئے استاد ہیں، اور ان کا شعری مجموعہ ''قراردل'' اہل علم و ادب کے دل کا قرار ہے۔ آپ سے بھی استاد محترم کے دیرینہ مراسم تھے۔ ان ہر دو تعلقات کے علاوہ حضرت استاد کے علمی خانوادے سے تعلق کی بناء پر انکے ساتھ پہلے ہی سے خاندانی تعلق قائم تھا۔ حضرت فانیؒ، والد مکرم مولانا شمس الہادیؒ کے مایہ ناز شاگرد تھے۔ جس طرح حضرت فانیؒ حضرت شیخؒ سے نسبت تلمّذ پر فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ ویسے ہی حضرت شیخؒ بھی ان سے شفقت اور محبت رکھتے تھے۔ حضرات شیخینؒ کے علمی کارہائے نمایاں پر حال ہی میں ''تذکرہ حضرات شیخین'' کے نام سے شائع ہونے والی کتاب میں حضرت فانی کا نہ صرف ان کے بارے میں فکرانگیز مضمون شامل ہے، بلکہ شیخین کی وفات پر ان کے تحریر کردہ مرثیئے بھی کتاب کا حصہ ہے۔ یہ کتاب حضرت فانیؒ کی وفات سے دو تین ہفتے قبل منصۂ شہود پر آئی، لیکن ان کی بیماری کی شدت اور بندہ کی غفلت اور کاہلی کی وجہ سے وہ اس کتاب کو ملاحظہ نہ کر سکے واحسرتا! ہائے افسوس۔

بندہ فقیر 95-1994 دو سال مسلسل مادرِعلمی دارالعلوم حقانیہ میں فنون کا طالب علم رہا ہے۔ استادِ مکرم ہمیں نحو کی اہم اور مشہور ترین کتاب ''کافیہ'' پڑھایا کرتے تھے۔ ان کا طریقۂ تدریس ان کا انداز بیان، درس پر ان کی مضبوط گرفت، نحو کے متعلق عبارات و اصطلاحات اور سب سے بڑھ کر ان کی شیرین زبانی آج بھی ذہن پر نقش کالحجر ہے۔ نجی محافل میں بندہ سے شعر وشاعری اور اسلاف و اساتذہ کے متعلق گفتگو فرماتے۔ بندہ

* خانقاہ شاہ شمسیہ منصور، امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ضلع صوابی

جب ملاقات کیلئے حاضر ہوتا، تو اپنے مخصوص انداز میں "صاحب حق صاحب پخیر راغلے" سے خوش آمدید کہتے۔ گھربار اور خصوصاً حضرت والد صاحبؒ کے بارے میں ضرور دریافت کرتے۔ رخصتی کے وقت حضرت والدؒ سے دعاؤں کی درخواست کی امانت سپرد کرتے۔ وفات سے چند ماہ قبل جہانگیرہ میں ختم نبوت کا نفرنس تھی، جس میں آپ اور حضرت مولانا عزیز الرحمان ہزاروی مدظلہ مہمانان خصوصی تھے۔ بندہ فقیر کا بیان بعد از عصر تا مغرب تھا، آپ حضرات مغرب کے بعد جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت ہزاروی مدظلہ سے پہلے استاد مکرم کا بیان تھا۔ استاد مکرم حضرت فانیؒ نے اپنے بیان میں ختم نبوت تحریک کی تاریخ اور اکابرین کی قربانیوں پر ایسے بلیغ اور فصیح انداز میں مختصر وقت کے اندر اتنی مفصل روشنی ڈالی، جیسا کہ کوئی کسی واقعے کا آنکھوں دیکھا حال بیان کررہا ہو۔ اور ایسا محسوس ہورہا تھا کہ سامعین ذہنی طور پر آپ کے ساتھ چل دوڑ رہے ہیں۔ آپ کا بیان مختصر مگر جامع اور پرمغز تھا۔ حضرت الاستاد کا سٹیج پر جلوہ افروز ہونا اور پھر سامعین کو اپنے سحر انگیز بیان سے نوازنا اب بھی ذہن میں تازہ ہے۔ اور کیوں نہ ہو، کہ باکردار لوگ موت سے نہیں مرتے۔ ان کا کردار ان کی خدمات اور ان کے کارناموں ہمیشہ انہیں زندہ رکھتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

آپ کی کس کس ادا کو یاد کروں؟ بندہ فقیر تو کوئی لکھاری بھی نہیں ہے، اور پھر حضرت الاستاد جیسی ہمہ جہت اور گوناگوں صفات کی حامل شخصیت پر کچھ لکھنا بھی ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ آپ بیک وقت ایک عالم، مدرس، شاعر، ادیب، اکابر شناس اور ان گنت خوبیوں کے مالک تھے۔ اخلاق وعادات میں نمونۂ اسلاف تھے۔ تواضع، ملنساری، سادگی، بے تکلفی، مہمان نوازی اور قدردانی آپ کی شخصیت کے نمایاں پہلو تھے۔ دیہاتی ماحول سے پھلے پھولے تھے، لیکن شہری زندگی کے رموز سے بھی شناسا تھے۔ ریاء اور نمود سے کوسوں دور تھے، بلکہ اسکے خلاف جہاد کرتے "ازغی دتمنا" کے پشتو شعری مجموعہ کے سرورق پر یہ شعر یقیناً ان کی ریاء سے پاک زندگی کی ترجمانی کرتا ہے ؎ اے زاھدہ دریا تسبے دپریگدہ دیار ذکر زۂ دَ اوخلکوپہ تسبو کڑم

ترجمہ: اے زاہد! ریا کی تسبیح چھوڑ دو، کہ میں اپنے محبوب کا ذکر آنسوؤں کے قطروں سے کرتا ہوں۔

حضرت الاستاد حافظ قرآن بھی تھے، جب میں ان کی شاعری اپنی طفلانہ نظر سے دیکھتا ہوں تو حافظ شیرازی کی طرح عشق مجازی کے پردوں میں عشق حقیقی کا تار چھیڑتے ہیں، اس لئے تو اپنی کتاب "ازغی دتمنا" کا انتساب کچھ اس طرح کیا ہے "تڑون د مینے دسپسلی جذباتو اور روحانی احساساتو پہ نوم"

"انتساب! محبت کے پاکیزہ جذبات اور احساسات کے نام"

آپ کے والد مکرم حضرت مولانا عبدالحلیمؒ اپنے وقت کے جید عالم، محقق، متکلم العصر، ترجمان حدیث

اور مفسر قرآن تھے ۔دارالعلوم حقانیہ میں طویل عرصے تک مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ تھے ۔شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے شاگرد رشید تھے۔ علاقہ کے علماء میں میرے نانا رئیس الاتقیاء شیخ الحدیث مولانا عبدالرازق ؒ کے خصوصی شاگرد تھے ۔ دارالعلوم دیوبند میں اپنے محبوب استاد جامع العقول والمنقول ،حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ سے حد درجہ محبت اور عقیدت رکھتے اسی عقیدت اور محبت کی خاطر آپ نے اپنے بیٹے کا نام محمد ابراہیم رکھا ،جو آپ کی حسنِ تربیت کی بدولت آگے چل کر مولانا محمد ابراہیم فانی بن گئے ، اور اسی نام کی لاج رکھتے ہوئے آپ نے آخری سانس تک علومِ نبویؐ کی آبیاری کی ،اور گویا اسی طرح آپ کے والد مکرم کی خواہش کی تکمیل ہوئی ۔

آخری دنوں کی بات ہے کہ ''تذکرہ شیخین'' کے حوالے سے میں نے اکوڑہ خٹک آنے کی خواہش کا اظہار کیا اور ایک لفظ ''اخوین'' جو حضرت شیخین کے بارے میں ان کے محبوب استاد مولانا سمندر خانؒ ارشاد کرتے تھے اسی لفظ کے بارے میں کوئی جامع اور رادیبانہ معنی کی درخواست کی ،تو ملاقات کے دوران فرمایا کہ اس کے لفظ بارے میں '' جڑواں موتی '' بہت موزوں لگتا ہے۔ چنانچہ ہم نے کتاب میں ان ہی کی رائے کے مطابق یہی لفظ استعمال کیا ۔آپ نے کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہماری بھرپور رہنمائی فرمائی ۔ باوجود ضعف ،تکلیف اور بیماری کے ''الحق'' کے دفتر میں ہمارے انتظار میں تشریف فرما رہے تھے، اور دیر تک کتاب کے بارے میں ہماری رہنمائی فرماتے رہے ......اللہ اللہ......اب وہ محفلیں اور محبتیں کہاں سے لاؤں ۔

''وہ کوہ کن کی بات گئی کوہ کن کے ساتھ''

آپ کی وفات کا سن کر دیر تک یقین نہیں آرہا تھا۔ لیکن آخر ہمت کر کے بوجھل اور غمزدہ دل کے ساتھ آخری دیدار اور جنازہ کے لئے اکوڑہ خٹک کی راہ لی اور ان کے تاریخی جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کی ۔

استاد کا مقام بہت اونچا ہوتا ہے۔ حضرت استادؒ نے جس محبت سے ہمیں پڑھایا تھا، ہماری تربیت اور رہنمائی فرمائی تھی، اس کے ناطے ان کے ہمارے اوپر پہاڑ جیسے حقوق ہیں ۔خدا ہمارے ناتواں کاندھوں کو طاقت بخشے کہ ہم بعد از وفات ان کے حقِ استادی ادا کرنے کے اہل ہوسکے ۔ میں تمام اہل قلم حضرات اور علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ جس طرح حضرت استاد'' علماء وزعماء'' کی رحلت اور جدائی پر نظم اور نثر میں قلم اٹھاتے ،آج یہ ان کا حق بنتا ہے کہ ان کی حیات کے مختلف گوشوں اور دینی خدمات پر کچھ تحریر کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ حضرت استاد کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اور مضمون کا اختتام اس شعر کے ساتھ کرنا چاہوں گا ۔

بعد مرنے کے وہ بولے میرے رقیبوں سے   خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

جناب سلطان فریدی*

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

26 فروری 2014 کو صبح ساڑھے سات بجے میں سکول جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ محلے کی مسجد سے کسی صاحب نے اعلان کیا: مولانا محمد ابراہیم بھائی خیل وفات پا گئے ہیں۔ جنازے کا اعلان بعد میں کیا جائیگا۔
میں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھی۔ دل ہی دل میں فاتحہ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ فانی مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں بلند مقام پر فائز کرے ان کے اہلِ خانہ اور ہم سب غمزدہ گان کو صبرِ جمیل کی توفیق دے آمین۔
میرے گھر سے سکول تک کا فاصلہ دس منٹ کا ہے۔ اس دوران میں، میں فانی صاحب کے علمی وادبی وتدریسی مقام پر غور کرتا رہا، ان کی تحریر کردہ کتب گویا گلستانِ علم وادب کے رنگ برنگے پھول ہیں۔
یہ کتابیں کچھ تدریسی کچھ سوانحی اور کچھ شعروادب پر مشتمل ہیں۔ ان کو نظم ونثر پر یکساں قدرت حاصل تھی نالہ زار، اردو شاعری کا مرقع، حیات صدرالمدرسین اور حیات شیخ القرآن ان کے نثری نقوش ہیں۔ دیگر فارسی، پشتو اور عربی کا منظوم کلام اس کے علاوہ ہے۔ نالہ زار سے ان کے یہ دو اشعار بار بار دل پر دستک دینے لگے:

ہم کو دعوی خودستائی کا نہیں فانی مگر
ملتے ہیں دنیا میں ہم جیسے قلندر خال خال

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا
نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے راستہ بدلا

پہلے شعر میں فانی صاحب اپنی قلندری اور درویش صفت طبیعت کے دعویدار ہیں۔ ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہیں کیونکہ آج وہ نہایت سادہ اور تصنع سے خالی زندگی گزار کر رخصت ہو رہے ہیں۔
دوسرے شعر میں وہ حق سے وابستگی اور سیدھے راستے پر چلنے کا مدعی ہیں جس پر ان کی چالیس سالہ تدریس، تحریر وتقریر میں گزری عملی زندگی شاہد ہے۔ واقعی وہ اس قافلہ سے عمر بھر وابستہ رہے جو ہر لمحہ منزلِ حق وصداقت کی جانب گامزن ہے۔ یہی کچھ سوچتے سوچتے میں سکول کے بڑے گیٹ پر پہنچنے والا ہی تھا کہ میرا دھیان

---

* ادیب، شاعر، زروبی صوابی

ایک بار پھر انکی رحلت پر گیا۔ عین اسی لمحے میری نوکِ زبان پر یہ شعر موزوں ہو کر آ گیا۔

چھوڑ کر سب کچھ روانہ ہو گئے　　محترم فانی بقا کی راہ پر

میں نے سب سے پہلے کام یہ کیا کہ اس شعر کو نوٹس بورڈ پر چاک سے لکھ دیا ایک صاحب پیچھے سے دیکھ رہا تھا، اس نے نکتہ چینی کی:

سلطان صاحب! فنا کی راہ پر کیوں نہیں؟ بقا کی راہ پر کیوں؟ میں نے جواب دیا کہ کل تک فانی صاحب زندہ تھے اور آج زندہ جاوید ہو گئے۔ اب وہ اپنے علمی وادبی آثار کے ساتھ رہتی دنیا تک یاد کئے جائیں گے۔ کیونکہ آثار نہیں مرتے، یہ اپنے ساتھ اپنے تخلیق کاروں کو زندہ رکھتے ہیں۔ فانی صاحب کی علمی وادبی وتدریسی تخلیقات ان کی کتاب دل کی تفسیریں ہیں۔ پھر میں اپنے کام میں لگ گیا۔ چائے کا وقفہ ہوا تو دو اور صاحبوں نے اس شعر کو بغور پڑھا لیکن انھوں نے بھی وہی نکتہ اٹھالیا۔

مرنے والا فنا کے گھاٹ اترتا ہے یا بقا کے ....

میں پھر اپنے شعر کی تشریح کرنے لگا۔ اس مرتبہ میں نے اپنے مرشد لاہوری سے مدد لی۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی　　ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

میں نے کہا۔ دیکھو اقبال نے کیا خوب بات کی ہے۔

وہ شخص غافل ہے جو موت کو زندگی کا انجام سمجھتا ہے۔ موت تو موجودہ زندگی کی شام اور اخروی زندگی یعنی بقا کی صبح ہے رہی بات برزخی زندگی کی تو اس کی تشریح کے لیے میر تقی میر کا یہ شعر کافی ہے:

موت اِک ماندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

گیارہ بجے کے بعد ایک بار پھر مسجد سے یہ اعلان ہوا: مولانا محمد ابراہیم بھائی خیل وفات پا گئے ہیں۔ نمازِ جنازہ بعد از ظہر تین بجے گراونڈ میں ادا کی جائے گی۔ زروبی میں دو جنازگاہ پہلے سے موجود ہیں ایک گاوں کے مغربی قبرستان کے لیے دوسرا مشرقی قبرستان کے لیے مختص ہے لیکن اس خیال سے کہ جنازہ میں آنے والے معمول سے زیادہ ہوں گے۔ ممکن ہے کہ موجودہ مغربی جنازگاہ میں لوگ نہ سما سکیں تو فیصلہ کیا گیا کہ مشرقی قبرستان کے مغرب میں واقع گراونڈ جو اسی قبرستان کا وسیع رقبہ خالی پڑا ہے جس میں اکثر اوقات گاوں کے نوجوان کرکٹ کھیلتے نظر آتے ہیں، میں فانی صاحب کا جنازہ ادا کیا جائے۔ میں بارہ بجے سکول سے نکل آیا گھر واپسی پر میں ایک بار پھر فانی صاحب کی خوشگوار یادوں میں کھو گیا۔ ان کی دلکش شخصیت اور علمی وادبی قد وقامت پر سوچنے لگا اور ان کے تخلص کے ساتھ کبھی سابقے کبھی لاحقے لگانے لگا۔

حافظِ قرآن فانی صاحب شاعر وادیب فانی صاحب وہ بھی چار زبانوں پشتو، اردو، فارسی اور عربی کا شاعر'

سابق صدر المدرسین کا صاحبزادہ فانی صاحب' حقانیہ جیسے شہرہ آفاق جامعہ میں استادِ حدیث وتفسیر فانی صاحب اور صاحبِ قلم وکتاب فانی صاحب' وغیرہ وغیرہ کیا شان ہے فانی صاحب کی۔ فانی صاحب گئے ان کے اوصافِ حمیدہ باقی ہیں علاوہ ازیں ان کے ہزاروں شاگرد فارغ التحصیل شاگرد جب تک زندہ رہیں گے علومِ نبوت کا درس دیتے رہیں گے۔ فانی صاحب کا فیض بالواسطہ یا بلا واسطہ جاری رہے گا۔ اکبرالہ آبادی نے شاید فانی جیسے نابغہ ہستی کے لیے دعا کی تھی:

عطا کر قسمت تصنیف سعدی یارب !اس گل کو پھلے پھولے زمانے میں گلستان بوستان ہوکر

میں سکول سے گھر پہنچا۔ظہرانے سے فارغ ہوا تو نماز کی تیاری کی۔ نماز پڑھی تو پھر سوچنے کا وقفہ ملا کیونکہ تین بجے میں ابھی گھنٹہ ہوا' گھنٹہ باقی تھا۔

آہ فانی صاحب ! آپ خاموش ہوگئے آپ کی یہ لمبی خاموشی ہم پر شاق گزر رہی ہے۔آپ اپنے خالقِ حقیقی سے ملنے کو اتنے بیتاب ہے آپ مجھ پر سبقت لے گئے۔ باری میری تھی کیونکہ میری عمر آپ سے زیادہ ہے بزرگ آپ ہیں کیونکہ بزرگی بہ کمال نہ کہ بہ سال۔ آپ شاید اس کمالی بزرگی کے تقاضے سے مجبور تھے آپ ایسا نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔ابھی آپ نے بہت کچھ پڑھنا پڑھانا تھا لکھنا لکھانا تھا۔آپ کے تمام چاہنے والے آپ کے آئندہ مرتب ہونے والے آثار سے محروم ہوگئے۔

آپ کو جانے کی جلدی بھی تھی اور بہت کچھ تحریری مشکل میں چھوڑنے کی آرزو بھی تھی۔ یہ آرزو آخری دم تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑ سکی۔ بیماری کے باعث آپ نحیف ونزار تھے لیکن بہت کچھ لکھنے لکھانے کی یہ آرزو ابھی جوان تھی۔تبھی تو آپ نے اپنے بسترِ مرگ کے دائیں بائیں دو شاگردوں کو بٹھالیا تھا۔

آپ کہتے رہے وہ لکھتے رہے۔آپ لکھاتے رہے وہ بڑے تحمل سے آپ کیسے کو نقش کرتے رہے۔یوں کئی کاپیاں آپ کے لافانی نقوش سے مزین ہوگئیں۔ وقت کی کمی آڑے نہ آئی۔آپ نے زندگی کے آخری لمحات کو خالی خولی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ وقت پر آپ کی گرفت کتنی سخت رہی۔آپ وقت سے کام لینے میں کتنے ماہر تھے یہ بات آپ نے ہمیں جاتے جاتے بتادی۔ ماشا اللہ آپ نے شاید اکبرالہ آبادی کا یہ شعر کہیں پڑھ لیا تھا اور حرز جان بھی بنالیا تھا۔

کام کی بات جو کہنی ہو وہ کہہ لو اکبر دم میں چھن جائے گی یہ طاقتِ گویائی بھی

اڑھائی بج گئے۔ میں گھر سے نکلا گراونڈ کی جانب گامزن ہوا۔گلی سے نکل کر سڑک پر جو آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خلقت اُمڈی چلی آرہی ہے۔کوئی پیدل کوئی سائیکل،موٹر سائیکل پر،موٹر کاریں،فلائنگ کوچ ایک کے پیچھے دوسری اور دوسری کے پیچھے تیسری، قطار اندر قطار فانی صاحب کے عقیدت مند تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے

ہیں میں ایک بار پھر فانی صاحب کی مقناطیسی شخصیت پر غور کرنے لگا۔اس مرتبہ میری سوچ میرا سرمایہ ثابت ہورہے تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد نے کسی جگہ لکھا ہے۔دنیا کا خوش قسمت اور بلند مرتبہ انسان وہ ہے جو بیک وقت مدرس،مقرر اور محرر ہو، فانی صاحب بھی ان خوش قسمت اور بلند مرتبہ انسانوں میں سے ایک تھے۔

میں گراونڈ پہنچ گیا اس بار میں اکیلا نہیں تھا۔میرے آگے پیچھے ایک قافلہ رواں دواں تھا میں نے پہلی صف میں جگہ بنالی۔لوگ آرہے تھے ایک کے بعد ایک سب فانی صاحب کے عقیدت مند،ضلع صوابی کے مردان کے،سوات اور بونیر سے آنے والے معلوم ہوا کہ ضلع دیر کے آخری سرے سے فانی صاحب کا ایک دوست فضلِ عظیم صاحب بھی ہانپتے ہانپتے پہنچ گئے۔

میری سوچ کے جگنوغم کے اندھیرے میں پھر جگمگ کرنے لگے۔فانی صاحب دارِحشر کے دربار میں پیش ہوں گے تو اکیلے نہ ہوں گے۔ان کے ساتھ ان کے عالم وفاضل شاگردوں کا ایک ہجوم بھی ہوگا۔صدقہ جاریہ کے طور پر۔اور فانی صاحب کے اخلاص،محبت،درویش طبع،علمیت،تدریسی خدمت،للّٰہیت کے اطمینان بھرے لمحات بھی گواہوں کی صورت میں ان کیساتھ ہوں گے میں یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ جنازگاہ میں لگے لاوڈاسپیکر پر فانی صاحب کے چیدہ چیدہ ساتھی اساتذہ اور فاضل شاگرد باری باری آنے لگے۔فانی صاحب کی علمی وتدریسی خدمات کو بیان کرتے آنے والے عقیدت مندوں کا شکریہ بھی ادا کیا۔

اس دوران میں صفیں درست ہوتی رہیں انھوں نے بیانات کے بعد محمود زکی کی دستاربندی کی۔ان کے لیے دعا کی کہ اللہ محمود زکی کو فانی صاحب کا صحیح جانشین بنائے آمین۔

اس دنیائے سودوزیاں کے اکثر لوگ ذوق دہلوی کے اس شعر کے مصداق آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

لائی حیات ،آئے قضا لے چلی ،چلے   اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

فانی صاحب بے شک اپنی خوشی سے تو نہ آئے تھے لیکن رخصت ہونے میں ان کی فانی رضا شامل تھی۔وہ اپنے حصے کا کام خوشی خوشی نمٹا کر چلے گئے۔خوب تیاری کرکے گئے وہ سب کام بخوشی سرانجام دئے جو اللہ تعالی نے ان کے ذوق کے مطابق ان کے ذمے لگائے تھے۔ایک انگریز دانش ور کا قول ہے: کہ وہ انسان خوش نصیب ہے جسے منصب بھی اس کے ذوق کے مطابق ملے۔تدریس،تحریر اور تقریر جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں اللہ تعالی نے یہ سب اہم کام فانی صاحب کے لیے آسان بنادئے تھے۔تب تو ہم ان کی زندگی پر رشک کرتے رہے اور آج ان کے عقیدت مندوں کا ہجوم دیکھ کر ہمیں ان کی موت پر بھی رشک آیا:

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

مولانا ایاز احمد حقانی*

استاد محترم حضرت فانی صاحب کی جدائی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ہماری نشست و برخاست کیسے لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیے۔آپ ؐ نے فرمایا: من ذکرکم باالله رؤیتهٗ وزاداً فی علمکم منطقته وذکرکم بالاخرة عمله

وہ شخص جس کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔میرے استاذ مکرم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب بھی انہی قدسی صفات میں سے تھے۔

حضرت کے انتقال سے تحقیق وتصنیف، درس وتدریس، وعظ وتبلیغ کے میخانے ویران ہوگئے۔ یوں تو موت کا سلسلہ ہرلمحہ جاری وساری ہے، لیکن بعض شخصیات کے اُٹھ جانے سے سارا ماحول سوگوار نظر آتا ہے۔ بالخصوص جب کہ جانے والا گوناگوں اوصاف حمیدہ کا مالک ہوں ایسا وجود سراپا خیر اور فیض رسان تھا۔اس سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا جس قدر صدمے اورافسوس کا باعث ہوسکتا ہے۔اس کا بیان واظہار لفظوں میں کس طرح ہوسکتا ہے وہ ساری عمر فیض رسانی میں مصروف رہے۔ دنیا سے بے نیازی، قناعت، سادگی، خودداری وواستغنا انابت الی اللہ، مجاہدہ وریاضت، مہمان نوازی، خوش اخلاقی، انکساری وتواضع ان کی شخصیت کے نمایاں جوہر تھے۔ حق تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے اپنے علم وقلم سے جو پاکیزہ اور یادگار نقوش وآثار چھوڑ گئے ہیں، وہ رہتی دنیا تک حاملین علم کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

بندہ ۱۹۷۶ء میں جب مادر علمی جامعہ حقانیہ، زادہا اللہ شرفا،شرقاً میں داخل ہوا تو حضرت الاستاذ اس وقت طالبعلم تھے، بندہ حضرت اقدس سیدی ومرشدی قطب الاقطاب مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ کیساتھ خدمت میں رہنے لگا۔حضرت مفتی صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم صاحب عرف صدر صاحب کے کوارٹروں کے دیوار آپس میں ملحق تھے۔اور دونوں کواٹروں کے مہمان خانہ نے کے دروازے سڑک کے طرف تھے اس وجہ سے آپس میں ایک دوسرے

---

* مدیر سہ ماہی ''تجلیات فریدیہ''، مہتمم جامعہ اسلامیہ فریدیہ چارسدہ

کے حال احوال پوچھنے کے لئے آتے جاتے۔حضرت اقدس مفتی صاحب کے مہمان زیادہ ہوتے تھے'اس وجہ سے کھانے پینے کا سلسلہ ہروقت چلتا رہتا۔اکثر مفتی صاحب فرماتے تھے کہ آج صدر صاحب کو چاول' ترکاری وغیرہ دے دیں۔اس وجہ سے بندہ اکثر ان کی کوارٹر میں جاتا رہتا۔

دوسرے سال بندہ کے کتابوں میں نفحۃ العرب بھی شامل تھا' استاذ مکرم مولانا محمد ابراہیم صاحب پہلے سال مدرس ہوگئے اور ہمارے زیر درس کتاب مولانا صاحب کے حوالہ کی گئی۔اس سال حضرت الاستاذ میرے استاذ ہوگئے' اس وجہ سے علیک' سلیک اور آمدورفت اختیار کرنے لگا' ایک بار فرمانے لگے تم درسگاہ میں شاگرد ہو اور باہر دوست ہو' حضرت الاستاذ پیدائشی ادیب اور شاعر تھے' جب نفحۃ العرب ادب عربی کی کتاب جس میں عربی ادب کے اشعار قصص وغیرہ درج ہے۔

عربی اشعار کا ترجمہ وہ فارسی' اردو' پشتو اشعار میں عام فہم انداز سے فرماتے تھے۔بندہ نے اپنی روزنامچہ کاپی میں اکثر اشعار درج کئے لیکن وہ کاپی فی الحال دستیاب نہ ہوسکی۔

ایک بار فرمانے لگے کہ میں پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔انسپکٹر صاحب سکول کے معائنہ کے لئے آنے والے تھے،طلبہ ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے اپنے کلاس روم کی آرائش وزیبائش میں حصہ لے رہے تھے رنگ برنگے چارٹ اور اشعار خوبصورت اور خوشخط دیواروں پر چسپاں کئے گئے تھے۔میں نے بھی ایک بڑے سائز والے کاغذ کے حواشی پر گل کاری کی'اور شعر کے انتخاب میں مضطرب رہا چونکہ یہ شعر کئی بار حضرت والد صاحب سے سنا تھا اس وجہ سے حافظہ میں محفوظ تھا باوجود اس کے لفظی مفہوم سے نابلد تھا۔اس شعر کو جلی حروف سے لکھا' اتنے میں حضرت گھر تشریف لائے اور مجھے فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا۔شعر پڑھا'تبسم فرمایا' کہنے لگے اس کا معنی اور مفہوم سمجھتے ہو؟ یا ویسے ہی کہیں سے نقل کیا ہے۔یہ ابیات معلوم نہیں کسی صاحب دل کے ہیں لیکن حضرت والد صاحب مرحوم ان کو بہت ذوق شوق سے پڑھتے اور سنتے تھے۔

وہ ابیات یہ ہیں۔

حسن خویشا ز روئے خوباں آشکارا کردہ ای — بازبچشم عاشقوں خود ازتماشا کردہ ای

پرتو حسنت نگنجد درزمین وآسمان — درحریم سینہ حیرانم کہ چوں جاکردہ ای

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای — بازمیگومی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

یہی اشعار اپنے والد مکرم حضرت صاحب کے حیات صدر المدرسین ص ۲۶۴۔۲۶۵ پر بھی درج کردیئے ہیں۔

یہ شعر اکثر بہت درد سے سناتے تھے

اگر گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلاتے لا الہ الا

گرتو میخواہی مسلمان زیستن نیست ممکن جزبقرآن زیستم

شبقدر میں حضرت مولانا سید عبدالبصیر شاہ صاحب کی شادی تھی' اس وقت وہ طالب علم تھے' تمام اساتذہ کرام جامعہ خصوصاً حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ' شیخ الحدیث حضرت مولانا صدر صاحب' شیخ الحدیث حضرت اقدس مفتی صاحب' شیخ الحدیث مولانا محمد علی سواتی صاحب' شیخ الحدیث مولانا فضل مولیٰ صاحب' شیخ الحدیث مولانا محمد ہاروت بابا صاحب رحمھم اللہ تعالیٰ' شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد انوار الحق صاحب' شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ صاحب' شیخ التفسیر مولانا عبدالحلیم صاحب مدظلھم العالی بھی تشریف فرما تھے۔

ایک عجیب روحانی منظر تھا' 'شبقدر' ' کی تاریخ میں کبھی بھی پھر اتنے اولیاء اللہ اور جامعہ حقانیہ کے شیوخ جمع نہ ہوسکے' اس دن ایک روحانی منظر تھا' رات کو اساتذہ کرام کے بیانات کے بعد سب آرام کے لئے تشریف لے گئے' بزرگ اساتذہ کرام رات دارالعلوم چلے گئے۔

کم عمر اساتذہ اور طلباء کا قافلہ رات کو مدرسۃ رحمانیہ کے دارالاقامہ میں رہ گیا۔ رات بھر طلباء نے محفل کو گرم رکھا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا عزیز الدین صاحب پشاور اور حضرت الاستاد فانی صاحب صدر مجلس تھے۔ حضرت الاستاذ مکرم نے عربی' فارسی' اردو پشتو میں مبارکباد کے اشعار پیش فرماتے تھے۔ عربی' اردو' پشتو میں حضرت الاستاد نے لطائف پیش فرماتے' ۱۹۸۵ء میں دورہ حدیث شریف کے بعد بندہ جامعہ دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ میں حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کے حکم سے مدرس ہوا۔

دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ میں ماہنامے ''النصیحہ'' کا اجرا بھی ہوا۔ بندہ رسالے کا معاون مدیر ناظم اور منیجر تھا۔ بندہ جب حضرت الاستاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماہنامہ کے لئے مضامین لکھنے کی درخواست پیش کی' حضرت ہر ماہ رسالہ کے لئے کچھ نہ کچھ لکھتے اگر میرا کوئی مضمون النصیحۃ یا دوسرے رسالے میں چھپتا حضرت الاستاذ مبارک دیتے' تشجیع اور شاباش سے حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ جب ہم نے اپنے مدرسہ سے ماہی ''تجلیات فرید'' کا اجرا کیا۔ پہلا شمارہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا' مبارکباد دی۔ جاندار مضمون حضرت مفتی صاحبؒ کی مبارک زندگی تحریر فرمایا۔ اردو فارسی اشعار لکھ دیتے۔ بندہ جب بھی حاضر ہوتا' حوصلہ افزائی فرماتے اور میری تمام خدمات کو ہر مفتی صاحبؒ کا صدقہ جاریہ اور مقبول دعاؤں کا نتیجہ قرار دیتے۔

وفات کے دن اشراق کے بعد موبائل کھول کر دیکھا' سب سے پہلے مولانا حبیب اللہ مردانی صاحب' مدرس جامعہ ابوہریرہ کا میسج' دردوغم پر مشتمل موصول ہوا۔ پھر موبائل میں میسج ہی میسج تھے۔ نماز جنازہ کے لئے بمع رفقاء حاضر ہوئے۔ نماز جنازہ سے پہلے جامعہ حقانیہ کے قدیم دارالحدیث کی زیارت کی' ایسے معلوم ہورہا تھا کہ جیسے سوئے ہوئے ہیں۔ گیارہ بجے جامعہ حقانیہ میں شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد انوار الحق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا حبیب اللہ حقانی*

ایک لافانی شخصیت

محفل سے اٹھ کے، رونق محل کہاں گئی
کھل اے زبان شمع کہ کچھ ماجرا کھلے

۲۶ فروری ۲۰۱۴ء/۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ بدھ کے روز صبح فجر کے وقت مشہور عالم ربانی، صاحب زہدو تقویٰ، ادیب ومصنف حضرت مولانا ابراہیم فانی صاحب طویل علالت کے بعد حیات آباد میڈیکل کمپلیکس پشاور میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خبر وفات بجلی کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، اس کے طلبہ، فضلاء اور متعلقین کو زبردست اور نا قابل بیان غم واندوہ سے دوچار ہونا پڑا۔ نماز جنازہ کا وقت جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں ۱۱ بجے مقرر ہوا۔ جب کہ دوسری نماز جنازہ اپنے آبائی گاؤں زروبی ضلع صوابی میں 3 بجے دوپہر ادا کی گئی۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں صبح ہی سے حضرت فانی صاحب کے تلامذہ، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء، مشائخ، علماء، اکابر اور متعلقین کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جو جنازہ کے ادا ہونے تک جاری تھا۔ ہر طرف سے انسانوں کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر امڈ پڑا تھا۔ مولانا محمد یوسف شاہ نے سٹیج سنبھال رکھا تھا۔ اور لوگوں کو پرامن اور پرسکون رہنے کی تلقین دے رہے تھے۔ سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی جو فانی صاحب کے طالب علمی اور پھر دارالعلوم میں مدرسانہ دور کے قریب ترین ساتھی ہے کو دعوت خطاب دیا گیا۔ انہوں نے فانی صاحب کے ساتھ اپنے طویل رفاقت پر مختصر انداز میں بیان فرمایا۔ ان کے بعد پیر طریقت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی اور مولانا حامد الحق حقانی نے بیان فرمایا۔ اور انکے بعد حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ نائب صدر وفاق المدارس ملتان نے جنازہ کے لئے آئے ہوئے ہزاروں حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپکو فانی صاحب اور جامعہ دارالعلوم سے محبت کے بدلے جزائے خیر سے نوازے۔

آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ المدنی نے دعا فرمائی۔ اور دعا کے بعد جنازہ مولانا

---

* مدرس جامعہ ابوہریرہ خالق آباد

انوارالحق صاحب کی امامت میں ادا کی گئی۔ فانی صاحب نے وصیت فرمائی تھی کہ دارالعلوم حقانیہ میں میری جنازہ مولانا سمیع الحق صاحب پڑھائیں گے۔ اگر وہ نہ ہوئے تو شیخ الحدیث مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ پڑھائیں گے۔سفیر امن شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق چونکہ ایک دن پہلے یعنی منگل کے دن (25) فروری کو سفر عمرہ پر روانہ ہوئے تھے۔اس لئے شیخ الحدیث مولانا انوارالحق صاحب کے نام کا اعلان کیا گیا۔

فانی صاحب کے تفصیلی حالات لکھنے کے لئے تو سینکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔لیکن ان کا مختصر تعارف لکھنا بھی ضروری سمجھتا ہوں ورنہ ع سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کیلئے

آپ 15 اپریل 1954ء کو ضلع صوابی کے مشہور مردم خیز گاوں زروبی میں متکلم عصر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے گھر پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن کریم اپنے گھر پڑھا۔مڈل کلاس تک عصری تعلیم اپنے ہی گاوں میں حاصل کی اور اپنے عظیم والد سے دینی رسائل اور فارسی کے نظم بھی پڑھتے رہے۔ میٹرک کا امتحان 1970ء میں اعلیٰ نمبرات سے پاس کیا اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں درس نظامی کے لئے داخل ہوئے۔ درس نظامی کے ساتھ حفظ القرآن میں بھی مشغول رہے اور نہایت قلیل مدت میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ 1978ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی اور دارالعلوم حقانیہ میں استاد مقرر ہوئے اور تا دم آخریں جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں فرائض تدریس بطریقہ احسن نبھاتے رہے۔بقول مولانا انوارالحق مدظلہ وفاداری کا یہ عالم تھا کہ انہیں کئی جگہوں سے پیشکش آئیں مگر آپ نے دارالعلوم کا دامن نہ چھوڑا اور فقر وغربت کی زندگی گزارتے رہے۔دارالعلوم میں تدریس کے دوران ہزاروں طلبہ آپ کے منبع فیض سے فیضیاب ہوئے۔ یہ تمام فانی صاحب کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ فانی صاحب صرف میدان تدریس کے شہسوار نہ تھے۔ بلکہ قلم وقرطاس ،تصنیف وتالیف اور شعر وادب کے لحاظ سے بھی منفرد حیثیت کے حامل تھے۔لکھنا تو انہوں نے زمانہ طالب علمی سے ہی شروع کیا تھا۔لیکن بعد میں لکھنا ان کے طبعیت ثانیہ بن گیا۔آپ عربی، اردو، پشتو اور فارسی پر یکساں دست رس رکھتے تھے۔اور ان زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے۔ زمانہ طالبعلمی میں آپ کی بعض غزلیں رسائل اور مجلّات میں چھپتی رہیں، ساتھ ساتھ اہم مضامین بھی وقتا فوقتا ملک وبیرون ملک کے مختلف جرائد اور اخبارات میں شائع ہوتے۔اگر آپکے ان مضامین کو "الحق" اور دیگر رسائل سے جمع کیا جائے تو دوجلد کی ضخیم کتاب مرتب ہو جائے گی۔

جن مجلّات نے آپ کے اردو، فارسی، عربی اور پشتو کی نظمیں، نعتیں اور غزلیں شائع کیں ان میں چند مشہور کے نام یہ ہے۔"الحق" اکوڑہ خٹک، الخیر "ملتان، "القاسم "خالق آباد، "خدام الدین "لاہور،'' بینات' کراچی،اور "النصیحہ " چارسدہ۔

آپ کے کئی شعری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہوئے۔اور اہل فن سے داد بھی وصول کی ۔

"نالہء زار" یہ آپ کے اردو کلام کا مجموعہ ہے۔ "ازعی دتمنا" پشتو غزلیات کا مجموعہ ہے۔ غم بے شان، نذر اشک، ویژن تصورات، بیا دردونہ پہ خندا دی، شاہین دتخیل وغیرہ آپ کے پشتو کلام پر مشتمل ہے۔ متاع درد فارسی غزلیات اور مراثی کا مجموعہ ہے۔

بہر حال فانی صاحب کا ذوق شعر اور اسلوب سخن انتہائی عمدہ ہے۔ آپ کی نظموں اور غزلوں میں جو بیساختہ پن اور روانی ہے۔ وہ دوسرے پشتون شعراء کی اردو شاعری میں کم ہی ملے گا۔ عرض فانی صاحب دل کی بات دوسروں کے دلوں تک پہنچانے کا فن جانتے تھے۔

تذکرہ وسوانح اور تاریخ میں بھی فانی صاحب نے لازوال نقوش چھوڑے۔ آپ نے والد محترم صدر المدرسین مولانا عبد الحلیم کی سوانح "حیات صدر المدرسین" کے نام سے مرتب کی۔ اس کے علاوہ "افادات حلیم" اور سوانح شیخ القرآن مولانا عبد الہادی شاہ منصوری، آپ کی یادگار کتابیں ہیں۔

چند تابندہ نقوش، جندہ درخشندہ نفوس، آپ کے "الحق" میں شائع ہونے والے تعزیتی مضامین کا مجموعہ ہے۔ کاروان آخرت از قلم شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہ (ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہونے والے تعزیتی مضامین کا مجموعہ) بھی آپ ہی کی مرتب کردہ ہے۔ درسی شروحات میں کافیہ کی شرح "دروس الکافیہ" اور حسامی کی شرح "التوضیح السامی" سے علماء اور طلبہ مستفید ہو رہے ہیں۔ مقدمہ، تفسیر اور مقدمہ فقہ بھی فوٹو سٹیٹ کی شکل میں طلبہ پاس رکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔

" نقوش حقانی" مولانا عبد القیوم حقانی کی کتابوں پر آپ کے تبصروں کا مجموعہ ہے۔ " الحق" میں آپ کے شائع شدہ تبصرے بھی ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ بہر حال، فانی صاحب نے اپنی دینی، تصنیفی، تالیفی، تدریسی اور ادبی خدمات کی بدولت خود کو لافانی فرمایا ہے۔ لیکن ان کی رحلت سے ہم جیسے حقیر طالب علم یتیم ہوگئے ہیں۔ ان کا کوچ کر جانا صرف دار العلوم کے لیے نہیں، خیبر پختونخوا کے لیے نہیں، وطن عزیز پاکستان کے لیے نہیں، بلکہ عالم اسلام کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ اللہ تعالی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

☆ ☆ ☆

اب دلِ صد چاک کی فانؔی مسیحائی نہ کر
اب جہان دل میں باقی کیف و جدانی نہیں

(فانؔی)

مولانا سعید الحق جدون*

اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے یقیناً غمگین ہیں

ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق   موت کا جب وقت آجاتا ہے ٹلتا ہی نہیں   (فانیؔ)

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب اس فانی دنیا سے فنا ہو کر چلے۔ ان کی جدائی پر دل مغموم اور آنکھیں اشکبار ہیں' آنسوؤں کی موسلا دھار بارش نہیں تھمتی۔ اس صدمے کے پریشان حال منظر کو ڈاکٹر عارفی صاحب نے اس شعر میں پرویا ہے۔

صرف دو آنسو بہت تھے شرح غم کے واسطے   کیا خبر تھی منتظر دریا کا دریا دل میں ہے

فانی صاحب سے نہ صرف یہ کہ میرا ایک تعلق تھا بلکہ وہ میرے مربی' میرے خیرخواہ اور ہمدرد تھے' راقم اثم جب دارالعلوم حقانیہ میں دورہ حدیث کا طالبعلم تھا' تو ماہنامہ الحق میں میرا ایک مضمون ''اپریل فول'' کے حوالے سے شائع ہوا' پھر فانی صاحب نے بلوا کر حوصلہ افزائی فرمائی اور لکھنے کے حوالے سے تربیت دی۔ فرمایا بھائی! لکھنے کے حوالے سے ایک وبا پھیل گئی ہے' بندہ نے پوچھنے کی جسارت کی' حضرت کون سی وبا؟ فرمایا: تسریق یعنی دوسروں کی کتابوں سے چوری کرنا۔ اسی اثناء میں ایک کتاب کے مصنف کے بارے میں بحث چھڑ گئی تو میں نے عرض کیا حضرت اس مصنف کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا یہ صاحب تو تسریق نہیں تشریق (پھاڑنے) سے کام لیتا ہے۔ مسکرانہ انداز میں فرمایا۔ حافظ صاحب! مطلب یہ ہے کہ قینچی سے کام لیتا ہے۔

یہ حضرت سے پہلی ملاقات تھی' اس کے بعد فارغ اوقات میں فانی صاحب کے دولت کدے پر حاضری کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔ فراغت کے بعد ایک دو مہینے میں ایک دفعہ خدمت اقدس میں حاضری نصیب ہوتی کیونکہ ہم جیسے طفل مکتب کے لئے فانی صاحب کی علمی محافل اور تربیتی مجالس کے علاوہ اور کیا چاہیے تھا۔ اندھے کو کیا چاہیے صرف دو آنکھیں۔ لیکن افسوس آج ہم ان علمی محافل سے محروم ہوئے۔ بقول فانی

اب کہاں وہ بزم وحلقہ ہائے علم وفن   حسرتا ایسی محافل سے ہوئے محروم ہم

فانی صاحب مطالعہ کے ذوق سے سرشار تھے' ان کے مہمان خانے کا انداز عام مہمان خانوں سے مختلف تھا۔ کیونکہ عام طور پر مہمان خانوں میں کرسیاں' صوفے' قالین' ڈبل بیڈ' سنگل بیڈ' الماریاں' مصنوعی پھول پودے

---

* گاؤں چینئی' تحصیل ٹوپی' ضلع صوابی

اور دیگر آرائش و زیبائش کے سامان ہوا کرتا ہے جبکہ فانی صاحب کے مہمان خانے میں ہر طرف کتابوں کا انبار لگا ہوا تھا' الماریاں کتابوں سے بھری تھیں۔ میز اور چھوٹی سی تپائی پر کتابوں کے بنڈل تھے' حتیٰ کے زمین پر بچھا ہوا قالین پر جابجا کتابوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ فانی صاحب کی دوستی کتاب سے ہے اور کتاب سے ہمنیشنی کے حوالے سے وہ متنبّی کے اس شعر کے اصل تصویر تھے

اعز المکان فی الدنی سرج سابج　　　و خیر جلیس فی الزمان کتاب

(یعنی دنیا میں عزت کی جگہ تیز رفتار گھوڑے کی زین اور زمانے میں بہترین ہمنشین کتاب ہے)

جب بھی فانی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو مطالعہ کرتے ہوئے پایا۔ ایک دفعہ بیمار تھے' غالباً پاؤں کا آپریشن بھی کیا تھا۔ میں عیادت کے لئے گیا۔ مولانا صاحب انتہائی تکلیف میں تھے اور کتاب کا مطالعہ کررہے تھے' زیادہ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بے تکلفی پیدا ہوگئی تھی۔ تو عرض کیا۔ حضرت! اب ذرا آرام کریں' مطالعہ کم کریں۔ فرمایا: سعید الحق! مطالعہ سے میری بیٹری چارج ہوتی ہے۔ جس طرح موبائل کی بیٹری بغیر چارج کے کام نہیں کرتی' اسی طرح میں بھی بغیر مطالعے کے کام نہیں کرسکتا۔ پھر مطالعے کے ذوق کے حوالے سے اکابر و اسلاف کے عجیب و غریب واقعات بیان کئے۔ اس بحث مباحثے کے بعد انہوں نے اس موضوع پر ماہنامہ ''پیام حق'' کے لئے ایک مضمون بعنوان ''کتاب بہترین ہمنشین'' لکھا۔

مرحوم نہایت سریع المطالعہ انسان تھے۔ منٹوں اور سیکنڈوں کے حساب سے اوراق کی ورق گردانی کرتے تھے' ایک دفعہ راقم نے ''دینی مدارس کا نظام تعلیم ...... چند اصلاح طلب پہلو'' کے عنوان پر ایک تفصیلی مقالہ لکھا' جو بعد میں میری کتاب ''ہماری تعلیمی زبوں حالی' اسباب اور تدارک'' میں شامل ہوا۔ یہ مقالہ بغرض تصحیح فانی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے شفقت اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے اُسی وقت تکیے کو ٹیک لگا کر مطالعہ شروع کیا۔ ایک ایک صفحہ مطالعہ کرتے اور اغلاط کی نشاندہی کرتے۔ جس صفحے کی تصحیح ہوتی وہ مجھے دیتے' تقریباً ۲۰۔۲۵ منٹ میں انہوں نے اس طویل مقالے پر نظر ثانی کی۔ پھر ہنس کر فرمایا ہمارے استاد محترم مولانا سمیع الحق صاحب فرماتے ہیں کہ ''کتاب میں میری نظر غلطی پر پڑتی ہے میں بھی ان کا شاگرد ہوں' میری نظر بھی غلطی پر پڑتی ہے۔''

قارئین اس واقعہ سے یہ اندازہ کرسکتے ہیں کہ مرحوم فضلاء اور طلبہ کی تربیت' حوصلہ افزائی اور رہنمائی کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔ ان کے سفر آخرت کے بعد مجھ سمیت سینکڑوں طلبہ' فضلاء اور متعلقین سب اس عظیم رہنماء سے محروم ہوئے۔

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے　　　نہ مے کش رہے باقی نہ میخانے رہے

واقعی آج فانی صاحب کے تذکرے چل رہے ہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ فانی صاحب نہیں رہے۔ ان کی غزلیات، نظمیں اور نعتیں آج لوگ پڑھ رہے ہیں، لیکن خود شاعر مٹی تلے مدفون ہے۔

ع فانی بیچارہ اُف یہ کون زیر خاک ہے

فانی صاحب کی محافل ہلکی پھلکی مزاح سے کشت وزعفران بن جاتی۔ایک دفعہ دارالعلوم حقانیہ کے دفتر اہتمام میں مولانا سمیع الحق صاحب، فانی صاحب اور دیگر کئی حضرات موجود تھے، بندہ بھی اس مجلس میں بطور خادم موجود تھا۔مولانا سمیع الحق نے مجھے کہا کہ بیٹے آپ کے مضامین رسالوں میں آتے ہیں، میں دیکھتا ہوں، لیکن نام کے ساتھ حقانی لکھا کریں۔اس وقت حقانی نیٹ ورک کا شوروغوغا میڈیا پر شروع تھا۔فانی صاحب نے بطور مزاح کہا، حقانی لکھنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔نام کے ساتھ یہ لاحقہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں، جو ڈرتے نہیں۔مولانا سمیع الحق نے ہنس کر فرمایا: کیا مطلب سعید الحق کو سناتے ہو۔فانی صاحب نے مسکرا کر فرمایا نہیں جی ویسے مثال دے رہا ہوں، تمام مجلس اس بات پر ہنس پڑی۔

حضرت مولانا ابراہیم فانی صاحب جب کسی کو کوئی کتاب بطور ہدیہ دیتے تو اس پر کچھ نہ کچھ لکھتے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ جب کسی کو کتاب دیتے تو اس پر کچھ نہ کچھ لکھ دیتے۔ایک دفعہ فرمایا کہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو اپنا اردو مجموعہ اشعار بطور ہدیہ دیا اور اس پر یہ شعر لکھ لیا۔

راہ الفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

فرمایا کہ جب شیخ الاسلام کی نظر اس شعر پر پڑی تو تمام مجمع کو سنایا، بہت خوش ہوئے اور مجھے داد دی، پھر فرمایا کتاب بطور ہدیہ دیتے وقت اس پر کچھ نہ کچھ لکھنا اچھی عادت ہے۔یہ ایک یاداشت ہوتی ہے جو مرنے کے بعد بھی انسان کی یاد تازہ کردیتی ہے۔ تدوم الخط فی القرطاس دھراً وکاتبہ رمیم فی التراب

فانی صاحب دارالعلوم حقانیہ کے اساتذہ اور شیوخ سمیت دیگر اہل علم کے قدر دان تھے، ایک دفعہ ایک علمی نشست میں راقم کو فرمایا کہ آج کل ہمارے فضلاء اپنے شیوخ کی بے قدری کرتے ہیں، میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ دینی مدارس کے طلبہ اور اپنے شیوخ کی بے قدری......؟ پھر فرمایا۔بے قدری کا مطلب یہ نہیں کہ گالیاں دیتے ہیں بلکہ یہ بھی بے قدری ہے کہ مختلف پروگراموں، جلسوں اور ختم قرآن کے سلسلے میں منعقد تقریبوں میں ان شیوخ کو بلواتے ہیں۔ جب یہ حضرات وہاں تشریف لے جاتے ہیں، تو وہاں پر مسجد میں دس پندرہ بچے ان کے سامنے بٹھاتے ہیں اور اب تو نورانی قاعدے کے ختم کا بھی رواج بن گیا ہے۔کیا یہ بے قدری نہیں تو اور کیا ہے۔مردان میں ایک جگہ ہمیں بلوایا گیا۔شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا

انوار الحق صاحب، مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب اور دیگر کئی علماء مدعو تھے۔ وہاں جب مجمع پر نظر ڈالی تو مقررین سامعین کی نسبت زیادہ معلوم ہوئے۔ چنانچہ اس مسجد کا امام جو ہمارے دارالعلوم کے فاضل تھے کو میں نے جھڑکا اور کہا کہ خدا کے بندے یہ تو ان مشائخ کی بے قدری ہے۔ آپ کو پہلے ان مشائخ کا بلند علمی مقام جاننا چاہیے اور پھر اس کے مطابق ان کو دعوت دینی چاہیے:

قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری   قدر گل بلبل شناسد قدر دلدل شاہ علی

فانی صاحب کی زندگی کے کس کس پہلو پر تبصرہ کروں۔ان کی زندگی کا ہر پہلو ہم جیسے طالب علموں کیلئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ آج ہم زمانہ شباب میں اپنے آپ کو ہر میدان میں ماہر سمجھتے ہیں اور کسی قسم کی اصلاح سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ فانی صاحب تو بڑھاپے میں بھی اپنے آپ کو قابل اصلاح سمجھتے تھے۔ موصوف اپنی کتابوں اور اپنے اشعار کی تصحیح اپنے اساتذہ اور مشائخ سے کرواتے تھے۔ایک دفعہ فرمایا کہ ''فارسی اشعار کے مجموعے کا مسودہ ہاتھ میں لیکر اصلاح کی خاطر شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ صاحب کے ہاں روانہ ہوا۔ اس وقت شیخ صاحب دارالعلوم سے جا رہے تھے۔ میں بھی ان کیساتھ روانہ ہوا۔راستے میں میرے اور شیخ صاحب کے درمیان فارسی میں بیت بازی شروع ہوئی۔ تمام راستے پر بیت بازی رہی۔ وہاں بیٹھ کر پھر وہی سلسلہ چلتا رہا۔ تقریباً گھنٹوں تک جانبین سے اشعار کا تبادلہ ہوتا رہا۔ آخر میں شیخ صاحب نے داد دی اور فارسی اشعار کا مسودہ دیکھ کر اس کی اصلاح کی اور ڈھیروں دعائیں دی۔'' اسکے بعد فانی صاحب نے فرمایا: ''بڑوں کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑنا۔ اگر کسی نے اپنے اکابر واسلاف کے دامن چھوڑے تو وہ برباد ہوگا، چاہے وہ کتنا ذہین اور قابل کیوں نہ ہو''

مختصر یہ کہ فانی صاحب کے علمی و عملی کارناموں کے حوالے سے کئی یادداشتیں اور کئی علمی محافل ومجالس کی روداد ذہن میں گردش کررہی ہے۔ لیکن خوف طوالت کی وجہ سے ان چند باتوں پر اکتفا کرکے مضمون کا خاتمہ ان الفاظ سے کرتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لخت جگر ابراہیمؓ کی وفات پر کہے تھے۔ دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ ابراہیم جو آپؐ کے فرزند تھے اور فرزند تو وارث ہوتا ہے اور ابراہیم فانی صاحب تو عالم تھے اور علماء آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپؐ کے وارث ہیں۔تشبیہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں ہم نام ہیں۔اس لئے ابراہیم فانی صاحب کی وفات پر تعزیت نبویؐ کے ان زرین الفاظ سے ان کی اولاد' احباب' تلامذہ اور متعلقین کو تسلی دیتا ہوں جو آپؐ نے اپنے فرزند ابراہیم کے غم فراق پر کہے تھے۔

''آنکھ اشکبار اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم کو زبان سے وہی کہنا ہے جس سے ہمارا مالک اور پروردگار راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے یقیناً غمگین ہیں'' (بخاری کتاب الجنائز:۱۳۵۳)

چاروں طرف فضاء میں اداسی بکھر گئی   تم کیا گئے کہ رونق شام وسحر گئی

مفتی فدا محمد حقانی*

ایک تاریخ ساز شخصیت

ضلع صوابی، خیبر پختونخواہ کا ایک خوبصورت، زرخیز اور مردم خیز خطہ ہے اس کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ اس خطے نے ہمیشہ زندگی کے ہر میدان میں ایسی شخصیات اور عظیم ہستیاں پیدا کی ہیں کہ زمانہ اور اہل زمانہ اُن کی عظمت، ان کی محیر العقول اور حیرت انگیز کارناموں پر تا قیامت فخر کریں گے، بے شک یہ خطہ زمین، قابل رشک اور قابل افتخار ہے کہ اس کی آغوش محبت میں ایسی ہستیاں پھلیں اور بڑھیں ؎

یہ وہ خطہ ہے جس کی شان ہے رشک مہ و اختر
فلک والے بھی اس کی عظمتوں پر ناز کرتے ہیں

اس علاقہ میں ایک مشہور و معروف قصبہ زروبی ہے جو کہ سالہا سال سے علم و فضل، تقویٰ و تدین، تصوف وسلوک، رشد و ہدایت اور صدق وصفا کا گہوارہ چلا آرہا ہے بظاہر یہ چھوٹا سا قصبہ اپنی علمی وجاہت اور دینی شان وشوکت کی بنیاد پر بڑے بڑے شہروں پر بھاری ہے۔ اس قصبہ کی کوکھ نے ایسے شخصیات کو جنم دیا ہے جن کے مبارک نام علم وفضل اور زہد تقویٰ کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے جلی عنوان سے رقم رہیں گے اور آسمان علم وفضل پر نیر تابان کی طرح چمکتے دمکتے رہیں گے ان تاریخ ساز شخصیات میں سے ایک ہمارے استاد محترم حضرت العلامہ محمد ابراہیم فانی صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ان یجعل العالم فی واحد

اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ہی بندہ کو ایک عالم کے صفات سے نوازے۔

ہمارے استاد محترم بیک وقت ایک بہترین عالم دین، بہترین ادیب وصحافی، ایک فصیح اور جید مدرس ہونے کیساتھ ساتھ ایک ایسے ممتاز اور قادر الکلام شاعر تھے جو عربی، فارسی، اردو، اور پشتو چاروں زبانوں میں، سب پر ید طولیٰ کے مالک تھے۔ آپ علمی، ادبی، تصنیفی اور مطالعاتی میدان میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے اتنی صفات کے باوجود آپ نے ہمیشہ، فقیرانہ، درویشانہ اور گمنامی کی زندگی کو ترجیح دی۔ مجلس میں پیچھے بیٹھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

؎ میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

* رئیس دارالافتاء دارالعلوم رحمانیہ مینئ صوابی

آپ کے درس وتدریس میں اللہ تعالیٰ نے وہ مٹھاس اور رچاشنی رکھی تھی کہ باید وشاید، مشکل سے مشکل مقام کو چٹکیوں میں حل کیا کرتے تھے۔انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ پورے مالھا اور ماعلیھا کے ساتھ سبق پڑھایا کرتے تھے اس پر کمال یہ ہے کہ بعض مشکل کتابیں طلباء کو دومرتبہ پڑھایا کرتے تھے یعنی روزانہ کا سبق دومرتبہ دھراتے تھے۔ بسااوقات موقع ومحل کے اعتبار سے ایسا مناسب شعر پیش کرتے تھے کہ پورا مجمع متوجہ ہوجاتا تھا۔آپ اپنی عمومی چال ڈھال میں سادگی کے قائل تھے یہ آپ کی کسر نفسی اور تواضع کی واضح دلیل تھی۔آپ انتہائی بے تکلف اور ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے لیکن باوجود اس کے طلباء پر آپ کا ایسا رعب چھایا ہوتا کہ مجال ہے کہ کوئی بے ضرورت اور بے محل بات کرے اور اگر کبھی ایسا ہوتا تو آپؒ خوب ڈانٹ پلاکر اصلاح فرماتے۔

اس بندہ عاجز پر اللہ تعالیٰ کے بے پناہ احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میرے اساتذہ کرام ہمیشہ میرے ساتھ انتہائی شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔حضرت فانی رحمہ اللہ مجھے نام سے پہچانتے اور پکارا کرتے تھے۔یوں تو دارالعلوم حقانیہ میں قیام کے دوران حضرتؒ سے کئی کتابیں پڑھیں لیکن درجہ تخصص کے سال کے دوران آپ ہمیں مسلم الثبوت اپنی رہائش گاہ میں بعدازظہر پڑھایا کرتے تھے۔اہل علم خوب واقف ہیں کہ مسلم الثبوت انتہائی مغلق اور مشکل کتاب ہے لیکن قدرت نے آپ کو فصاحت اور بلاغت کا عجیب ملکہ دیا تھا آپ بہت شیریں زبان تھے، خشک سے خشک مضمون بھی آپ انتہائی خوش اسلوبی سے بیان فرمایا کرتے تھے۔

اصاغرنوازی اور شفقت میں آپ بے مثال انسان تھے ایک دفعہ میرے چھوٹے بھائی مولانا عبدالرحمٰن نے مجھے بتایا کہ حضرت فانی صاحبؒ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ (فدامحمد) مجھے اپنا کوئی تالیف نہیں بھیجتا ہے نہ تبصرہ کے لئے اور نہ ہی بطور تحفہ، کیا میں اور کیا میری تالیف، میں خوب جانتا تھا کہ اس سے مقصود ہماری حوصلہ افزائی اور دلجوئی ہے مجھے خوشی بھی ہوئی اور ندامت بھی ہوئی، اس کے بعد میں اہتمام سے آپ کے پاس اپنی کتاب بھیجا کرتا تھا آپ کے اس پیغام سے بڑی ہمت افزائی ہوئی، ایک مرتبہ تقریظ کیلئے اپنی ایک کتاب بھیجی، آپ نے ایسے فیاضی کے ساتھ تقریظ لکھ دی کہ ایک شاگرد کے لئے استاد کے قلم سے اس طرح کے کلمات اور الفاظ کے استعمال سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوگئی، میں واضح طور پر سمجھتا تھا کہ یہ حضرت کی شفقت ہے اور ہمارا حوصلہ بڑھانا چاہتے ہیں۔ایک دفعہ میں دارالعلوم حقانیہ ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔فاروقی کتب خانہ میں آپ سے ملاقات ہوئی حال واحوال پوچھنے کے بعد فرمایا، سنا ہے کہ آپ شرح عقائد پر کچھ لکھ رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ حضرت ارادہ تو ہے۔آپ بہت خوش ہوئے، پھر وقتاً فوقتاً پوچھ بھی لیا کرتے تھے۔کتاب مکمل ہونے کے بعد آپ کے پاس بھیجی، آپ بہت خوش ہوئے۔قربان جاؤں حضرت کی اصاغر نوازی سے، اے اللہ آپ میرے استاد کو اس مبارک صفت کے بدلے اپنے شایان شان درجات نصیب فرمادیں۔آمین، رات کے تقریباً ۹ بجے تھے فون آیا، اٹھا کر سلام عرض کرنے

کے بعد فرمایا! میں ابراہیم فانی عرض کررہا ہوں (یہ حضرت کے کلمات ہیں) میرے پاس پہلے آپ کا نمبر بھی نہیں تھا اس لئے پہچانا بھی نہیں، اور موبائل پر پہلی مرتبہ آپؒ کی آواز سنی۔ مجھے انتہائی خوشی کے ساتھ ندامت بھی ہوئی اور حضرت کے اس صفت پر بہت حیرت بھی ہوئی آپؒ نے فرمایا کہ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مزید فرمایا کہ مجھے ایک مسئلے کی ضرورت پڑی وہ مسئلہ آپ کی کتاب میں تفصیل سے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی میں یہ کلمات حضرت کی زبان سے سن رہا تھا اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کررہا تھا پھر فرمایا کہ آپ کی کتاب پر الحق میں ایک جاندار تبصرہ لکھ رہا ہوں لیکن قیمت کا اندازہ نہیں ہے کہ کتاب کی قیمت کیا ہے میں نے قیمت بتائی، جب ''الحق'' کے پرچے میں حضرت کے قلم سے تبصرہ پڑھا تو حقیقی خوشی ہوئی کہ استاد محترم نے ایک شاگرد کی کتاب پر تبصرہ لکھ کر کتنی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ مزید فرمایا کہ مجھے ایک نسخہ اور بھیج دو کیونکہ میرے پاس موجود نسخہ مجھ سے کوئی لے گیا ہے۔

ایک دفعہ ملاقات کیلئے حاضر ہوا دارالعلوم حقانیہ کے امتحانات شروع تھے۔ آپ امتحانی ہال میں مصروف تھے باتوں باتوں میں ایسے مفید مشوروں سے نوازا جو تصنیف وتالیف کے میدان میں مجھ جیسے طفل مکتب کیلئے مشعل راہ تھے میں اپنے محلّہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا ایک طالبعلم دوست نے آپ کی بیماری کے متعلق فرمایا، لیکن یہ بات اتنی بھاری اس لئے نہیں لگی کہ پہلے سے آپ شوگر کے مریض تھے۔ جب اکوڑہ خٹک جانا ہوا تو آپکی جان لیوا اور مہلک بیماری کا سن کر بہت پریشان ہوا۔ دل میں یہ حسرت لئے پھرتا تھا کہ حضرت کی ملاقات کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا آپ کے صاحبزادے اور ہمارے مخدوم زادے جناب محمود ذکی سے فون پر رابطہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو عمر دراز نصیب فرمادیں، انہوں نے بشاشت اور فراخ دلی کیساتھ ملاقات کی اجازت دی بلکہ وہ میرے آنے کا پیغام والد مرحوم کو بھی دے چکے تھے میں جب پہنچا تو محسوس ہوا کہ آپ انتظار فرما رہے تھے۔ میری خوش قسمتی تھی کہ اُسی دن آپ کی طبیعت معمول سے زیادہ بہتر تھی۔ اپنی ظریفانہ طبیعت کے مطابق بشاشت اور خندہ پیشانی سے حال واحوال پوچھتے رہے علم وتحقیق کے ساتھ وابستگی کا اندازہ آپ بآسانی اس سے لگاسکتے ہیں کہ حضرت نے پوچھا کہ علمی اور تحقیقی کام کررہے ہو میں نے بتایا کہ حضرت اپنی بساط کے ساتھ کچھ نہ کچھ کررہا ہوں اس سے خوش ہوکر دعا فرمائی، اس کے بعد اکابرین دیوبند کا تذکرہ شروع کیا، کچھ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کا واقعہ سنایا۔ کیا اندازہ تھا کہ حضرت اقدس کے چہرہ انور پر یہی آخری نگاہیں پڑرہیں ہیں آپ سے اجازت لے لی، آپ نے خوب دعا فرما کر رخصت فرمایا ۔

کل اس کی آنکھ نے کیا زندہ گفتگو کی تھی
گمان تک نہ ہوا کہ وہ بچھڑنے والا ہے

☆ ☆ ☆

مولانا حیدرعلی مینویؔ*

یادوں کا چمن

دودن کی زندگی ہے یہاں اپنی خوشی سے کوئی آتا ہے نہ اپنی خوشی سے جاتا ہے،موت وحیات کے مالک نے اس زندگی کوامتحان قراردیا ہے۔" الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم" (الایۃ)

امتحان بھی ایسا ہے جو عام بندگان خدا ہی کا نہیں ،روئے زمین کے مقدس ترین لوگ انبیاءعلیہم السلام کا بھی ہوا"واذابتلی ابراھیم ربه بکلمة فا تمھن" یاد کرووہ وقت جب ابراہیمؑ کے رب نے اس کو کچھ باتوں میں آزمایا اور اُن باتوں کو ابراہیمؑ نے پورا کیا،جس کے نتیجے میں ابراہیمؑ کوساری دنیا کا امام بنادیا،امتحان کی بھٹی سے سب نے گذرنا ہے۔صحیح سلامت ہمیشہ مومن نکلتے رہیں ،ایک لمبی تاریخ ہے کئی صدیوں پر مشتمل ہے عشق وفا کا ایک نہ ختم ہونے والا باب ہے،اچھے نمبروں سے پاس ہونے والوں کے لئے مشکوٰۃ نبوت سے مژدہ آفرین ....

آولئك الذین اردت غرست کرامتھم بیدی وختمت علیھا فلم ترعین ولم تسمع اذن ولم یخطر علی قلب بشر، یہ وہ لوگ ہے جن کو میں نے منتخب کرلیا ہے اور میں نے ان کی شرافت وکرامت پر مہر لگادی ہے۔(جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوگی) نہ اس کوکسی آنکھ نے دیکھا ہوگا ، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا خیال گزرا ہوگا اور میرے اللہ نے فرمایا"فلاتعلم نفس مااخفی لھم من قرة اعین" (الایۃ) راہ حق کے اس قافلے سے دودن پہلے میرے استادِ محترم حضرت مولانا ابراہیم فانی صاحبؒ بچھڑے گئے ،اس درد اور غم کے بیان کے لئے وہ اپنے ساتھ لکھنے والا قلم بھی لے گئے ،حضرت سے میرے تلمذ اور تعلق کی نسبت ایک عشرہ قبل ۲۰۰۳ء میں اُس وقت ہوئی جب میں نے درجہ خامسہ کیلئے دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لے لیا،جدید طالب علم ہونے کیوجہ سے مجھے اُن سے کوئی تعارف نہیں تھا۔یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اس سال حضرت فانی صاحبؒ کا ہمارے کلاس کے ساتھ حسامی کا پیریڈ تھا۔ اُصول فقہ کی یہ مشہور کتاب ایک خالص علمی شخصیت کے پاس ہونا نہایت موزوں تھا۔ ابتدائی دن گزرنے لگےتو فانی صاحبؒ سے تعلق خاطر بڑھتا گیا۔وہ اپنی ذات میں انجمن تھے قادرالکلام شاعر،بے باک تبصرہ نگار،صاحب طرز ادیب ،صحافت کی ترکش سے مستعار لئے ہوئے لب ولہجہ کے مالک ،ایک رحمدل اور شفیق استاد ، ظرافت طبعی اتنی کہ کبھی اُن کے کلاس میں غبی طالب علم کو بھی اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی ،کلاس میں آنے کا ایک خاص

* مدیر''الداعی'' دارالعلوم رحمانیہ مینی صوابی

انداز ہوتا سیدھا مسند پر جاتے کسی کو دیکھے بغیر متعلقہ جگہ سے درس کا آغاز ہوتا، درس کیا ہوتا......اللہ اکبر......نسیم وصبا قربان ہونے کے لئے مچلتے ،مشکل ترین جگہوں کو چٹکلیوں میں حل کرنے کا جیسے آپ کو دودھ پلایا گیا ہو۔خشک مباحث کو اپنی طبعی ظرافت سے ایسا رنگین بناتے کہ کبھی بوریت کا احساس نہیں ہوتا، دوران درس اپنے تخلیقی اشعار بھی سناتے جس سے ماحول کشت وزعفران بن جاتا، واہ واہ کے نعرے بلند ہوتے ،خوشی اور سرور میں ایک دوسرے پر کودنے اور لوٹنے پوٹنے کا ماحول بن جاتا۔ ہمارے ہاں مدارس میں استاد کے سامنے بیٹھنے کا ایک خاص دائرہ ہوتا ہے جس سے تجاوز کی اجازت نہیں ہوتی ،اس معاملے میں فانی صاحب کو بالکل جدا پایۓ ان کے ہاں ایسا کوئی ضابطہ نہیں دیکھا ،کھل کر اظہار خیال کا موقع دیا جاتا، طالب علم کی تنبیہ ہوتی تو وہ بھی کسی لطیفے کے ضمن میں ،یا شعر کے چٹکلے سے ،میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔منطق کی کتاب قطبی میں دلالت مطابقی اور تضمنی کے بحث میں مصنف نے توسط کی قید لگائی ہے، مجھے اُس میں ابہام پیدا ہوا اور خیال گزرنے لگا یہ قید نہیں لگانی چاہئے تھی ....خیر میں نے ایک چٹ پر اپنا سوال لکھا ،استاد جی نے چٹ پڑھی کتاب سے نگاہ اُٹھا کر طالب علموں کی طرف دیکھ کر میرے سوال کے بارے میں لطیفہ سنایا، فرمایا حجام کے پاس کوئی شخص بال منڈوانے بیٹھ گیا تو حجام سے کہنے لگا یہ بتاؤ میرے سر پر کتنے بال ہونگے ۔حجام نے کہا بس تھوڑا سا انتظار ....اب بال تیری جھولی میں پھینک دونگا خود گن لینا ،فرمایا جو سوال چٹ پر لکھا گیا ہے دوتین دن بعد اُس کا جواب آرہا ہے،مولانا فانی کے طنز ومزاح کا اپنا منفرد انداز تھا آپ کا ڈھنگ ڈول دیکھ کر یہ اندازلگانا قطعاً مشکل تھا کہ یہ درویش خدامست اور فقیر انسان جامعہ حقانیہ جیسی یونیورسٹی کے استاد حدیث ، بیک وقت چار زبانوں پر عبور اور ان پر قابل قدر مجموعہ کلام ،کئی علمی کتابوں کے مصنف ،مورخ ،سوانح نگار اور اعلیٰ درجہ کے مدرس ہے ۔زمانہ طالب علمی میں اس فقیر کو اللہ تعالیٰ نے حضرت کی صحبت میں بیٹھنے اور موتیاں چننے کا موقع نصیب کیا ،ظہر کے بعد حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوتا ، دروازے کو دستک دیتا مولانا خود آکر دروازہ کھولتے ،اور میں حضرت کی باتوں کا رخ کسی موضوع کی طرف موڑ دیتا ان کی معلومات میں سمندر کی سی گہرائی تھی ،غضب کا حافظہ لائے تھے ۔ایک دفعہ میں نے ہندوستان کے مشہور عالم ابوحنیفہ ہند علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے بارے میں پوچھا، اس دن مجلس کا موضوع مولانا عبدالحی لکھنویؒ تھے ۔خاندانی پس منظر، علمی منازل کا ارتقاء، لکھنے کے ادوار، مولانا نواب صدیق حسن خان صاحبؒ سے قلمی مناظرے اور نہ جانے تاریخ کے کتنے دروازے تھے جو وا ہوتے چلے گئے ۔ایک عجیب بات میں اس مجلس میں نوٹ کی جس کا تعجب آج تک ذہن پر نقش ہے وہ یہ تھی فرمایا، مولانا عبدالحی صاحبؒ اور نواب صاحبؒ دونوں موضع ''کوٹھا'' کے مولانا سید عبداللطیفؒ کے شاگرد رہ چکے تھے۔ مولانا سید عبداللطیفؒ حضرت سید امیر المعروف بہ حضرت جی کے فرزند ہے ۔حضرت جی بابا امیر عزیمت سید احمد شہیدؒ کے معتمد خاص بزرگ گزرے ہیں ان کی سیرت اور حیات پر صاحبزادہ اشرف صاحب کی ایک ضخیم کتاب بھی

چھپ گئی ہے۔اگر یہ واقعہ سند کے لحاظ سے درست ہوتو صرف کوٹھا اور صوابی ہی نہیں اس اعزاز اور فخر میں پورا ملک شامل ہے۔

أُولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

علم اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی ان کی ہر مجلس کا آغاز بھی کسی علمی گفتگو پر ہوتا اور اختتام بھی ، یہ کوئی مبالغہ نہیں ،حقیقت یہ ہے علم اس کا حال بن گیا تھا۔ ہمیشہ پست آواز میں نرم لہجہ اور مسکراتا ہوا چہرہ اب بھی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے ، کلاس میں ایک دفعہ جمعرات کے دن بہت سارے طلباء نے چٹ لکھے ۔ کلاس میں ایسی چٹوں پر عموماً سبق کے متعلق کوئی شکل یا اعتراض ہوتا استاد جی ایک ایک چٹ پڑھتے رہے .... لیکن یہ کیا.......... ہر چٹ پر ایک ہی بات ''کوئی شعر ارشاد ہو'' استاد جی نے چٹوں کو جمع کر کے پھاڑ دیا ، اچھلتے ہوئے طلباء کی طرف پھینکا اور فرمایا درس ہے مشاعرہ نہیں۔ ؎

کتنے شریں ہے تیرے لب کہ رقیب گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

اردو فارسی اور پشتو کے بہترین ادیب تھے۔پشتو شاعری میں '' ازغی دتمنا ، ویرژن تصورات، اور بیا در دونہ پہ خندادی ''پشتو ادب میں قابل قدر اضافہ ہے جسے انشاء اللہ مدتوں یاد رکھا جائے گا، اردو میں آپ کے مرثیے '' داغہائے فراق'' کے نام سے کئی سال ہوئے چھپ گئی ہے اور اپنے قارئین کا ایک وسیع حلقہ بنا دیا ہے، آپ کے والد گرامی صدر المدرسین پر ایک انتہائی علمی اور تاریخی دستاویز بھی آپ کے قلم کا شاہکار ہے،آپ کی زندگی کی آخری نظم ''ماہنامہ الحق'' میں داستان دلکشاء درزمان ،ابتلاء'' کے نام سے شائع ہوئی اور اس کے بعد آپ کا قلم ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگیا ،مولانا فانی صاحب نے اپنی مستعار زندگی کے لمحات پورے کرلئے اور دنیا سے رخصت ہوگئے اپنی زندگی سے انہوں نے علمی دنیا کو جو سبق دیا وہ یہ ہے کہ علم دین کے طالب علموں کو اس وقت جن چیلنجوں کا سامنا ہے اس کے لئے سطحی اور سری انداز نہیں بلکہ ٹھوس اور مضبوط علم حاصل کرنا ہوگا، قلم اور کتاب سے تعلق کا حال یہ ہو۔ ؎ لیلیٰ بھی ہمنشین ہو تو محمل نہ کر قبول

اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔



کس طرح ٹوٹے گا یا رب حلقہ زنجیر غم
آتشیں نالوں سے میرے وہ پگھل سکتا نہیں

(فانیؔ)

مولانا عبدالباری*

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں

ہوا تھی گو تند و تیز مگر چراغ اپنا جلا رہا تھا
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

حضرت استاد مولانا محمد ابراہیم فانی رحمہ اللہ نے جس ماحول اور گھرانے میں آنکھ کھولی، وہ ایک علمی، دینی اور مذہبی گھرانہ اور ماحول تھا۔ آپ کے والد ماجد فاضل دیوبند حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحلیم صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مایہ ناز استاد الکل گزرے ہیں، جو ابھی تک علمی حلقوں میں صدر صاحب کے لقب سے جانی پہنچانی شخصیت ہیں۔آپ کا پیدائشی تعلق ضلع صوابی کے علم وفضل میں مشہور ومعروف قصبہ ''زروبی'' سے ہے، جو عرصہ سے علم وعرفان، تصوف وسلوک، قرآن وحدیث کے علوم کا امین رہا ہے۔اسی قصبہ میں بہت سارے علماء وفضلاء، مفسرین، محدثین، فقہاء اور صلحاء امت گزرے ہیں جو اپنے وقت کے نابغہ روزگار، ماہرفی الفنون اساتذہ واساطین علم تھے۔ان حضرات کے قافلے کے شہسوار حضرت استاذ مولانا محمد ابراہیم فانی ؒ بھی تھے۔ جب بھی ضلع صوابی کے اہل علم وعرفان، صوفیائے کرام، مصنفین، شعراء اور اہل فن وقلم کا تذکرہ ہوگا، تو حضرت الاستاد کے بغیر ادھورا رہے گا۔زمانہ حال ہی میں جبکہ علمی وعملی انحطاط روز افزوں ہے، اور قابل قدر ماہرینِ فن واساطین علم یکے بعد دیگرے دنیا سے پردہ فرمارہے ہیں، اور زمانہ ''یذهب العلم بذهاب العلماء'' کا مصداق بن رہا ہے، ایسے کٹھن اور پرفتن دور میں اگرچہ اصحاب علم وفضل کی ضرورت روز افزوں بڑھ رہی ہے، لیکن خالق کے فیصلے کے سامنے مخلوق کی ہر تدبیر سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے مترادف ہے۔حال ہی میں استاد محترم حضرت العلامہ محمد ابراہیم فانی ؒ اپنے تلامذہ، خدام ومتوسلین کو سوگوار چھوڑ کر داغِ مفارقت دے گئے۔ ایسی علمی وہم گیر شخصیت کی وفات علمی دنیا کے لئے ایک زبردست المیہ ہے۔

ماكان هلكُ قيسٍ هلك واحدٍ لكن بنيان قوم تهدّما

* خادم دارالعلوم رحمانیہ مینیؒ وجامعہ عائشہ صدیقہؓ للبنات

اور ایسے اہلِ علم وفضل کے جانے سے جو خلا پیدا ہو جاتی ہے، اسکا پر کرنا مشکل ہوتا ہے۔حدیث کا مفہوم ہے کہ عالم کی موت سے اسلام میں ایک دراڑ پیدا ہوتا ہے۔نیز ارشاد ہے کہ پورے قبیلے کی موت ایک عالم کی موت سے ہلکی ہے۔لیکن کیا کرے؟ دنیا کا یہی دستور ہے، اور کوئی بھی دنیا میں نہ ہمیشہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔

ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اللہ کریم سے دست بدعا ہوں کہ حضرت االاستاد کی کروٹ کروٹ جنت الخلد میں داخل فرمادیں ،اور پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں ۔انشاء اللہ! حضرت استاد کے مایہ ناز خدّام اور تلامذہ آپ کے دینی ، تدریسی ، تصنیفی مشن کو آگے بڑھانے میں جدوجہد وکوشش کرتے رہیں گے، اور آپ کے علمی ورثے کو محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے رہیں گے ،جو یقیناً حضرت کے لئے اُخروی درجات کے حصول کا سبب بن کر" مَن صَاربالعلمِ حیًّا ، لَم یَمُت أبدًا " کا مصداق بنے گا اور آپ کی روحانی تسکین کا ذریعہ ہوگا۔

1990ء میں راقم الحروف نے دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا تو حضرت الاستاذ سے سال اول ہی میں شناسائی ہوئی ۔آپ ہمیں منطق کی کتابیں پڑھاتے تھے ۔قبل از درس آپ ضرور حاضری لیتے تھے۔اکثر طلباء لبیک کے بجائے یس سر کہتے تھے ،کیونکہ عموماً طلباء سکول وکالج سے پڑھ کر آئے تھے اور سکولوں میں حاضری کے دوران یس سر ہی کہا جاتا ہے، جس سے استاذ محترم کی طبیعت پر گرانی ہوتی، اس لئے طلباء کو سمجھاتے تھے کہ لبیک کہا کریں تاہم بعض طلباء پھر بھی ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہیں ، بلکہ بھول کر عادت کی وجہ سے یس سر کہتے تھے جس پر استاد محترم ناراض ہوکر کہتے کہ آپ لوگوں کے دماغ، مرغی کی طرح ہے کہ جلدی بات بھول جاتے ہو۔اللہ کریم نے تدریس کے ملکہ سے آپ کو نوازا تھا۔اور آپ طبعی طور پر درس وتدریس کے آدمی تھے، اور تدریس ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ گویا کہ علوم نبویہ اور فنون دینیہ کی تدریس بھی ان کی روح وجان کی اصل غذا اور مدارِ حیات ہے ۔علمی سرمایہ کو مقید کرنے اور آگے پھیلانے اور منتقل کرنے کا سب سے ذوداثر ومؤثر ذریعہ درس وتدریس ہے۔ ہمارے جتنے بھی اکابرین دیوبند واساتذہ کرام اکوڑہ خٹک میں گزرے ہیں ،ان کی شہرت اور علمی عظمت کی وجہ تدریس تھی ۔

حضرت الاستاذ کی طرز تدریس انوکھی تھی۔لمبی لمبی تقریریں اور خامخواہ قیل وقال کی بحث کرنا آپ کی عادت نہ تھی، بلکہ مختصر وقت میں سارے سبق کا خلاصہ قلیل الفاظ میں سمٹ کر بیان فرماتے ۔مشکل سے مشکل عبارت کے حل کرنے میں نہایت سہل انداز سے کام لیتے یہی وجہ تھی کہ غبی سے غبی طالب علم بھی سبق سمجھ لیتا۔مختصر وقت میں سبق ختم کر کے سیدھے درس گاہ سے باہر تشریف لے جاتے ۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہمارے ایک ساتھی جو کچھ بیماری کہ وجہ سے کسلمندی کے شکار تھے۔ایک دفعہ ایسے وقت میں سبق کے لئے درسگاہ آرہے تھے کہ حضرت الاستاذ

نے سبق ختم کر کے ہم درسگاہ سے واپس جارہے تھے۔

الغرض استاذ محترم نے تادم مرگ اشتغال بالعلم اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھ کر علم کے دریا بہاتے رہے۔آپ اپنی ذہانت ،تبحر علمی ورسوخ فی العلم کی بدولت تمام دینی وعلمی اور عوامی حلقوں میں نہایت مشہور تھے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ بلند پایا، ادیب ،مصنف اور مؤلف بھی تھے۔آپ اپنے علمی تالیفی کمالات میں اکابرین کے سچے جانشین اوران کا مایہ ناز یادگار تھے،جن پر آپ کی محققانہ مؤرخانہ اور ادیبانہ علمی تالیفات وتصنیفات شاہدعدل ہیں۔آپ کے کئی تصنیفات منظر عام پر آچکی ہیں،جن سے علماء اور عوام الناس استفادہ کررہے ہیں۔اور انشاء اللہ یہ کتابیں حضرت الاستاذ کی آئندہ نسلوں سے روحانی رابطے کا ذریعہ ہونگی۔حضرت الاستاذ ،پشتو ،فارسی ، اردو، ان تینوں زبانوں کے بیک وقت قادرالکلام شاعر تھے۔ میں ایک ڈاکٹر کے پاس بیٹھا تھا جو کہ ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ شاعری کا مشغلہ بھی رکھتے تھے۔اس نے کہا کہ حضرت فانی صاحب پشتو زبان کے وہ واحد شاعر ہیں جس کا فارسی زبان میں مجموعہ چھپ کے آرہا ہے،جبکہ اور حضرت الاستاد کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آچکی ہیں۔

بایں علم وفضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے باوجود حضرت الاستاد عادات واطوار کی سادگی میں خود اپنی مثال آپ تھے ہر قسم کی تکلیف سے دور رہتے۔گفتگو طرز کلام میں کوئی تصنع نہ تھا۔سادہ وضع کے کپڑے پہنتے تھے۔لباس میں کسی قسم کے ترفہ وتصنع سے کام نہ لیتے۔اپنے شاگردوں کے ساتھ حدود کے اندر انتہائی شفیقانہ رویہ رکھتے تھے۔آپ نہایت خاکسار اور شریف الطبع قسم کے آدمی تھے۔طبیعت میں ظرافت بھی تھی لیکن ایسا برمحل استعمال کہ آپ کے رعب وادب میں کوئی کمی نہ آتی۔ ہمارا ایک رشتہ دار جس کا نام گوہر زمان ہے،اس کا حضرت الاستاذ کے ساتھ زمانہ طالب علمی میں بہت تعلق تھا۔درجہ خامسہ کے سال جبکہ ہم حضرت الاستاد سے متنبّی پڑھ رہے تھے، آپ ہمارے کمرے تشریف لے آئے کمرے میں کئی ساتھی تھے۔مولوی نقیب احمد جہانگیروی بھی موجود تھے۔تو انھوں نے ہنس کر حضرت الاستاذ سے کہا کہ مولوی گوہر نے گناہ کبیرہ وصغیرہ دونوں سے توبہ کی ہے اس جملہ سے ساری مجلس بہت محظوظ ہوئی۔

ایک دفعہ میں نے حضرت سے کہا کہ چائے کے لئے ہمارے کمرے میں تشریف لے آئیں حضرت نے اثبات میں سرہلایا کہ میں آرہاہوں میں کمرہ جاکر نہایت پریشان ہوا کہ کمرے میں کوئی ساتھی نہیں ،کیونکہ چائے کے ساتھ عدم ذوق کی وجہ سے چائے بنانا مجھے نہیں آتا، تاہم! ساتھ والے کمرے کے ایک ساتھی سے رہنمائی حاصل کر کے چائے میں نے بنائی۔معلوم نہیں چائے کیسی تھی تاہم حضرت الاستاد نے نوش فرمائی۔

زمانہ طالب علمی کے بعد بھی کبھی کبھار حضرت الاستاد سے ملاقات ہوتی تھی۔نہایت محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے۔آپ کا ہنس مکھ اور پرنور چہرہ دیکھ کر ہمارا دل خوشی سے جھوم اٹھتا۔حضرت نے میری پہلی تالیفی اور

تصنیفی کاوش ''تقویٰ واہل تقویٰ'' پر شاندار تبصرہ بھی لکھا تھا، جو یقیناً میرے لئے اعزاز ہے۔آپ تحریری وتالیفی میدان میں اپنے شاگردوں کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے، اور اس میدان میں قدم رکھنے پر مبارک باد پیش کرکے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت الاستاذ کے ساتھ اس عاجز کی بہت ساری یاداشتیں وابستہ ہیں۔حضرت کا میرے والدمحترم (جو کہ حقانیہ کے فضلاء میں سے ہیں، اور حضرت الاستاذ کے ہمنوا بھی تھے) کے ساتھ اچھا تعلق تھا۔ملاقات کے دوران ضرور مجھ سے میرے والد صاحب کی خیریت دریافت فرماتے تھے حضرت کی علالت کا علم پہلے سے تھا، لیکن شدت مرض کی خبر اکوڑہ خٹک ہی میں ہوئی۔وہاں ایک صاحب نے کہا کہ حضرت کا شوگر بہت ہائی ہے، جس سے آپ کے دونوں گردے بھی متاثر ہیں۔یہ جانکاہ خبر سن کر نہایت پریشانی ہوئی اور بہت شدت کے ساتھ ملاقات وبیماری پرسی کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔حضرت حیات آباد کمپلکس ہسپتال کے کڈنی سنٹر میں زیرعلاج تھے۔آپ کے انتقال پرملال سے دودن قبل مولانا عصمت اللہ لکی مروت بھائی، بختیار مینوی اور راقم اثیم ہم تینوں ہسپتال گئے، لیکن حضرت الاستاد کی حالت دیکھ کر پریشانی میں اوراضافہ ہوگیا۔ہم اپنے اس استاد کے سامنے ایسی حالت میں کھڑے تھے کہ کسی زمانے میں جب آپ کے سامنے آجاتے، تو مصافحہ پر اکتفاء کئے ہوئے بغیر پرجوشیلے انداز میں معالقہ کرتے اور ایک سانس میں کئی باتیں کرجاتے۔لیکن وہی شخصیت ایسی خاموش کہ ہمارے آنے سے بے خبر۔ وہاں موجود حضرت الاستاد کے صاحبزادہ اور شاگردوں سے ہم نے پوچھا کہ حضرت کی بیماری کا کیا حال ہے؟ وہ نہایت مطمئن تھے کہ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ حضرت جلد ہی روبہ صحت ہوجائیں گے۔تاہم! حضرت کی ظاہری خدوخال دیکھ کر دل کو یہ باور کرانا مشکل تھا۔ایسا لگتا تھا کہ حضرت الاستاد بہت جلد ہی دنیا کی سرحد کو پار کرکے آخرت کے میدان میں پہنچ جائیں گے۔بلاریب! موت وحیات اس عالمِ کون وفساد کا خاصہ ہے۔زندگی موت کی تمہید ہے۔یہاں کا مقیم کل کا مسافر ہے۔اللہ کا تکوینی فیصلہ ہے ''کلُّ نفس ذائقة الموت'' سے نہ نبی مستثنیٰ ہے، نہ ولی، نہ عالم اور نہ جاہل، سب نے موت کا پیالہ چھکنا ہے۔

بدھ کے دن کسی نے موبائل پیغام پر یہ جانکاہ خبر بھیجی کہ حضرت الاستاد محمد ابراہیم فانی وفات پاگئے۔ان کا پہلا جنازہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں ادا کیا جائے گا اور دوسرا اپنے گاؤں زروبی میں۔گویا حضرت الاستاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے ایسے جدا ہوگئے کہ اگر سمندر کو کھنگال لائے تو بھی نہیں ملیں گے

چل دیئے آخر زبانوں یہ کہانی چھوڑ کر
عالمِ باقی کی جانب دارِ فانی چھوڑ کر

☆ ☆ ☆

جناب شیرزادہ *

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

چند دن پہلے پاکستان، بالخصوص خیبر پختونخوا کے علمی و ادبی حلقوں کو سوگوار بنا کر دیوبند ثانی جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کا ایک مایہ ناز فرزند، مشاق مدرس، مشتاق ادیب، کہنہ مشق شاعر، پیکر صدق و اخلاص، صوبہ بھر کے استاد العلماء اور سابق صدر المدرسین جامعہ حقانیہ حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کے صاحبزادے، حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی مختصر علالت کے بعد اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے۔ ان کی موت کا ماتم تنہا دارالعلوم حقانیہ یا زروبی کا ماتم نہیں، پوری ملتِ اسلامیہ کا ماتم ہے۔ اخلاق، شرافت، سنجیدگی، علم و ادب، قرطاس و قلم، شعر و غزل اور فضل و کمال کا ماتم ہے۔

مرثیہ ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا

وما کان قیس هلکه، هلك واحد ولکنه بنیان قوم تهدما

مرحوم کا شمار ان گنے چنے علماء میں ہوتا ہے، جنہوں نے بہت کم عمری میں علمی پختگی کے شاندار معرکے سر کئے، دیوبند سے وابستہ علمی حلقوں میں زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شعر و شاعری میں نفاست، روانی، آمد اور زبان و بیان میں طلاقت و سلاست سے متصف تھے، اسی طرح الفاظ و معانی کے انتخاب میں حد درجہ مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے علماء کو شعری زبان میں خراج عقیدت پیش کیا، ان کی تاریخہائے وفات کو بہت عقیدت کے ساتھ درد بھرے معنی خیز اور نصیحت آموز قطعات میں بیان کئے۔ ملک بھر کے بلند پایہ رجالِ فن اور جبال علم علماء کی مجالس ومحافل سے فیض یاب ہوئے اور خود ان کو بھی اپنے علمی و ادبی رسوخ و تجربے سے فائدہ پہنچایا۔ دارالعلوم حقانیہ جیسے مرکز علم و العلماء کی مرکزی و معیاری حیثیت اور مقام و مرتبہ نے ان کی صلاحیتوں کو جلا بخشی، اور کم عمری ہی میں آسمانِ علم و فضل کا تابندہ و درخشاں، منور و ضوفشاں ستارہ بن گیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی کرامات تھیں کہ ملک بھر سے بہترین دماغ کے مالک اور اعلیٰ وارفع ذہنی صلاحیتوں کے اصحاب ان کے قائمہ کردہ اس عظیم درسگاہ میں جمع ہوئے، ایسے عظیم رجال کار کہ ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک پوری جماعت پر بھاری اور اپنی ذات سے ایک انجمن تھا۔ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد فرید صاحبؒ اور صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم

* پرنسپل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول مدین سوات

زروبویؒ کا نام اس خطے میں ایسا کون ہے جس نے نہیں سنا ہوگا۔ مولانا عبدالحقؒ کی کرامات ہیں اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی حسنِ قیادت اور مثالی رہبری ہے کہ آج بھی جامعہ حقانیہ ملک وملت کی علمی' سیاسی ادبی اور روحانی رہنمائی میں قائدانہ کردار ادا کررہا ہے۔ جان جوکھوں میں ڈال کر انسانیت کے خونِ مقدس کی حفاظت اور ظلم و بربریت' سفاکی اور درندگی کو روکنے کی سعی مشکور فرمارہے ہیں۔

تاریخ ایک طرف اس کی فضاؤں میں درس وتدریس کے زمزمے محفوظ کررہی ہے' تو دوسری طرف اس کی ادبی وتحریری کمالات کو حیطہء تحریر میں لارہی ہے اور اس کی علمی انجمنوں' بیٹھکوں' مجالس ومحافل کو حرزِ جان بنارہی ہے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی بظاہر تو یہاں سے اٹھ کر اپنے بزرگوں اور اساتذہ کی تلاش میں دور کہیں نکل گئے ہیں' مگر ان کے علمی مذاکرے' شعری زمزمے' تحریری شذرے' ادبی چٹخارے اور بے مثال احبابی دھرنے یادرہیں گے۔ لعمرك ماواری التراب فعاله ولكنها واری ثیابا و أعظما

تعجب ہے قبرِ فانیؔ پر کہ اس نے کس طرح علم کے اس پہاڑ کو اپنی تنگنائیوں میں سمویا۔

ویا قبر فانی[(۱)] ، کیف واریت جوده وقد كان منه البر والبحر مترعا

حقانیہ کی افسردہ فضاؤں اور پژمردہ صبح وشام سے کوئی پوچھیں کہ مفتی محمد تقی عثمانی آئیں گے' ڈاکٹر شیر علی شاہ مدنی' مفتی غلام الرحمٰن' مولانا عبدالقیوم حقانی اور قاری محمد عبداللہ جمع ہوں گے' تو مولانا محمد ابراہیم فانی کو اب کون مجلس میں شرکت پر آمادہ کرے گا؟ جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب کی حرمین میں سنائی عشق ومحبت کی والہانہ نعت اب انہیں کون دردبھری آواز میں سنائے گا۔ اور فانیؔ کے تخلص کے ساتھ کون فنا فی اللہ کی باتیں نظم کرے گا؟

اب بزمِ علم وفن نظر آئے نہ کیوں بے نور سی جس سے روشن تھا چراغِ علم وفن جاتا رہا

ہائے! ہم فانی کو صرف ان کے تخلص اور ایک لفظی کھیل تماشا سمجھ بیٹھے تھے' ہمیں کیا خبر تھی کہ فانی کو اتنی جلدی ہے اور منزل پہ پہنچنے میں انہیں دیر ہورہی ہے' حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی کی کتابوں پر تبصرے ''نقوش حقانی'' پڑھتا ہوں تو ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملے پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شانِ حضورؐ میں والہانہ اور بے ساختہ زبان سے کہی ہوئی نعتوں کو پڑھ کر' دربار نبویؐ سے ان کے تعلق پر عش عش کر اٹھتا ہوں۔

تصنیف وتالیف :

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؔ اعلیٰ پائے کے علمی ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے' ان کے والد صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ حضرت

---

(۱) اصل شعر میں ''فانی'' کی بجائے ''معن'' ہے

مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ جیسے اساطین علم کے شاگرد تھے۔منبع فیض دارالعلوم دیوبند کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس کے فارغ التحصیل درس و تدریس' خطابت ادب اور تحریر و تصنیف کے میدانوں کے شہسوار ہوتے ہیں' چنانچہ یہ سب خوبیاں صدرالمدرسین میں جمع تھیں اور وہاں سے مولانا فانی کو وراثت میں ملیں۔اسی طرح مولانا محمد ابراہیم فانی کی بہترین تربیت ہوئی اور وہ حقانیہ کے سینئر مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر' ادب' تصنیف و تالیف' تدوین و تادیب کے ماہر فن اور یکتائے زمانہ تھے۔انہوں نے پہلی تصنیف اپنے والد محترم حضرت مولانا عبدالحلیمؒ متوفی ۱۹۸۳ء پر لکھنے سے شروع کی' ان کی یہ پہلی تصنیف ۱۹۹۰ء کو منظر عام پر آئی۔اس تصنیف میں انہوں نے بہت اعلیٰ مہارت' فنی رسوخ' زبان پر عبور اور عمدہ ترتیب و تدوین کا مظاہرہ کیا۔یہ کتاب دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے' میری خوش قسمتی ہے کہ یہ کتاب مجھے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی نے اپنے کتب خانے سے عنایت فرمائی اور اپنے محبوب دوست فانی کے ساتھ والہانہ محبت و تعلق کے ناطے مجھ ناچیز کو لکھنے پر ابھارا۔حضرت حقانی کو اللہ تعالیٰ نے اکابر و اصاغر سے نزدیک ترین تعلق قائم رکھنے کا بہت اعلیٰ ذوق عطا فرمایا ہے۔اس مصروف ترین دور میں فون پر اور خطوط کے ذریعے تعلق کو جوڑے رکھتے ہیں۔یہ تعلق اتنا پکا اور مضبوط ہوتا ہے کہ مرنے والوں سے بھی بصورتِ دعا' تحریر' نثری مرثیوں اور لواحقین سے قریبی رابطوں کے ذریعے ہمیشہ جڑا رہتا ہے۔اب کی بار مولانا فانی کو حقانی صاحب برابر یاد فرماتے رہتے ہیں اور زبانِ حال سے بتاتے رہتے ہیں کہ ع رفتید ولے نہ از دل ما

اسی طرح مولانا عبدالقیوم حقانی کی کتابوں پر انہوں نے وقتاً فوقتاً جو تبصرے اپنے گہر بار قلم سے قرطاس پر منتقل کیے وہ بعد میں ''نقوش حقانی'' کے نام سے چھپ گئے۔یہ تبصرے بجائے خود ایک علمی خزانہ اور بکھرے لعل و جواہر ہیں جو ایک سچے اور محبّ صادق ساتھی نے دوسرے صدیق مکرم کو پیش کیے ہیں۔مولانا حقانی نے جو کچھ لکھا اس کی تو ایک دنیا معترف ہے مگر فانی مرحوم نے جس ذوق وشوق اور دل کی گہرائیوں سے انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے وہ ایک علمی و ادبی متاعِ گرانمایہ ہے۔تبصرے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے دوست کے کام کو اجاگر کرتے ہوئے بین السطور انہوں نے بلاقصد اپنے علم و فضل کو منظر عام پر لایا ہے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں گفت آید در حدیث دیگراں

''نقوش حقانی'' کے پیش لفظ میں فانی نے جو کچھ لکھا ہے' وہ قلم پر ان کی گرفت اور ایک مشاق و باکمال ادیب ہونے کی دلیل اور ایک صاحب کرامت و پارسا شخصیت ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ملاحظہ ہو:

''آخر میں اپنے معزز قارئین سے اجازت چاہتا ہوں اس دعا کیساتھ کہ اللہ تعالیٰ برادرم مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کو مزید لکھنے کی توفیق ارزانی فرمائے کیونکہ ابھی آپ کی عمر بھی شباب پر ہے اور قلم پر بھی بہار ہے۔

حیات مستعار کے یہ بہترین لمحات اگر قوم و ملک اور دین و ملت کی تعمیر و ترقی میں گزر جائیں تو یہ نہ صرف عظیم الشان ملی خدمت ہے بلکہ باعث اجر وثواب عبادت اور جہاد ہے۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
برسوں مجھے گلشن کی فضا یاد رکھے گی

غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک جانے والے کے الوداعی کلمات ہیں جو غیرارادی طور پر ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں اور دکھ درد وغم واندوہ کے موجودہ لمحات میں ان کا پیام تازہ معلوم ہورہا ہے۔

فانی کی شعروشاعری:

علماء دیوبند کا ایک امتیازی وصف ان کا ادبی ذوق اور بلند پایہ شعری رجحان ومیلان ہے' چنانچہ اس سلسلے میں تقریباً سب بڑے بڑے جبال علم نے باقاعدہ طبع آزمائی فرمائی۔حضرت مولانا اعزاز علی کی ادبی مہارت کسی سے مخفی نہیں۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آپؐ کی شان میں ''قصیدہ بہاریہ'' کہہ کر آپؐ کے ساتھ عشق ومحبت کا ثبوت دیا۔حضرت مولانا شرف علیؒ نے بھی شعر میں طبع آزمائی فرمائی ہے' مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے آپؐ کی شانِ اقدس میں قصیدے پیش کئے' اس شان کے ساتھ کہ عرب بھی ان کی اعلیٰ ادبی اور فنی مہارت کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہے' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور ان کے فرزندان ارجمند زکی کیفیؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی شعر میں طبع آزمائی کی۔تقی عثمانی صاحب نے روضہ اقدس پر جو قصیدہ پیش کیا ہے' وہ ان کے عشق رسول میں شوریدگی کی دلیل ہے۔زکی کیفی تو بڑے مشتاق شاعر گزرے ہیں' ان کا مجموعہ شعر وغزل ''کیفیات'' کے نام سے چھپ گیا ہے۔ہمارے بچھڑے محترم مولانا فانی اردو' پشتو' عربی اور فارسی چاروں زبانوں میں باکمال شاعر تھے' ان کے شعری مجموعے قبولیت کا مقام پاچکے ہیں۔چند ایک شعری مجموعے یہ ہیں: ''نالہ زار''، ازغی دتمنا''، داغہائے فراق''، ویرژن تصورات''،''یا دردونہ پہ خندادی''،''شاہین دَتخیل'' اردو مجموعہ کلام' دپختو غزلیاتو مجموعہ'' اردو' فارسی اور عربی مرثیوں کا مجموعہ' پشتو شاعری کا مجموعہ' پشتو غزلیات کے تین مجموعے۔

اس وقت میرے سامنے ان کا پشتو غزلیاتی مجموعہ بنام ''شاہین دَتخیل'' موجود ہے' اس کے پہلے صفحے پر ان کا یہ شعر ان کے اعلیٰ شعری ذوق پر دلالت کرتا ہے۔

جوڑہ ھنگامہ وہ تماشی تہ مِ خلقت ولاڑ   وخت چی خیژ ولی ز پہ دار وُم خوتانہ لیدم

اگر میں اس شعر کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی بجائے درج ذیل فارسی شعر پیش کروں تو زیادہ موزوں ہوگا۔

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست   تو نیز برسرِ بام آ کہ خوش تماشائیت

انہوں نے اپنے والد محترم حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کو شعری زبان میں مختلف اوقات میں جو نذرانے پیش

کئے ہیں ان کا ہر ایک شعر انتخاب ہے' مگر بطور نمونہ ذیل کے چند اشعار ملاحظہ کر کے ان کے شعری ذوق کی داد دیجئے۔ یہ اشعار انہوں نے اپنے والد کی جدائی میں کہے ہیں' جو آج خود ان کے فراق پر سماں باندھ رہے ہیں۔

وہ کیا دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد نہیں ۔۔۔ وہ کیسے لب ہیں جن پہ نوحہ وفریاد نہیں
شکوہ سنجی پر اتر آئے ہیں اے پیر فلک ۔۔۔ اسیرِ دام کو کیوں شکوہ صیاد نہیں
تیرے حضور یہ نذرانہ لے کے آیا ہوں ۔۔۔ غم ِ فراق سے فانی ترا آزاد نہیں
آہ! کسی کی موت پر یہ نالہ وشیون ہے آج ۔۔۔ حیف کس کے ہجر کے نوحہ پر تر دامن ہے آج
کس کی رحلت سے متاع اہل دانش لٹ گئی ۔۔۔ کس کے جانے سے خزاں منظر یہی گلشن ہے آج
دم گرفتہ درگلو ہے خوشنوائے عہد گل ۔۔۔ حسرتا خاموش وہ فانوس علم و فن ہے آج
آہ فانی رفت از دنیائے دوں شیخ زمن ۔۔۔ خاک کی آغوش میں خوابیدہ اک مخزن ہے آج
اب کہاں وہ بزمہا وحلقہ ہائے علم وفن ۔۔۔ حسرتا ایسی محافل سے ہوئے محروم ہم
فانی بیچارہ اُف یہ کون زیرِ خاک ہے ۔۔۔ درحقیقت نازش اہل عرب فخر ِ عجم

تیری تربت پر چراغ ِطور نور افشاں رہے
حشر تک تو ہم نشین رحمت یزداں رہے

مولانا عبدالقیوم حقانی سے والہانہ تعلق:

فخر حقانیہ' ادیب شہیر اور نابغہ روزگار شخصیت حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا محمد ابراہیم فانی کا ایک دوسرے کے ساتھ سگے بھائیوں جیسا تعلق رہا ہے' تصنیف و تالیف کے میدان میں دونوں نے ایک ساتھ قدم رکھا' چنانچہ اول الذکر نے حضرت شیخ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے آمالی ترمذی کو ''حقائق السنن'' کے نام سے مرتب کئے' توضیح السنن اور شرح شمائل ترمذی کو مرتب کیا اب صحیح مسلم کی شرح کا ۱۶ جلدوں میں شائع کرنے کا انتظام ہو رہا ہے' دفاع امام ابوحنیفہ'کو دیوبند سے سراہا گیا' ارباب علم وکمال اور پیشہ رزق حلال پر نیشنل بک فاؤنڈیشن نے تعریفی سرٹیفیکیٹ دیا۔ ان سب اور ان کے علاوہ کئی دیگر کتب پر مولانا فانی نے منظوم ومنثور کلمات کہے۔ مولانا فانی نقوش حقانی میں لکھتے ہیں: ''برادر محترم حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی اور راقم السطور مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں موقوف علیہ اور دورہ حدیث شریف میں ہم سبق رہے ہیں' اور یہ حسن اتفاق کہ یہاں دارالعلوم میں سات آٹھ سال سے تدریسی ہم سفر بھی ہیں۔

ماو مجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق ۔۔۔ او بصحرا رفت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم

بنا بریں تعلق جس دن میں نے اخبار میں وفات فانی کی المناک خبر پڑھی' تو حضرت حقانی ہی کو تعزیت کا مستحق سمجھا

کہ وہ ہی ان کے ہم دم دیرینہ اور صحیح واقف حال تھے۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو زمانے پر کیا گزری

تحریر میں ادبی تنقید کی جھلک:

مولانا محمد ابراہیم فانی بے شک بہت بڑے شاعر وادیب تھے' مگر ساتھ ساتھ ان کی تحریر میں ادبی تنقید کی جھلک بھی موجود ہے ملاحظہ ہو:

''مولانا حقانی کی اردو تحریروں خصوصاً ان کی زیر بحث کتاب ''ارباب علم وکمال'' میں ایسے مرکب الفاظ بکثرت ملتے ہیں' جو صفت وموصوف اور مضاف ومضاف الیہ سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان مرکبات اضافی وتوصیفی نے مولانا کی تحریروں اور عبادتوں میں نہایت شرینی اور خوبصورتی پیدا کی ہے' مسلمہ اردو' ادیبوں کی تحریروں میں ایسے مرکبات بکثرت پائے جاتے ہیں' ان مرکبات سے اردو ادب میں وسعت اور حسین اضافہ ہوا ہے' اور ادیبانہ اور فطری ذوق کے لئے یہ موجب تسکین بھی ہیں' اس قسم کی ترکیبات کے موجدوں میں غالب' مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غالب نے جو بہت سی ترکیبیں ایجاد کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں' مثلاً موجِ خرام یار' دلفریبی انداز نقش پا' بت مشکل پسند' جلوہ زار آتش دوزخ وغیرہ''

صحبت یار آخر شد:

یہ مولانا فانی کا تجویز کردہ عنوان ہے جو آج خود ان کے لئے استعمال ہو رہا ہے' ملاحظہ ہو'' اور یہ بھی ایک عجیب لطیفہ ہے کہ جب حضرت الشیخ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو برادر مکرم مولانا حقانی اور راقم کچھ تذکرہ کر رہے تھے' اس میں ذکر ان ملاقاتوں کا آیا جو کہ آپ بعد العصر حضرت الشیخؒ کی بابرکت مجلس میں حاضری میں کیا کرتے تھے' میں نے ان سے کہا کہ اب تو اس سلسلہ میں قارئین ''الحق'' محروم ہو جائیں گے۔ پھر راقم نے مولانا کو عرض کیا کہ اس آخری صحبت کا عنوان یہ رکھ دیں ''صحبت یار آخر شد'' اور یہ عنوان بندہ (فانی) نے آپ کو اس شعر سے مستعار لے کر کہا: حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد (نقوش حقانی ص:۵۶)

چنانچہ راقم التحریر مولانا فانؔی کے درجہ بالا الفاظ بلاکم وکاست خدا ان کیلئے بطور ''بضاعتنا رُدت الینا'' استعمال کر رہا ہے اور آخر میں مولانا سید سلیمان ندوی کے ان اشعار کے ساتھ اجازت چاہتا ہے:

رحمت الله علیك خیر اخلاف الکرام نم قریر العین فی قبرك الی یوم القیام
کنت فی الدنیا سلاما صرت فی دار السلام امسکت الموت خطیب القوم حسان الکلام

ع آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مفتی ظہور اللہ حقانی

گل رفت از گلستانِ حقانیہ

داغ فرقت سے قلوبِ مجروحہ کے لئے اپنے محبوب استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب ''نور اللہ مرقدہ'' کا ذکرِ جمیل مرہمِ شافی سے زیادہ موجبِ تسکین ہوتا ہے۔

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک

استاد محترم حضرت فانی صاحب کا ہم کو یتیم چھوڑتے ہوئے چند روز ہوگئے ہیں، مگر اس صدمۂ جانکاہ کی ٹیسیں دل و دماغ میں اب تک محسوس ہوتی رہتی ہیں، اور معلوم نہیں کہ یہ کیفیت کب تک برقرار رہے گی؟ بلکہ اب تک تو سارا گلستانِ حقانیہ ''کومے'' کی حالت میں ہے۔ استاد محترم کی اچانک رحلت کی وجہ سے میری دل و دماغ کی دنیا بدل گئی، زبان مقفل اور ذہن مفلوج سا ہوگیا۔

کوئی مزا مزا نہیں ، کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

چنانچہ ابھی تک عقل اور طبیعت کی کشمکش جاری ہے، اور استاد محترم کی رحلت پر حواس کی عینی شہادت کے باوجود طبیعت آپ کے لئے انتقال اور وفات جیسے الفاظ سے نامانوس اور متوحش رہی۔ رہ رہ کر یہی خیال آتا ہے کہ آپ ہم میں موجود ہیں، لیکن زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہوگیا کہ سر سے سایۂ استاد کے اٹھ جانے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ یقیناً کچھ ایسا ہی احساس مجھ جیسے ہزاروں بادہ خوارانِ مے کدۂ فانؔی کو ہوا ہوگا۔

یہ پیارا، مہرباں، نگہباں اور مشفق استاد ہم سے ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری اس دنیا سے نہیں گئے، کہیں سفر پر گئے ہیں اور ابھی آنے کو ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ موت بھی اپنا شکار منتخب کرنے میں دقّتِ نظر سے کام لیتی ہے، اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہا کرتی ہے۔ چنانچہ اکثر لاخیرے، دوشِ ہستی کے لئے بارگراں اور لوحِ جہان پر ''حرف مکرر'' قسم کے لوگ، بے تکان عرصہ دراز تک جئے چلے جاتے ہیں، جب کہ ''مردِ خلیق''، ''گرہ کشا'' اور ''کارساز'' بہت جلد رختِ سفر باندھ لیتا ہے۔

---

* بن مولانا مفتی سیف اللہ حقانی

ہزار پھولوں سے آباد ، باغِ ہستی ہے
اجل کی آنکھ ، فقط ایک کو ترستی ہے

ہائے صیّادِ اجل! تو جانتا ہے کہ تو نے کیسا سائبانِ رحمت چھین لیا ہے؟ کہ جس طرف بھی دیکھتا ہوں، آہ وبکا سن رہا ہوں، اور عوام کا نالہ ونوحہ یوم محشر کا سماں پیش کر رہا ہے۔

اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آسمان رو رہا ہے۔ زمین آنسو بہا رہی ہے۔ چرند وپرند گریہ کناں ہیں۔ بلکہ دریا کی مچھلیاں اور زمین کی چیونٹیاں تک ماتم کر رہی ہیں۔

یبکیک السّماءُ و نیراھا وھذی الارض ھا مدةٌ تمیل
یبکیک البحارُ و ماحوتُھا وتبکیک الحزونةُ والسَّھول

اور...... چھوڑ کر دنیا ''فانی'' چل دیئے
زیر دامانِ الٰہ العالمین

میں وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو کبھی کم نہ ہونے والے غم کا اظہار کرسکیں؟

بکت عینی وزاد بی العویلٌ وھل بدموعھا یشفی العلیلٌ

میں کوئی اکیلا اس غم میں مبتلا نہیں، بلکہ ہر کوئی چشم اشکبار و دامن تر ہے

حالِ من درہجر کم تراز یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ایم

کسی خاندان کا بزرگ رخصت ہوتا ہے تو لوگ پسماندگان سے تعزیت کرکے ان کا غم ھلکا کردیتے ہیں، لیکن جب ایک عظیم ہستی دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرماجائے۔ جس کے روحانی فرزند ہر خاندان میں کثیر تعداد میں موجود ہوں، اور جس عالم کی موت حقیقت میں عالَم کی موت ہو، ہر مسلمان اپنے کو یتیم سمجھنے لگے، اور گھر گھر اس کا ماتم ہونے لگے، تو کس کس کے پاس تعزیت کے لئے جائیں؟ پس یہی مناسب ہے کہ سب مل کر چپکے چپکے روئیں، اور تلاوت قرآن مجید کرتے رہے ان کی روحِ پاک کو ایصال ثواب کرکے فیض حاصل کرتے رہے۔ خود محترم استاد اپنی شعری زبان میں فرمارہے ہیں۔

دومرہ حق خود ''فانی'' دربانديے شتہ دے
خو گلونہ ئی پہ مزار او غوڑوہ

جب کبھی بندہ راقم پریشان وافسردہ ہوکے استاد محترم کے پاس جاتا، تو ساری پریشانیاں ختم ہوجاتیں۔ بہرحال خوشی ہو یا غم، حضرت استاد محترم سے ملتے، کیونکہ وہ خوشی کو دوبالا اور غم کے لئے زود اثر مرہم، ہم دست کردیتے۔ بعض

دفعہ ملنے کا وقفہ دراز ہو جاتا، لیکن اس احساس سے خوش رہتا کہ وہ موجود ہیں، جب چاہوں گا، ملاقات ہو جائے گی۔
آہ! اب کس کے پاس اس اعتماد و یقین کے ساتھ جائیں گے کہ ان شاء اللہ نہ صرف یہ کہ تشنہ کام نہیں آئیں گے، بلکہ کہ غیر حاضری کے اس عرصے میں، صحرائے زندگی نے جو کانٹے چبھودئے ہیں سبھی یک لخت نکل جائیں گے۔

...... جلوہ افگن تھیں، یہاں کیا کیا مبارک ہستیاں
دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے پنہاں ہوگئیں
اب کہاں ''واصف'' ملیں گے وہ گذشتہ صحبتیں
اب وہ باتیں سربسر خوابِ پریشاں ہوگئیں

وہ مجالس ومحافل جو حضرت محترم استاد جی کے ہوئے ہیں ان کا کیف ودلربا منظر اب تک میرے سامنے ہے۔ ان صحبت ومجالس کی بدولت ہمیں استاد محترم سے علمی وادبی سرمایہ نصیب ہوتا اور عجیب وغریب نکات معلوم ہو جاتے۔
استاد محترم ہر شریکِ محفل ساتھی کو اس انداز سے مخاطب کرتے گویا کہ ان کی برسوں پرانی بے تکلف یاری ہو

...... جب کبھی اہلِ وفا یاد کریں گے مجھ کو
جانے کیا کیا میری روداد کے عنوان ہوں گے

حضرت محترم استاد کی صحبت میں رہ کر طبیعت میں بشاشت آتی، اور دل مسرور ہوتا

...... ہجوم کیوں ہے زیادہ ''شراب خانے'' میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے ''مردِ خلیق''

والد محترم حضرت مفتی صاحب کیساتھ عقیدت ومحبت:

اور حضرتِ استاد ''فانی'' صاحب کے مابین محبت وادب کا رشتہ

حضرتِ استاد محترم فانی صاحب میرے حضرت قبلہ والد صاحب حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی دامت برکاتہم کے استاد شیخ الحدیث والتفسیر، الامام الفقیہ مولانا عبدالحلیم نوراللہ مرقدہٗ کے فرزند ارجمند تھے، اسی وجہ سے ان کو بہت ہی عزیز جان رکھتے تھے اور ان سے محبت، احترام اور ادب کا معاملہ فرماتے تھے، اور یہی محبت کا معاملہ حضرت استادِ محترم ''فانی'' صاحبؒ کا احقر کے ساتھ بھی فرماتے تھے۔
استادِ محترم حضرت ''فانی'' صاحبؒ نے جناب قبلہ والد صاحب کی شان میں ایک قصیدہ تحریر کر کے خود فریم کرادیا تھا، اور پھر اس فریم شدہ قصیدہ کو لے کر حضرت قبلہ والد صاحب کی خدمت میں پیش کر کے سنایا تھا جس سے اس وقت کے شرکائے محفل کافی محظوظ ہوئے تھے ۔

......جذباتِ عقیدت......

سیفِ رب ہے بالیقین اور اک مجاہد سربکف | دشمنانِ دین کے جو چیرتا ہے صف کے صف

باوجودِ نابغیّت سادگی میں بے مثال | ان کے افتاء وقضاء کی دھوم ہے چاروں طرف

کس قدر بیگانہ دنیا وعلائق سے ہے وہ | خدمتِ دینِ متین ہے روز وشب ان کا ہدف

مفتیٔ شرعِ مبیں ہے عکسِ ایثار وفا | سّرِ دیں ان پر ہوا ہے فضلِ رب سے منکشف

درحقیقت واہ ''فانی'' وہ فنا فی العلم ہے | درس وتدریس ومطالعہ سے ہے بس ان کا شغف

کتبہ طالبِ دعا! العبدالجانی محمد ابراہیم فانیؔ عفی عنہ، بفرمائش مولوی محمد صدیق اخوانزادہ بلوچستان ۱۲/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ/ ۱۷جنوری ۲۰۱۱ء

''ہمارے جامعہ معہد الفقہ والافتاء والقضاء (اکوڑہ خٹک) کا جب بھی انعامی تقریب منعقد ہوتا تو جناب قبلہ والد صاحب ،حضرت استادِ محترم ''فانی'' صاحب کو تقریب کا مہمان خصوصی فرماتے ،اور اپنے ساتھ گاڑی میں آگے بیٹھا کر جامعہ آتے ۔جب حضرت استادمحترم دارالافتاء میں تشریف لے آتے تھے تو جناب قبلہ والدصاحب اپنی جگہ سے کھڑے ہوکر انکا استقبال کرتے اور اپنے قریب کرسی پر بٹھاتے اور روزانہ عصر ومغرب کے بعد استادمحترم کی وہ مجالس جو جناب قبلہ گاہ کیساتھ ہوتی ، ان مجالس کی مناظر ایک ایک یاد آرہے ہیں ۔گفتگو میں علمی مسائل وتحقیقات کا تذکرہ کے ساتھ ساتھ اکابر کے واقعات ولطائف بھی ،اپنے ذاتی اور نجی مسائل پر مشورہ بھی ہوتا اور ملکی وملّی حالات پر تبصرہ بھی۔غرض یہ کہ باہمی تعلق واعتماد کے وہ مناظر سامنے آیا کرتے تھے کہ جنہیں دیکھنے کے لئے آج میں کہاں جاؤں؟

استادمحترم کی شخصیت:

استادِ محترم حضرت فانی صاحب ایک سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے ۔شریں مقال، خوش مزاج، پاکیزہ طبیعت کے مالک ،تواضع کے پیکر، بڑے ظریف ،مرنجان مرنج طبیعت ، گفتار میں بلا کی شرینی ، متبسم لب، فرشتہ شکل اور پیکرِ مکارمِ اخلاق تھے ۔ان خصوصیات میں ایک بہت ہی ممتاز اور نمایاں خصوصیت آپ کی سادگی اور بے تکلف زندگی ، نہ پہننے اوڑھنے اور کھانے پینے میں تکلف تھا نہ رہن سہن میں کروفر، اور نہ گفتار وکردار میں کوئی تصنع وتکلف ، سیدھی سادھی گفتگو اور اخلاص وخیر خواہی میں ڈوبے ہوئے کلماتِ نصیحت، مسکرا کر بات کرنا ، یہ وہ اوصاف واخلاق تھے جو ہر ملنے والے کے قلب پر براہ راست اثر انداز ہوتے ۔

یہ عقیدت وعظمت اور محبت واخلاص کے اس لطیف رشتے کی چند منتشر یادیں اور غیر مربوط باتیں ہیں ۔ جن کی بساط میری زندگی کی اس ستائیس ۲۷ سالہ عرصہ میں استادِ محترم کی صحبت میں گزرے ہیں ۔اور یہ یادیں میری زندگی کا ایک قیمتی سرمایہ ہیں ۔

مولانا حافظ لقمان الحق حقانی*

فانی صاحب کا سفر آخرت

(جنازے کی مختصر روئیداد)

شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم فانی کی وفات حسرت آیات سے ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر طرف سے انسانوں کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر احاطہ دارالعلوم کی طرف رواں دواں تھا۔ ہم سب غم سے نڈھال دارالعلوم حقانیہ میں جمع تھے کہ اسٹیج سے مولانا سید محمد یوسف شاہ حقانی نے اعلان کیا کہ فانی صاحب کے دیرینہ دوست، ہم مجلس ہم مکتب وہم نشین مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب تشریف لائے ہیں، وہ خطاب فرمائیں گے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی کا خطاب:

مولانا عبدالقیوم حقانی نے مائیک سنبھالتے ہوئے خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا: خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا ، اللہ کا فرمان ہے کہ میں نے موت وحیات کو تمھارے امتحان کے لیے پیدا کیا ہے کہ تم میں سے بہترین عمل کرنے والا کون ہے؟ بھائیو !یہ دنیا دارالامتحان ہے، ہم سب نے یہاں سے جانا ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب خوش قسمت تھے کہ اس دنیا کی تکالیف اور آزمائشوں سے سکون پاگئے ، مولانا بہترین مصنف تھے ، ادیب تھے ، شاعر تھے ، مدرس تھے ، استاد تھے، شفیق ومحسن اتالیق تھے ، استاد حدیث تھے غرض اپنی ذات کے اعتبار سے ایک انجمن تھے ۔ابھی چند دن پہلے جامعہ ابوہریرہ کے اساتذہ ،بیمارپُرسی کیلئے گئے تھے' انہیں بتایا کہ حقانی صاحب کو میرا پیغام دینا کہ میں نے تمہارا ریکارڈ توڑدیا، میں نے ایک مہینہ میں بیماری کی حالت میں چھ کتابیں لکھی ہیں۔

بہر حال !وقت مختصر ہے، دیگر اکابر اور مشائخ بھی تشریف فرما ہیں: فانی صاحب کے ساتھ گزرے ہوئے ایام کو چند منٹ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ع سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کیلئے

اللہ تعالی فانی صاحب کو اعلی علیین میں مقام عطا فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کا خطاب:

حضرت حقانی صاحب کے بیان کے شروع ہونے سے پہلے علما وطلبہ کا جم غفیر دارالعلوم پہنچ چکا تھا، احاطہ مدنیہ اور مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی ، شاہ جی نے مائیک سنبھالتے ہوئے لوگوں کو پرسکون رہنے کی تلقین کی اور پیر طریقت

---

* مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

رہبرِ شریعت ولی کامل حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی دامت برکاتہم کو دعوتِ خطاب دیا' حضرت شیخ ہزاروی نے حمد وصلوۃ کے بعد فرمایا: کل نفس ذائقة الموت.

محترم علما کرام، مشائخ عظام اور طلبا عزیز! تقریر کا وقت نہیں ہے ہمارے محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفوراللہ صاحب تشریف فرما ہیں جامعہ دارالعلوم حقانیہ حقانیہ علم وعرفان، انوارات وتجلیات اور رشد وہدایت کا مرکز ہے۔ مولانا محمد ابراہیم فانی ایک عجیب ہستی تھے، ان کے والد مکرم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدر المدرسین تھے وہ بھی عجیب وغریب انسان تھے۔

میرے بھائیو! وفاداری بہت بڑی نعمت ہے، اس باپ اور بیٹے نے دارالعلوم کے ساتھ بہت وفاداری کی ہے۔ مولانا فانی کو قدرت نے عجیب صفات سے نوازا تھا، ادیب تھے، مصنف تھے، نعت خواں تھے، درود شریف سے عجیب محبت تھا، ایک مرتبہ مجھے پیغام بھیجا کہ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا میرا معمول ہے اور میں نے اپنی زندگی کے کل گزشتہ دنوں کا حساب لگایا ہے اور ہر روز کے حساب سے درود شریف پورا کیا ہے۔ یہ امتحانات بھی اللہ تعالی کے عجیب احسان ہوتے ہیں، ساری زندگی امتحانات میں رہے مگر صبر کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ آپ حضرات جو تشریف لائے ہیں تو یہ اس لیے کہ دارالعلوم حقانیہ کے استاد حدیث تھے آپ میں بھی بہت ساروں کا ان سے تعلق ہوگا، یہ آپ کا دارالعلوم سے قلبی تعلق ہے کہ اس قدر کثیر تعداد میں شرکت کی ایسے جنازے جیسا کہ میت کیلئے باعث مغفرت ہوتے ہیں ایسے شرکا کے لیے بھی اجر وثواب اور رضائے الٰہی کا سبب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی کروڑہا درجات نصیب فرمائے آپ سے بھی اس موقعہ پر یہی التجا ہے کہ دارالعلوم سے وفا کریں۔

آج میرے ایک استاد مولانا غلام ربانی صاحب بھی وفات پا گئے ہیں ان کا نمازِ جنازہ پانچ بجے ہے۔

سب حضرات مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر فانی صاحب کو ایصالِ ثواب کر دیں حضرت شیخ ؒ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) نے لکھا کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ایصالِ ثواب میت کی مغفرت فرماتا ہے۔ اس لیے میں نے خود مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزاروی کو دیکھا ہے کہ ہمیشہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھتے جب کبھی کسی بزرگ عالم کا وفات ہوتا تو انہی کو ایصال ثواب کرتے ایک مرتبہ مجھے کہا کہ اتنے مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لو تا کہ ستر ہزار پورا ہو جائے۔ تو آپ بھی کوشش کریں اور ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھیں اپنے والدین اور اساتذہ کو ایصال ثواب بھی کرتے جائیں اور اپنے لیے بھی ذخیرہ کرتے جائیں۔ اللہ تعالی فانی صاحب کا مغفرت فرمائیں اور اعلی علیین میں بہترین مقامات سے نوازے۔

حضرت شیخ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ کے بیان کے بعد مولانا یوسف شاہ حقانی نے حضرت مولانا حامد الحق حقانی سابقہ ایم این اے کو دعوت دی۔ مولانا حامد الحق نے فرمایا:

مولانا حامد الحق حقانی کا خطاب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم موت العالِم موت العالَم دارالعلوم حقانیہ کے فرزندو! آج آپ حضرات ایک بہت بڑی ہستی کے جنازہ میں شریک ہیں ۔ حضرت فانی صاحب خود بھی بہت بڑے شخصیت تھے اور عظیم والد کے فرزند بھی تھے ۔ فانی تخلص رکھتے تھے مگر اپنی علمی ادبی خدمات کی بدولت خود کو لافانی بنایا۔ عاجزی اور انکساری کا نمونہ تھے، ساری زندگی فقر وفاقہ میں گذاری ۔ ایک دفعہ مجھے اور مولانا راشد الحق حقانی کو کہا کہ میں نے عہد کیا کہ روٹی کے لیے دارالعلوم سے باہر نہیں جاوں گا۔ ایک دفعہ فانی صاحب کے ساتھ بیٹھا تھا، جیسا کہ حقانی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ساری زندگی اپنے نام کے ساتھ فانی لکھا مگر دارالعلوم کی وجہ سے میں آفاقی بن گیا۔ انہوں نے خود یہ واقعہ سنایا: کہ طالب علمی کے دوران ایک دفعہ کراچی کے ایک مدرسہ گیا، چند دن نہیں گزرے تھے کہ واپس آیا۔ سب سے پہلے مسجد کے مینار کو چوما، دارالعلوم کے درو دیوار سے پیار کیا اور دارالعلوم ایسے آئے کہ اب دارالعلوم ہی سے آپ کا جنازہ اٹھ رہا ہے ۔ یہ فانی صاحب کا دارالعلوم سے عشق ومحبت تھا۔ حضرت فانی صاحب کے علمی، ادبی، شعری اور نثری خدمات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے، ان کا پیدا کردہ خلا پورا نہیں ہوگا، اللہ تعالی دارالعلوم کو ان کا نعم البدل نصیب فرمائے اور ان کو اپنے جوار میں جگہ عطا فرمائے ۔

حضرت مولانا انوار الحق صاحب کا خطاب:

مولانا حامد الحق حقانی کے خطاب کے بعد شاہ جی نے شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور مرکزی نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو دعوت دی، انہوں نے حمد وصلوۃ کے بعد فرمایا: میں آپ سب حضرات کا شکر گذار ہوں کہ اتنے مختصر وقت میں شیخ الحدیث مولانا محمد ابراہیم فانی کے جنازہ کے لیے تشریف لائے یہ آپ کا اپنے مادرِ علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اور مولانا فانی صاحب سے محبت ہے، اکثر قدیم فضلا تشریف لائے ہیں ان کے والد صاحب دارالعلوم کے صدر مدرس تھے وہ بہت جید عالم تھے ۔ آپ میں سے اکثر ان کے شاگرد بھی ہوں گے انہوں نے اپنی حیات میں اپنے برخوردار کی ایسی زبردست تربیت کی تھی کہ دنیا حیران ہے، فانی صاحب کی یہ علمی خدمات اور تصنیفات ان کے عظیم والد کی تربیت کی مرہون منت ہے ۔ ان کو بہت سے مدرسوں سے، اعلی تنخواہوں پر پیش کشیں ہوئیں لیکن انہوں نے مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ کو نہیں چھوڑا، فقیرانہ اور مسکینانہ زندگی گذاری، بہت مستغنی انسان تھے، اللہ تعالی نے استغنا سے نوازا تھا، تقوی اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے، اللہ تعالی نے سفر کی حالت میں اور وہ بھی علم کی خاطر موت نصیب فرمائی، ایسی موت بہت کم لوگوں کو ملتی ہے ۔ میں آپ سب حضرات کا شکر گذار ہوں، یہ بہت بڑا علمی خاندان ہے، اللہ تعالی علم کا یہ سلسلہ ان کے خاندان میں جاری رکھے اور اللہ تعالی فانی صاحب کی مغفرت فرمائے

اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب کا خطاب:

سٹیج سیکرٹری نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مجاہد کبیر استاد الکل شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ المدنی دامت برکاتہم کو دعا کیلئے دعوت دی، انہوں نے دعا سے قبل فانی صاحب، ان کے خاندان کے متعلق چند جملے ارشاد فرمائے، ان کا خلاصہ پیش ہے:

میرے بھائیو! وقت مختصر ہے، سب حضرات ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ پڑھیں فاتحہ پڑھنے کے بعد عربی میں طویل دعا مانگی بعد ازاں فرمایا: یقیناً حضرت الاستاد مولانا محمد ابراہیم فانی کی جدائی ہم سب کے لیے عظیم صدمہ ہے، وہ دارالعلوم حقانیہ کے گلدستہ اساتذہ کے حسین وجمیل پھول تھے، وہ ایک بہترین اور قادرالکلام شاعر بھی تھے۔

مولانا عبدالحلیم صدر المدرسین جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا جنازہ بھی یہیں سے اٹھا تھا۔

میں تو اکثر کہتا ہوں کہ زروبی کی سرزمین وفادار سرزمین ہے، اس سرزمین کی وفاداری کی دلیل مولانا عبدالحلیم زروبویؒ، مولانا مفتی محمد فریدؒ اور مولانا محمد ابراہیم فانیؒ ہیں۔ انہوں نے دارالعلوم سے وفا کیا اب یہ وفا کا وصف بہت کم پایا جاتا ہے۔ بہر حال! یہ بہت بڑا سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ دارالعلوم کو استحکام وترقی نصیب فرمائے اور استاد المحدثین، زینت العلما حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور جتنے بھی اساتذہ وفات پا چکے ہیں کی درجات بلند فرمائیں، یہ اساتذہ ہمارے محسنین ہیں انہیں دعا کیا کریں، اور اس ملک جس میں ہم اور آپ رہ رہے ہیں اور یہ بہت قربانیوں سے حاصل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس ملک میں امن لائیں۔ یہ مجلس نہایت متبرک ہے یہاں سکینہ اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اللہ ہم سب کو ان برکات سے مالا مال فرمائیں، اس ملک میں مدارسِ دینیہ اس ملک کی بقا کی ضامن ہیں اللہ تعالیٰ دارالعلوم سمیت تمام مدارس کی حفاظت فرمائیں۔ افغانستان کے طالبان اور مجاہدین کیلئے بھی دعا کریں، اللہ تعالیٰ انہیں فتح ونصرت نصیب فرمائیں اور اسلامی نظام کا جلد از جلد نفاذ ہو، امریکہ اور نیٹو کو تباہ وبرباد فرمائیں اللہ تعالیٰ آسمانی صاعقے ان پر نازل فرمائیں۔ مذاکرات کیلیے بھی دعا کریں، اللہ تعالیٰ اس ملک میں مذاکرات کے ذریعے امن قائم کریں۔ فانی صاحب کے خاندان اور ان تمام غمزدوں کیلئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائیں۔ جنازہ میں ملک بھر کے اکابر، مشائخ، علما اور زعما نے شرکت کی۔ بعد ازاں ایمبولینس کے ذریعے اپنے آبائی گاؤں پہنچایا گیا، جہاں ہزاروں لوگ فانی صاحب کے استقبال کیلئے نکلے تھے' دارالعلوم حقانیہ سے وفد کی صورت میں اکثر اساتذہ ومشائخ وہاں پہنچ گئے تھے' جس میں راقم الحروف کے علاوہ مولانا حافظ شوکت علی صاحب' مولانا حامد الحق' مولانا راشد الحق' مولانا عرفان الحق' مولانا یوسف شاہ' مفتی شیر عالم، مولانا فیض الرحمٰن' محمد اسرار مدنی اور دیگر علاقوں کے علماء ومشائخ تدفین تک شریک رہے۔ فانی صاحب کی وصیت کے مطابق ان کا دوسرا جنازہ ان کے آبائی گاؤں میں ان کے رفیق خاص مولانا فضل علی حقانی صاحب نے پڑھایا۔

مولانا سید الامین انور حقانی*

آہ ! میدان علم ادب کا شہسوار مولوی محمد ابراہیم فانی

1435ھ

اہل حق افرادی قوت کی کمی کے باوجود اہل باطل پر غالب رہے۔ اندھیرا اپنی کثرت کے باوجود اندھیرا ہے اور روشنی قلیل ہوتی ہوئی بھی روشنی ہی ہے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جنہیں قدرت نے ہدایت کی نعمت سے نوازا۔ ہدایت یافتہ لوگوں کا اجتماعی مرکز حجاز مقدّس سے ہوتے ہوئے بصرہ و کوفہ رہا اور وہاں سے منتقل ہو کر ماوراء النہر جا کر بسا۔ پھر کوچ کر کے برصغیر کی جانب رُخ کر کے ہندوستان کو آباد کیا۔ یوں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سلسلہ نے دیوبند کی بنیاد رکھ دی۔ اسی گلستان دیوبند نے تقسیم کے بعد پاکستان آ کر ''حقانیہ'' کی شکل اختیار کی۔ اس گلستان کا ہر گل نرالا اور اس چمن کا ہر پھول منفرد ثابت ہوا۔ تدریسی خدمات سے لیکر معرکۂ جہاد تک (تزکیہ باطن، سلوک و احسان کی منزلیں ہوں، مدارس و مساجد میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ ہو، اہل باطل سے مناظرہ و مجادلہ کا موقع ہو، تحریر و تقریر کا میدان ہو، یا پھر اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے نذرانہ جان کی ضرورت ہو) ہر موڑ پر دیوبند ثانی ''حقانیہ'' کا فرزند نظر آئیگا اور اس مصرعہ کا مصداق ہوگا کہ ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است''

یوں یہ تمام تر سلسلہ بانی حقانیہ محدّث کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کیلئے آخرت کی پونجی ہے۔ اب بھی الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے کہ استاد محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اپنے عظیم تر والد کے صحیح و سچے جانشین، خَلَف الرشید اور الولد سِرٌ لِاَبیہ کے صحیح مصداق ہیں اور لائق صد آفرین ہیں کہ اس پرفتن دور میں بھی ''حقانیہ'' کی قدر و منزلت میں اتنا اضافہ فرمایا کہ ثریا پردے مارنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ جملہ شعبوں کی طرح فن ادب میں وہ مقامات سکھلائے کہ الحق نے دنیا کو انگشت بدندان کر دیا۔ اُستاد محترم نے ہر فن میں ایسے رجال کار تیار کئے کہ ہر علمی میدان کو سجا رہے ہیں۔

مثلاً تصنیف و تالیف، علم و ادب اور شعر و شاعری میں حضرت مولانا عبدالقیوم حقّانی صاحب، حضرت مولانا راشد الحق صاحب اور حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ جیسے شخصیات کو تیار کیا۔ ان حضرات نے فن علم ادب کی

---

* معاون مدیر ماہنامہ النصیحۃ، چارسدہ

خدمت کو عالم چار دانگ تک پھیلایا۔شاید حافظ شیرازیؒ نے انہی جیسے حضرات کے بارے میں فرمایا تھا:

خیال قد بلند تو میں کند دل من
تو دست کو تہ من بین و آستین دراز

سطور ذیل میں استاد محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب کا کچھ تذکرہ کیا جارہا ہے۔

خوبیاں استاد کی ہوتی کچھ یہاں پر بیاں
تاکہ اوصاف حمیدہ سب پہ ہو جائیں عیاں

حضرتؒ ایک مشفق و کامیاب مدرس تھے۔کامیاب مدرس کا ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ امکانی حد تک علم میں کمال رکھتا ہو، خصوصاً اس مضمون میں جس کے پڑھانے کی اس پر ذمہ داری ڈالی گئی ہو کیونکہ استاد کو اس مضمون میں جتنی مہارت و دسترس ہوگی اتنا ہی مفید ہوگا۔حضرتؒ سے راقم نے علم ادب کی مشہور اور مشکل ترین کتاب ''دیوان الحماسہ'' پڑھی اور حق تو یہ ہے کہ حق ادا کیا۔

فانی صاحب انتہائی سریع المطالعہ و ذہین شخصیت تھے۔راقم جب حقانیہ میں درجۂ سادسہ کا طالب العلم تھا تو اس وقت ایک موضوع پر مضمون لکھا۔مضمون کو اصلاح کی خاطر حضرتؒ کے پاس لے جانا چاہا کہ اتفاقاً راستہ ہی میں ملے۔راقم نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو فرمایا کہ اس وقت تو میں بازار کسی کام سے جارہا ہوں چنانچہ بازار کی مطلوبہ خدمت راقم نے کی اور مضمون خدمت اقدس میں پیش کیا۔راقم جب بازار سے واپس ہوا تو مضمون مطالعہ کر چکے تھے۔فرمایا! بہت خوب لکھا ہے، لکھتے رہو، ساتھ ساتھ کچھ اصلاح بھی مضمون میں کی تھی۔

فانی صاحب ایک اعلیٰ قسم کے مصنف تھے۔خود راقم نے حضرتؒ ہی سے بارہا سُنا، فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ مجھے قلم وقرطاس حوالہ کیا اور یہی انہی کا مرہون منت ہے۔فانی صاحبؒ نے اس عظیم خدمت کو مقصد اور بلند نصب العین جان کر پورا کیا۔

سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں اِدھر تو ہی تو ہے

فانی صاحبؒ اسی حقانیہ میں کبھی طالب العلم رہے۔فراغت کے بعد کبھی مدرس، کبھی ادیب اور کبھی شاعر سے تذکرہ آجاتا۔شعر و شاعری میں فانی صاحبؒ کو باری تعالیٰ نے ایک خاص بداھتی ملکہ سے نوازا تھا۔بیک وقت عربی، فارسی، اُردو اور مادری زبان میں شاعری کرتے تھے۔گو کہ فانی صاحبؒ کی شاعری میں سعدی شیرازی، اقبال، غالب اور رحمٰن بابا کی جگہ اگر چہ پوری نہ ہوئی مگر کمی ضرور پوری ہوئی تھی اور اب بمشکل کئی زبانوں کا شاعر موجود ہوگا۔

ساتھ ساتھ خطابت میں بھی اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ سے نوازا تھا۔ایک بار اسی حقانیہ میں طلباء نے مروجہ

تبلیغی گشت نکالا اور بیان کیلئے حضرتؒ سے وعدہ لیا۔ مغرب کے بعد جب آپ بیان کیلئے کھڑے ہوئے تو خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا!

میرے چند اشعار ہیں وہ سنائے دیتا ہوں۔ اشعار سُنانے کے بعد فرمایا کہ طلباء وعلماء سے بیان کرنا اکوڑہ کے باغبان پر سبزی فروشی ہے تاہم طلباء کا اصرار ہے اس لئے چند کلمات بیان کرنا چاہتا ہوں اور پھر تقویٰ کی موضوع پر نہایت ہی شیرین بیان فرمایا:

فانی صاحبؒ ادبی ذوق و تدریسی خدمات کیساتھ ساتھ ملنساری کے پیکر تھے۔ اتنے بڑے اسکالر کو کوئی قسم کی مراعات کی پیشکش کیوں نہ ہوئی ہوگی مگر فانی صاحبؒ نے فانی زندگی کو خاک پر بیٹھنے والے طلباء اور حقانیہ کیلئے قربان کر دیا۔ بڑے بڑے عہدوں اور زمانے کی غلامی کو ایسا ٹکرایا کہ آج رحمہ اللہ کے مستحق بن رہے ہیں اور زمانے کو بزبان حال خود اور ابن سناء الملک کو بزبان قال یوں مخاطب کیا۔

(۱) وانک عبدی یا زمان واننی

(۲) علی الرغم منی ان اری لک سیدا

(۳) وما انا راض اننی واطی الثری

(۴) ولی همة لا ترتضی الافق مقصدا

عموماً شاعر و مصنف کا طریقہ انا نیتی ہوتا ہے۔ ادیب، شاعر، مصوّر اور اہل قلم کی خصوصیت ہی انانیت ہوتی ہے جس سے فکری انفرادیت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ ایک قدرتی سرجوش ہے جسے دبا نہیں جا سکتا اور کوئی دبائے بھی تو اور زیادہ اُبھرنے لگتی ہے تاہم ان انانیتی ادبیات میں بھی فانی صاحب ''میں'' کی جگہ لفظ فانی استعمال فرماتے تھے۔ ع فانی بیچارہ وہ واقفِ و دانائے راز

فانی صاحب کی دارالعلوم حقانیہ سے خوب وابستگی اور گہرے تعلقات تھے سفر و حضر، صحت و علالت، عسر و یسر الغرض کسی بھی حالت میں حقانیہ کو فراموش نہ فرمایا حقانیہ سے وابستگی کا اندازہ فانی صاحب کے وڈیو کلپ سے ہوتا ہے کہ ایام علالت میں ہسپتال ہی سے طلباء کو کچھ نصیحتیں، یادداشت اور وصیت جاری فرمایا اور حضرت مہتمم صاحب اور ان کے خاندان کی جانب سے احسان مندی کا اقرار محبت کیا

کیا شاخ گل پہ پھول کی بیٹھی ہے عندلیب

ایسا نہ ہو کہ چشم فلک کو برا لگے

آپ کی وفات سے ادبی میدان کا اگرچہ ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے مگر سب سے زیادہ تعزیت کے مستحق جامعہ حقانیہ کے مہتمم صاحب ہیں کہ وہ ایک کامیاب مدرس ادیب اور شاعر سے محروم ہو گئے ہیں لیکن اس بات

سے تسلی ملتی ہے کہ اگر بہار میں پھولوں سے درخت لد جاتے ہیں، خزاں میں غائب ہو جاتے ہیں پھر جونہی موسم کا دَور پلٹتا ہے دوبارہ آموجود ہوتے ہیں مگر موسمی پھولوں کے پودوں کا شیوۂ یک رنگی و یک ساختگی دیکھئے کہ جب ایک مرتبہ دنیا کو پیٹھ دکھادی تو دوبارہ مڑ کے دیکھنا نہیں چاہتے۔اسی طرح انسان کی حقیقت بھی ہے:

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست
رو پس نکرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت

یعنی زمانے کا رویّہ دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں ہے اس لئے جو دُنیا سے ایک دفعہ چلا گیا اس نے دوبارہ مڑ کر نہیں دیکھا۔

بہرحال فانی صاحبؒ نے فانی زندگی کے چند ایام گزارے اور فانی دُنیا کو خیر باد کہا اور آخری بیان میں راقم نے خود سُنا کہ فرمایا **اللھم الحقنی بالر فیق الاعلیٰ**

آخر میں فانیؒ صاحب کے ادبی ذوق لحاظ رکھتے ہوئے ان کی وفات کے متعلق تین ایسے جملے تحریر کئے جاتے ہیں جن سے ابجد کے حساب سے ان کا ہجری ،عیسوی اور بکرمی سن وفات نکلتا ہے۔

سن لو کہ بے شک فانی صاحب میدانِ علمِ ادب کے شہسوار تھے ....(2014 عیسوی)

سن لو کہ بے شک جناب فانی صاحب میدانِ علمِ ادب کے شہسوار تھے......(2070 بکرمی)

حافظ سردار اکبر صاحب کے دُعائیہ جملے بھی نذر قارئین کرتا ہوں کہ ان سے بھی ابجد کے حساب سے سن وفات نکلتا ہے

یا اللہ، یا لطیف، یا ھادی، یا حی، یا قیوم، فانی صاحب کا مرقد نورانی بنادے 1435

یا اللہ، یا وہاب، یا علیم، یا حلیم، یا حی، یا قیوم، فانی صاحب کا برزخ نورانی بنادے 2014

یا حسیب، یا ولی، فانی صاحب کے درجات بلند فرما 1435

یا اللہ یا معید فانی صاحب کی خدمات کو قبول فرما 2014

☆ ☆ ☆

ہائے فانیؔ گردش دوراں کی کج رفتاریاں
حسرتوں کی وہ چتائیں یاد آتی ہیں مجھے

(فانیؔ)

جناب محمد عدنان زیب *

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے
حافظ محمد ابراہیم فانیؔ ایک عہد ساز شخصیت

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ... اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

جب میں پہلی بار اُن سے ملا تو مجھے یوں لگا جیسے اُن سے صدیوں کی پہچان ہو۔ چہرے پر مسکراہٹ‘ لبوں پر تبسم‘ مہمان نوازی اور منکسر المزاجی آپ کی طبیعت کا خاصہ رہی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا اور پھر علم و ادب کی محفلیں سجنے لگیں۔ جب میں ایم فل کی ڈگری کے لیے تحقیقی مقالہ لکھنے میں مصروف تھا تو اُن سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ ماہنامہ ''الحق'' کے حوالے سے اُنہوں نے بہت رہنمائی فرمائی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ہم ایک دوسرے کے بہت قریب ہوگئے۔ ہنسی خوشی دن رات گزر رہے تھے لیکن قانون قدرت ہے کہ

دنیا میں خوشی کے ساتھ ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں ... جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

دنیا میں آنکھ کھولنے والے کسی بھی بچے کے بارے میں یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ جب وہ اس دنیا سے جائے گا تو اپنے پیچھے ہزاروں آنکھوں کو اشکبار کر جائے گا۔ بے شمار ہستیاں آج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو چکی ہیں۔ مگر جانے والے اپنے پیچھے یادوں کے ان مٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں جنہیں یاد کرکے انسان آنسوؤں کے سمندر بہاتا جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک عظیم ہستی کچھ روز قبل ہی اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کرگئی۔ جب ہم عمرے کی غرض سے حرمین شریفین میں تھے تو ایک روز مدینے سے اپنے ایک ساتھی کو فون کیا تو اُس نے اپنی مصروفیت کا ذکر کرتے ہوئے جب یہ کہا کہ ۱۱ بجے فانی صاحب کے جنازے کے لیے گیا تو یہ الفاظ سُن کر میں ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ پر ساکت ہوگیا اور کچھ بولنے سے قاصر رہا۔ جب فون بند کیا تو اُن کا چہرہ میرے سامنے سے نہیں ہٹتا تھا۔ مسجد نبوی ﷺ میں اُن کے لیے ۲ رکعت نفل اور روزہ رسول ﷺ پر اُن کی طرف سے درود و سلام اور اُن کے بلند درجات کے لیے اللہ کے حضور دعائیں کیں۔ اگلے ہی دن صبح کی نماز میں گاؤں کے کچھ ساتھی ملے جن میں سے ایک ساتھی موبائل فون پر طویل گفتگو میں مصروف تھا۔ جب اُنہوں نے فون بند کیا تو ساتھ یہ دردناک خبر دی

---

* مدرس، امہ چلڈرن اکیڈمی‘ سوریا خیل، نوشہرہ

کہ اضاخیل کے باچا صاحب وفات پا چکے ہیں تو گویا ایک غم ابھی مٹنے نہیں پایا تھا کہ غموں کا دوسرا پہاڑ گر گیا۔ یک لخت دو بزرگان دین کی وفات سے گویا ایک خلا پیدا ہو گیا اور دونوں ہستیاں اپنی جگہ مینارہ نور تھیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ اجتماعی دعا کی۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان بزرگان دین کو جنت الفردوس میں بہترین مقامات عطا فرمائے اور ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پر کردے۔ امین۔ ذیل میں فانی صاحب کے فکر وفن کی ایک مختصر جھلک نذر قارئین ہے۔

حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب ۱۵/اپریل ۱۹۵۴ء کو ضلع صوابی کے مشہور گاؤں زروبی میں متکلم عصر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے گھر پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن کریم اپنے گھر پڑھا۔ مولانا پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نظرِ کرم ہے کہ پہلے پارہ کے دو تین ورق پڑھنے کے بعد دیگر پارے بغیر استاد کے پڑھے۔ مڈل تک عصری تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی اور سکول کے ساتھ ساتھ اپنے والد مکرمؒ سے دینی رسائل اور فارسی نظم کے رسالے پڑھتے رہے۔ مثلاً کریما' پنج کتاب اور گلستان سعدی وغیرہ۔ میٹرک کا امتحان ۱۹۷۰ء میں پاس کیا اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور ساتھ ساتھ حفظ القرآن میں بھی مشغول رہے۔

درس نظامی کے ساتھ ساتھ شیخ القرآن مولانا عبدالہادی شاہ منصوری سے شاہ منصور میں ترجمہ وتفسیر بھی پڑھا اور آپ نے قرآن پاک بھی حفظ کیا۔ ۱۹۷۸ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ اور دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا اور صرف ونحو' منطق اور ادب کی مختلف کتابیں تفویض ہوئیں اور آج تک دارالعلوم ہی میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں اور درجات عالیہ کی کتابیں پڑھا رہے ہیں۔

فانؔی صاحب کو زمانہ طالب علمی ہی سے لکھنے کا شوق دامن گیر تھا اس لئے فارسی' اردو' پشتو' عربی میں لکھتے رہے۔ شعر وشاعری اور ادب کے ساتھ ابتداء ہی سے شغف تھا اپنی مادری زبان پشتو میں شاعری کرتے رہے۔ اسی طرح فارسی میں بھی طبع آزمائی کی کوشش کی جس میں آپ کامیاب رہے۔ زمانہ طالب علمی میں آپکی بعض غزلیں پشتو رسائل اور مجلّات میں چھپتی رہیں۔ ساتھ ساتھ اہم مضامین کے تراجم بھی کرتے رہے اسکے بعد وقتاً فوقتاً ملک و بیرون ملک کے مختلف جرائد او راخبارات میں آپ کے مضامین شائع ہونے لگے۔ دراصل شاعری اللہ تعالیٰ کی دین ہے یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ شاعر کے دل پر شعروں کا نزول ہوتا ہے، بچے تلے الفاظ، بحریں، روح پرور اور دلکش انداز بیان وغیرہ یہ سب باتیں یکجا ہوکر ایک خوبصورت شعر کی صورت میں نمایاں ہوتی ہیں اور اسی کو آمد کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے شاعر براہِ راست اللہ تعالیٰ کا شاگرد ہوا۔ اسی لیے کہا گیا ہے "الشعراء تلامیذ الرحمن"

۱۹۸۳ء میں آپ کی طبیعت اردو شاعری کی طرف مائل ہوگئی اور اردو میں نظمیں اور غزلیں لکھنا شروع کیں جو ماہنامہ ''الحق''، ''الخیر'' ملتان، ''خدام الدین'' لاہور، ''بینات'' کراچی، '' النصیحہ'' چارسدہ اور دیگر اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہیں۔ عربی میں بھی شاعری کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا عربی مرثیہ جو حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحہ ارتحال پر لکھا گیا تھا۔ جب ماہنامہ الحق میں چھپا تو الحق ہی سے وہ مرثیہ دیوبند کے عربی ماہنامہ ''الثقافہ'' میں شائع ہوا۔غرض فانیؔ صاحب چاروں زبانوں کے قادرالکلام شاعر ہیں۔ اب تک آپ کے نظموں' غزلوں وغیرہ کے کئی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ان کے اشعار کا رشتہ روایت سے اور جدیدیت سے بھی مضبوطی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ان کے اشعار میں دردو کرب کی کیفیت کے ساتھ ساتھ سوزو گداز کا عنصر بھی بدرجہ اتم موجود ہے جس نے فانی صاحب کی شاعری کو پر کشش بنا دیا ہے جو قاری اور سامع کے دل میں گھر کر جاتا ہے۔ان کے اشعار میں فکر انگیزی ہے جو پڑھنے والے کو دعوت فکر دیتی ہے۔

نالہ زار: یہ آپ کے اردو کلام کا مجموعہ ہے جس کے متعلق پروفیسر محمد افضل رضا لکھتے ہیں: ''ویسے تو جناب فانی صاحب کے پشتو' اردو' فارسی اور عربی شاعری کے نمونے میری نظروں سے ماہنامہ ''الحق'' کے صفحات پر گزرے تھے لیکن ان کی اردو شاعری کا یہ پہلا مجموعہ پہلی دفعہ مطالعہ کرنے کا موقع ملا......اردو کے مشہور شاعر فانی بدایونی کا کلام تو اردو وادب کے ایک ادنی طالب علم کی حیثیت سے پڑھا لیکن پشتون فانی کا یہ مجموعہ اردو زبان میں مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ فانی (جن کی مادری زبان پشتو ہے) جہاں فارسی' عربی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں' وہاں اردو میں بھی وہ نہایت روانی اور آسانی سے شگفتہ انداز میں واردات قلبی اور معاملات حسن و عشق' احساس محرومی' غم جاناں اور غم دوراں کو سپرد قلم کرسکتے ہیں۔آپ کی نظموں اور غزلوں میں جو بیساختہ پن اور روانی ہے وہ دوسرے پشتون شعراء کی اردو شاعری میں شاید آپ کو کم ہی ملے۔ فانی اپنے دل کی بات دوسروں کے دلوں تک پہنچانے کا فن جانتے ہیں۔

فانی صاحب کی شاعری میں خوب صورت نظمیں بھی ہیں اور غزلیں بھی نظموں کے خوب صورت عنوان اور دل فریب موضوع پڑھنے والوں کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنا دھیان ہٹانے نہیں دیتے۔ جذبوں میں سادگی کا عنصر بہت زیادہ ہے جو پڑھنے والوں کو اپنے حِصار میں لیے رکھتے ہیں۔اسکی شاعری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے فن سے انصاف برتا ہے وہ اپنے جذبات اور محسوسات کی بلا تکلف ترجمانی کرتے ہیں۔ان کے اشعار میں ان کی طبیعت اور مزاج کی حقیقی جھلکیاں ملتی ہیں، ان کی شاعری میں حزن و ملال کی جو دھیمی دھیمی آنچ محسوس ہوتی ہے۔یہی ان کی صداقت اور یہی اسکا اعتبار ہے۔

پروفیسر محسن احسان کتاب کے تعارف میں تحریر فرماتے ہیں:

آپ کا ذوق شعر اور اسلوب سخن انتہائی عمدہ ہے۔ جینے کی آرزو اللہ پر کامل یقین' موت سے باتیں' ماضی کی یادیں' حال کی فریادیں' مستقبل کی امنگیں' زندگی سے شکوے' شکایتیں' والدین سے والہانہ جذبہ عقیدت ومحبت' پاکیزہ قلبی ،غرور بیجا سے اجتناب' حیاتِ فانی کی بے مائیگی کا احساس...... یہ اوراس کے علاوہ بہت کچھ فانی کے اشعار میں آپ کو نظر آئے گا۔''

جناب سراج الاسلام سراج اکوڑہ خٹک کتاب کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

''فانی صاحب کا کلام فصاحت و بلاغت' لطافت ونزاکت' متانت اور ترنم کی تمام صفات سے موصوف ہے۔

(ماہنامہ ''الحق'' دسمبر ۲۰۰۹۔ص۔۵۵)

ذیل میں اسی مجموعے کے چند اشعار بطور نمونہ نذر قارئین ہیں:

لٹ رہا ہے عالم اسلام یوں فریاد ہے ۔۔۔ کیسی آئی گردش ایام یوں فریاد ہے

چارسو دنیا میں ہے مسلم خدایا خستہ حال ۔۔۔ ہرجگہ رسوا ہے اور بدنام یوں فریاد ہے

مرغزاروں' لالہ زاروں یہ چناروں کی زمین ۔۔۔ جل رہی ہے ہم کریں آرام یوں فریاد ہے

نذرِاشک: اسی طرح مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے سانحہ ارتحال پر جن شعرا نے نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے' فانی صاحب نے وہ مراثی یکجا کیے ہیں۔

حیات صدرالمدرسین: فانی صاحب نے اپنے عظیم المرتبت والد گرامی جامع المعقولات و المنقولات حضرت مولانا عبدالحلیمؒ صدر المدرسین جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے سانحہ ارتحال کے بعد ان کی سوانح عمری' حالات زندگی پر جامع اور مفصل کتاب مرتب فرمائی۔ جس میں آپ کے خاندانی مشائخ و اساتذہ کا تعارف' حالات زندگی' کمالات وخصوصیات' علمی و ادبی خدمات اور دیگر امتیازات پر مفصل تبصرہ اور تعارف ہے۔ اسی طرح یہ کتاب نہ صرف حضرتؒ کی سوانح حیات ہے بلکہ دارالعلوم حقانیہ کی اجمالی تاریخ بھی ہے۔ اکابر' علماء ومشائخ کی تحریرات کے علاوہ حضرتؒ کے کمالات پر دانشوروں اور مشہور قلم نگاروں کا تبصرہ بھی شامل ہے۔

افادات حلیمؒ: اس کتاب میں فانی صاحب نے متکلم وقت' ترجمان حدیث حضرت العلامہ مولانا عبدالحلیمؒ کے ملفوظات' مضامین اور مقالات کو جمع کیا ہے۔جس میں حضرتؒ کے ختم بخاری شریف پر افادات اور مسلم شریف کے باب الکبائر کی تشریح کیساتھ ساتھ آپکی مختصر سوانح بھی شامل ہیں۔ جناب ابراہیم فانی صاحب نے شاعری محض فیشن کے طور پر اور شاعروں میں واہ واہ سننے کے شوق میں شروع نہیں کی بلکہ یہ اسکے دل کی آواز تھی۔ جسے انہوں نے لفظوں میں بیان کیا فانی صاحب کا شمار یقیناً اُردو' پشتو اور فارسی کے بہترین شعراء میں ہوتا ہے۔علم وادب کا یہ ستارہ چند روز قبل ہم سے بچھڑ گیا جن کے محبت کی خوشبو علم وادب سے وابستہ ہر شخص ہمیشہ محسوس کرتا رہے گا۔

مولانا محمد عمران ولی*

وصال ودید پر فانی نہ اترا......

26فروری 2014ء کی صبح فجر کی نماز کے بعد اتفاقاً آنکھ لگ گئی، خواب میں بے انتہا رویا، اور جب بیدار ہوا تو لبوں پر بوجھل اور اداس دل کے ساتھ پشتو کا یہ مصرعہ جاری تھا:

پہ خوب او دہ او خکے مِ راغلے　　　خدایہ څما پہ برخہ ئے سہ لیکلی دینہ

اسی سوچ اور فکر میں غلطاں کہ صوابی سے برادرم مولانا محمد شفیع صاحب کا ٹیلی فون آنے لگا، اور لمحوں میں انہوں نے یہ روح فرسا خبر سنادی کہ ''فانی صاحب کا انتقال ہوچکا ہے'' اناللہ و انا الیہ راجعون بے اختیار لبوں پر مچل گیا:

مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کی جبین پر　　　مرقوم تیرا نام ہے کچھ ہو کے رہے گا

جامعہ حقانیہ کے سینئر استاذ ،ادیب لبیب ،شاعر بے بدل، حضرت صدرالمدرسین کے لختِ جگر اور جانشین ، ہمارے مشفق ومحترم ومکرم حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب رحمہ اللہ کی یک لخت جدائی اور اچانک جانب ملکِ عدم روانگی کا سن کر مبہوت وحیرت زدہ رہ گیا، تصور میں نہ تھا کہ اس قدر اچانک جدائی ہوجائیگی اور ہم حضرت فانی نور اللہ مرقدہ سے محروم ہوجائیں گے، مگر فانی علیہ الرحمۃ نے خود ہی فرمادیا تھا:

وصال ودید پر فانی نہ اترا　　　یہ عرصہ مختصر ہے سوچ لینا

اور واقعی ایسا ہی ہوا، وصال کا عرصہ لمحوں میں ختم ہوگیا:

وصل کے دن بہت اداس تھا میں　　　آنے والی جدائی کا غم تھا

والدِ محترم حضرت مفتی محمد ولی درویش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فانی علیہ الرحمہ کا آپس میں دیرینہ تعلق اور قلبی محبت تھی اور یہ سلسلہ یقیناً جانبین سے تھا، دونوں حضرات اپنی ظرافتِ طبع ،بذلہ سنجی اور میدانِ شعروشاعری کے منجھے ہوئے شہسوار ہونے کی وجہ سے یک جان و دو قالب تھے ،حضرت فانی صاحب کے تو کئی شعری مجموعے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوکر دادِ تحسین حاصل کرچکے ہیں ،اور نہ جانے کتنے ایسے مجموعے اور ہونگے جو انکی حیاتِ فانی

---

* بن مفتی محمد ولی درویشؒ ،استاد حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی۔

میں زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکے، ع و کم حسرات فی بطون المقابر

جب کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کا شعری اور نادر پشتو غزلوں کا مجموعہ ابھی ابتدائی مراحل طے کررہا ہے، جس کے بارے میں والد صاحب نے خود فرمایا تھا:

پہ سلگو سلگو بہ جاڑی پرے درویشۀ سوک چہ گوری دا پُرسوز دیوان زما

اوخکی ئے پہ مخ خورے ورے بہ زی اؤری اے درویشۀ چہ گفتن زما

کاش ''دردِ پنہاں کا یہ مقفل خزینہ'' بھی حضرت والد صاحب کے دیرینہ اور قلبی وجگری دوست حضرت فانی صاحب کی حیاتِ مستعار میں چھپ کر منظرِ عام پر آجاتا مگر:

زما اؤ ستا چہ پرے وعدہ وہ بیگا پہ هغه زائے کی اور اولگیدنه

ما کل ما یتمنی المرء یدرکه تجری الریاح بما لا تشتهی السفن

حضرت والدمحترم رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد بندہ کا تقریباً 14 سال حضرت فانی صاحب سے خط وکتابت اور بذریعۂ ٹیلی فون رابطہ رہا مگر شومئی قسمت کہ مجھے ان کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا، فآھا ثم آھا ثم آھا۔

نن بیاد ڈیرے بے وسئ پہ ژبہ حُما د عمر حسرتونہ خاندی

بندہ کا زمانۂ طالب علمی سے حضرت فانی علیہ الرحمۃ سے خط وکتاب کا سلسلہ جاری تھا اور باقاعدہ ان کی طرف سے محبتوں اور شفقتوں بھرا محبت نامہ بصورتِ جوابِ آں غزل موصول ہوتا تھا، چونکہ حضرت والدمحترم کی وفات کے فوراً بعد سے یہ سلسلہ جاری ہوا تھا تو ان کے خطوط اور جوابی گلدستے باعثِ تسکین قلبِ جریح اور تشجیع وتسلی کا سبب بنتے: ع: آہ ! کتنے حسین خواب تھے سوچا کریں گے ہم

جب بھی انکا گلدستہء خط وصول پاتا تو لبوں پر اپنے والد رحمہ اللہ کی غزل کا یہ مصرع رقصاں ہوجاتا:

ستا دَ وصل تحفه ماله دَ صبا پہ لاس بیا راغله لیکن گورہ سه کم نه وؤ لا غمونه پخوانی

سالِ عیسوی 2008ء کے بالکل آخری دن یعنی 31 دسمبر کو بوقت عشاء پہلی بار ان سے ٹیلی فون پر گفتگو کا شرف حاصل ہوا، بہت ہی مسرور ہوئے، دعاؤں سے نوازا، اور جب ٹیلی فون کا سلسلہ بڑھا اور خط وکتابت معدوم ہوتا گیا تو بہت ہی شفقتوں سے کئی بار ٹیلی فون پر فرمایا کہ آپ کے خطوط آنا کیوں بند ہوگئے؟ یہ ان کی شفقت تھی کیونکہ فون پر اتنی طویل باتیں نہ ہوتیں مگر خط وکتابت میں کافی امور پر تبصرہ وتجزیہ سامنے آجاتا اور بندہ ان سے راہنمائی حاصل کرتا، افسوس کہ آج وہ صاحبِ قلم اور مشفق ومہربان نہ رہا۔

جانانه لاړې آسماني شوے　　　آسمان چه زمکے له رازي قيامت به وينه

غالباً یہ 2008ء ہی کی بات ہے،ایک موقع پر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت! والد صاحب رحمہ اللہ کی سوانحِ حیات پر کام شروع کردیا ہے،خصوصی دعا فرمائیں اور راہنمائی بھی فرمائیں!،تو حضرت فانی علیہ الرحمۃ نے فوراً فرمایا کہ اس کام کو جاری رکھنا اور تعطل کا شکار مت ہونے دینا ورنہ یہ کام پسِ منظر میں چلا جائیگا۔

ع　　قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ایسا ہی ہوا کہ یہ کام تعطل کا شکار ہوا،اور اب حضرت فانی علیہ الرحمۃ کی جدائی کے بعد بوجھل دل،اداس حسرتوں،غمگین یادوں اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ دوبارہ اس کام کا آغاز کردیا ہے،مگر ایک تنہائی کا احساس ہورہا ہے،جابجا ان سے راہنمائی،قدم بقدم اِن امور میں ان سے استشارے سوچتا ہوں تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہوں

زړه مِ دا ستا خبرې غواړي　　لکه دَ ګلمے غنم غواړي بارانونه

ستا دَ راتلو په انتظار انتظار　　څما په سترګو کې ګلونه خاندي

جب میرے والدِ محترم رحمہ اللہ نے 19 اگست 1999ء کو قندھار افغانستان میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو انکے چلے جانے کے بعد ان کے کتب خانہ میں موجود بعض کتب مثلاً ''حیاتِ صدر المدرسین،افاداتِ حلیم،حیاتِ شیخ القرآن،بے شان غم'' وغیرہ نظروں سے گزریں اور ان پر حضرت فانی علیہ الرحمۃ کے دستِ مبارک سے درج کلماتِ ھدیہ کی وجہ سے حضرت فانی علیہ الرحمۃ سے رابطہ ہوا،اور افسوس کہ یہ سلسلہ اور رابطہ غائبانہ ہی رہا جس کا قلق مدتوں تو کیا مرتے دم تک رہے گا:

په تور لحد کې مِ رنړا شوه　　چه پام مِ او کړو د زړه داغ مِ بليدنه

آج جامعہ علوم اسلامیہ کے دفتر محاسب میں حضرت فانی علیہ الرحمہ کے برادرِ نسبتی حضرت مولانا مفتی شکور احمد صاحب مدظلہ نے اطلاع دی کہ حضرت فانی علیہ الرحمۃ پر ''الحق'' خاص نمبر شایع ہورہا ہے، جی ہاں وہی ''الحق''،جس میں حضرت فانی علیہ الرحمۃ کے قلم مبارک سے کل تک دوسروں کے مراثی باصرہ نواز ہوتے تھے،آج انہی کا مرثیہ خوان ہے۔

داغِ فراق ، حسرتِ وصل، آرزوئے شوق　　میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا

ہمیں بھی یاد رکھنا جب لکھیں تاریخ گلشن میں　　کہ ہم نے بھی لُٹایا ہے چمن میں آشیاں اپنا

بچپن سے پچپن تک وہ اپنی مادرِ علمی جامعہ حقانیہ میں موجود رہے ،اپنے والدِ گرامی کے مشن کو جاری رکھا،تشنگانِ علوم کی سیرابی کی،اور یہی خدمتِ عالیہ کرتے کرتے راہیٔ خلدِ بریں ہوئے۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں　　　ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

یقیناً ایک کامیاب مدرس ،کامل صاحبِ فن،علم کا بحرمواج،تقریباً پانچ زبانوں میں قادرالکلام شاعر بے بدل کی جدائی ایک عظیم قومی سانحہ اور''بے شانِ غم'' ہے،بے شک یہ زمانہ بہت سوں کو رویا ہے اور نہ جانے کتنے ناموروں کوروئے گا:

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے　　　کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا

اللہ تعالیٰ حضرت فانی علیہ الرحمۃ کے درجات عالیہ کو بلند فرمائے،ان کے ادھورے علمی کاموں کی تکمیل کا غیب سے بندوبست فرمائے،ان کی رحلت سے پیداشدہ خلاء کو پر فرمائے،اوران کی قبر کو جنت الفردوس کا باغ بنادے،اور انکی اولاد کوانکا صحیح جانشین بنائے،آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہم تو ان کا آخری دیدار بھی نہ کرسکے،اور نہ ہی جنازہ میں شرکت کی سعادت ملی ،بس یہی کہیں گے:

شرمندہ اُم ازانکہ دریں تعزیت مرا　　　فرصت نہ شد کہ خدمتِ آں آستاں کنم

امابعد زخواہی ایں شعلہائے آہ　　　قندیل وارِ جانبِ قبرش رواں کنم

اور بقولِ فانی:

ننګ او په پښتو او په ایمان چه سرفروشه وئو　　　ټول هغه خاغلي نن دَ ګور میلمانه شوی دی

کړه دبیلتون چغې مِ یاران فانيؔ خواره واره　　　سه دي په یورپ سه په بل لور میلمانه شوی دی

یہ چند سطور بے ساختہ زیرِ قلم آ گئے ،وگرنہ دل میں یادوں کا ایک تلاطم بپا ہے،ایک طوفانِ غم موجزن ہے،کیونکہ:

اضافت چه دی دَ مینې راته اوشو

زائے په زائے دَ غم صیغې شوے را مضاف

''سازِ دلِ ناساز'' کو چھیڑنے کا یارا اور ہمت نہیں۔

اب یہ بھی نہیں ٹھیک کہ ہر درد مٹادیں

کچھ درد کلیجے سے لگانے کے لیے ہیں

دَ بیلتانه په جزیرو کې　　　ناست په ایرو کې　　　جړا تا پسے کؤمه

بادِ صبا دغه یو سوال خو دَ درویش اومنه

زما له لورے یې خواره کړه په مزار ګلونه

مولانا سعد الباقی حقانی*

دارالعلوم حقانیہ کا درخشندہ ستارہ

داستان فصل گل را از نظیری می شود
عندلیب آشفتہ تری گوید اس افسانہ را

۲۵ ربیع الثانی بمطابق ۲۶ فروری بروز بدھ کو دنیائے علم وعمل کا آفتاب و ماہتاب تابناکی اور درخشانی کے بعد یکا یک غروب ہونے سے علم وعمل اور مسند حدیث کے محفل دوشین کے ایوانوں میں اندھیرا چھا گیا۔ استاذی و استاذ العلماء بقیۃ السلف حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب رحمہ اللہ داعی اجل کو لبیک کہہ کر اس دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ البقاء للہ وحدہ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دنیا فانی ہے لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا میں آکر ہزاروں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتے ہیں اور ان کی اچانک جدائی پر ہزاروں انسانوں کے دلوں کی دنیا اُجڑ جاتی ہیں اور آنسو خشک ہو جاتے ہیں۔ انہی بزرگ ہستیوں میں حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحبؒ بھی ہیں۔ آپؒ کی رحلت کی خبر نے پورے علمی حلقہ کو سوگوار بنا دیا ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ایک شخص سارے ''عالم'' کو ویران کر گیا

زمانہ ایسے جامع الصفات بزرگوں کے لحاظ سے قحط الرجال کا ہے اور کسی ایک بزرگ کا جانا بہت بڑا نقصان ہے۔ مگر اس وقت جبکہ پورا عالم کفر اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف برسر پیکار ہے، اسلامی تہذیب اور شعائر اسلام (مدارس، مساجد اور خانقاہیں) ان کا نشانہ ہیں اور عالم اسلام کے تمام حکمران طبقات اور روشن خیال ان کے ہمنوا ہیں تو ان حالات میں صرف ان اکابرین علماء سے امت کی امیدیں وابستہ ہیں اور یہی طبقہ اہل کفر کیلئے دل کا روگ بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ اس سارے سلسلے کو ختم کرنا چاہتے ہیں، گویا ہم حالت جنگ میں ہیں، ایسی حالات میں کسی مدرسے کا ایک چھوٹا طالب علم اور ناظرہ قرآن پڑھنے والے کسی بچے کا نقصان بھی بہت بڑا خسارہ ہے چہ جائیکہ حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی مرحوم جیسے جبال علم کا کوچ کر جانا یقیناً امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم خسارہ ہے۔

انبیاء، صلحاء اولیاء اور اللہ کے نیک بندوں کے سانحہ ارتحال پر زمین بھی گریہ زن ہوتی ہے اور آسمان بھی نالہ کناں اور اشک ریز ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ ''فمابکت علیھم السماء

---

* مدیر سہ ماہی ''درر الفرید'' زروبی، صوابی

والارض وما کانو امنظرین" نہ ان (فرعون اور اس کے متبعین) پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ان کو ڈھیل ملی۔اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں (اولیاء وصلحاء اور مشائخ وعلماء وغیرہم) کی وفات پر آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی۔روایات میں آتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی یا جس دروازے سے اس کا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا،اسی طرح جہاں وہ نماز پڑھتا تھا، ذکر واذکار میں جس جگہ مشغول رہتا، مسند حدیث ومسند درس وتدریس پر جہاں جلوہ افروز ہوتا، غرض وہ تمام مقامات جہاں جہاں انہوں نے قدم رکھا ہو ،نشست و برخاست کی ہو وہ تمام مقامات روتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ ہم اس سعادت سے محروم ہو گئے۔

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ؒ علماء و مشائخ کے زرخیز خطہ ضلع صوابی کے گاؤں زروبی میں حضرت العلامہ جامع المعقول والمنقول استاذ العلماء امام المتکلمین حضرت مولانا عبدالحلیم زروبوی (نور اللہ مرقدہ) کے ہاں پیدا ہوئے آپؒ کے والد کا علمی مرتبہ و مقام اور جاذب نظر شخصیت سے ہر خاص وعام واقف ہے۔علمی دنیا آپؒ کو صدر صاحب ''صدرالمدرسین اور امام المتکلمین'' کے نام سے جانتی ہے۔آپؒ نے طویل عرصہ تک دارالعلوم حقانیہ کو اپنے فیوضات سے نوازا۔دارالعلوم حقانیہ کی تعمیر وترقی اور اُس کو اعلیٰ مقام تک پہنچانے میں آپؒ کا بہت بڑا کردار ہے۔آپؒ کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؒ کو بھی قدرت نے گونا گوں صلاحیتوں اور اعلیٰ صفات سے نوازا تھا۔آپؒ نے اکابر علماء اور صلحاء بانی دارالعلوم حقانیہ عارف باللہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ،فقیہ العصر مفتی اعظم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحبؒ،صدر المدرسین امام المتکلمین شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم زروبویؒ،شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب شہیدؒ (نور اللہ قبورہم) شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دام فیوضہم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ العالی وغیرہم کی صحبت مبارکہ میں رہ کر ان سے بھرپور استفادہ اور استفاضہ کیا تھا۔ان اکابرین امت میں سے ہر ایک نے آپؒ کو شفقت اور محبت کی نگاہ سے نوازا تھا۔آپؒ کی تمام زندگی علم وعمل اور خدمت دین کی ترویج واشاعت میں بسر ہوئی۔آپؒ نے ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم حقانیہ سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چل کر دارالعلوم حقانیہ میں تمام عمر درس وتدریس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ترویج علم دین پر حریص ہونے کی وجہ سے زندگی کی آخری ایام تک اس پر کاربند رہے اور ہزاروں کی تعداد میں وارثان علم نبوت کی علمی تشنگی کی پیاس بجھائی۔

آپؒ کا انداز درس آسان اور عام فہم تھا، دوران درس اپنے اساتذہ کرام کے صدوری (جو سینے سے سینے کو منتقل ہوتے ہیں اور کتابوں میں موجود نہیں ہوتے) اور سطوری نکتوں کو بیان فرماتے۔ہر کوئی آپؒ سے مستفید ہوتا رہا۔تدریسی اوقات کی پابندی آپؒ کو طرۂ امتیاز تھا۔بندہ نے جب ۱۹۹۶ء کو جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا

توبندہ کو آپؒ کے انداز درس سے شناسائی ہوئی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو امتیازی صفات وخصوصیات سے نوازا تھا۔آپ کی ذات بابرکات جامع کمالات و مجموعہ فضائل تھی۔آپؒ علم وعمل کے پیکر ،رشد و ہدایت کے حامل ،دعوت واصلاح کے علمبردار اور اللہ کے بندگان کاملین میں سے تھے۔اخلاص وللّٰہیت اور عاجزی وتواضع میں اپنے اسلاف کا کامل نمونہ تھے۔عادات واطوار کے اعتبار سے نفاست اور سادہ مزاجی آپؒ میں کھوٹ کھوٹ کر بھری ہوئی تھی۔جودوکرم ،صبر وتحمل، استقلال واستقامت اور غیرت وحمیت میں اپنی نظیر آپ تھے۔آپؒ علمائے دیو بند کے مسلک اعتدال کے ترجمان اور عقائد اہل سنت والجماعت کے علمبردار تھے۔فصاحت و بلاغت میں معاصرین پر فوقیت کے حامل تھے اس دور پُرفتن میں آپ کی مقدس ہستی ایک عظیم نعمت الٰہی تھی۔آپؒ نے زندگی بھر اپنی تمام تر صلاحیتیں اصلاح امت اور مخلوق خُدا کی رہنمائی میں صرف کیں۔ہر کسی سے خندہ روئی اور کھلی پیشانی سے پیش آنا آپ کی شخصیت کا حصہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو گفتار کی شیرینی، زبان کی نزاکتوں اور لطافتوں سے نوازا تھا۔آپؒ علماء وصلحاء کا بہت احترام کرتے تھے،مہمان نوازی وسخاوت میں اپنی مثل آپ تھے۔آپؒ ایک خوداراور شریف النفس انسان تھے۔تنگدستی کے باوجود اپنی ضرورت کسی کے سامنے ظاہرنہیں کی اور نہ ہی فقیری کا سودا کیا بلکہ اپنے محدود وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی گزاری۔آپؒ اقرباء،علماء وطلباء غرض ہر خاص وعام کے ساتھ حسن سلوک کے قائل تھے سیاست میں آپؒ مدنی سیاست کے قائل تھے۔اس لیے ہمیشہ جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ منسلک رہے۔اور ہمیشہ کے لیے جمعیۃ علماء اسلام کے نامزد امیدواروں کی اعانت وحمایت کی اور انکو اپنی نیک دعاؤں سے نوازا۔

ایک سچے باعمل عالمِ دین کی پہچان اس کے جنازے سے عیاں ہوتی ہے حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؒ بھی ان بزرگ ہستیوں میں سے تھے جو زندگی بھر ہزار پردوں میں چھپے رہنے کے باوجود بھی ظاہر اور نمایاں رہتے۔چونکہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ اس وقت عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے حرمین شریفین کے سفر مبارک پر تھے اس لئے آپؒ کی وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ اکوڑہ خٹک میں شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق صاحب مدظلہ العالی نے پڑھائی، جبکہ آپؒ کے گاؤں زروبی میں حضرت مولانا فضل علی حقانی صاحب نے پڑھائی۔آپؒ کے دونوں جنازوں میں اطراف واکناف سے خلق خُدا کی کثیر تعداد میں شرکت کرنا آپؒ کے عنداللہ مقبول ہونے کی نشانی ہے۔

آپؒ کے محاسن اور دینی کوششوں کا احاطہ کرنے سے قلم عاجز ہے اس لیے ان چند سطور پر اکتفاء کرتے ہوئے دُعاگوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپؒ کی برکات اور فیوض کو تا قیامت جاری و ساری رکھے۔آپ کے پسماندگان،تلامذہ اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، دین اسلام کی سربلندی کے لیے آپؒ کی سعی جمیل کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپؒ کی مغفرت تامہ فرمائے (آمین)

انجمن سے وہ کیا گئے کیفی ۔۔۔ رونقیں لے گئے ہیں محفل کی

مولانا شوکت علیؒ ارمڑ میانہ

آہ! کھویا اِک گوہر نایاب

گذشتہ ماہ بتاریخ ۲۶ فروری بروز بدھ بوقت ۳ بجے سحری میں بسبب جانکا مرض ایک عظیم ہستی ، درویش صفت عالم دین ، اسلامی افکار ونظریات کا ترجمان ، مصنف ، ادیب ، شیخ الحدیث دیو بند ثانی (دارالعلوم حقانیہ) ، مرد قلندر ، بندہ کے استاد مربی ، محسن ، چراغ محفل ، بحر عمیق و مردِ شفیق حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحبؒ نے دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ۔

ایک غزل خواں بلبل نے نہ صرف بندہ کو بلکہ ہزاروں محبین و سامعین کو گلستانِ آباد سے ایک ویراں بیابان پر چھوڑ دیا۔

آہ! ایک روشن شمع محفل یکا یک بُجھ کر اپنے پروانوں کو تاریک اندھیروں میں چھوڑ دیا۔

بندہ خود کو تسلی دے تو کس طرح؟ اور کیسے یہ غم کسی سے شریک کر کے کم کر دے یا اسے فراموش کر کے بھول جاوے؟ خيالك في عيني وذكرك في فمي ومثواك في قلبي فأين تغيب

اب ایک طرف بندہ کی علمی کمائیگی حد درجہ اور دوسری جانب سانحۂ کبریٰ بھی حد درجہ اونٹ کی بار چیونٹی پر لادکرانے کے مترادف ہے۔

تو بندہ ، ناگفتہ حالت ہو کر اپنے استاد محترم فانی صاحبؒ کی مناقب قلمبند کرنے پر تو قادر نہیں کیونکہ آپکی شخصیت کئی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ بے بسی کے عالم میں بندہ آپ کے بارے اظہار عقیدت کیسے کرے؟

آپ کے حالات و یادداشتیں:

فانی صاحب نے اس چند روزہ زندگی کا آغاز امام المتکلمین صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم زروبوی کے گھر میں آنکھ کھول کر کیا پھر دینی مرکز دارالعلوم حقانیہ سے اول تا آخر اور ۱۹۷۸ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔

مشہور ہم مکتب ساتھیوں میں سے حضرت مولانا مفتی شاہ جہان (حالاً مفتی عرب امارات) شیخ القرآن مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ (حالاً امریکہ) ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عزیز الدین صاحب ہریانہ بالا پشاور (شیخ الحدیث ،مدرسہ حمایت الاسلام غلجی پشاور) اور امیر جمعیت علماء اسلام حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور خطیب اسلام مشہور مصنف وادیب شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب شامل تھے۔

ذہانت وفطانت:

اللہ کریم نے آپکو انتہائی ذہانت بخشی تھی عہد طالب علمی میں نمایاں نمبروں پر فائز ہوتے رہے۔اس بابت بندہ کو آپ نے روداد سنائی تھی کہ میرے استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ نے میرے خوشنویسی اور درست جوابات دینے پر دادِ تحسین دیتے ہوئے اپنا شاگرد خاص بھی سمجھا۔قدرت نے آپکو قوت حافظہ سے نوازا تھا اکثر تاریخی وادبی شخصیات کے سوانح وکلیات کے حافظ تھے۔

شخصیت: آپ کی شخصیت علمی، ادبی، سیاسی اور تصنیفی موضوعات کی ایک سوغات تھی جو کہ نہ صرف بندہ بلکہ ایک جمع غفیر آپکے انداز گفتگو، سنجیدگی، طرزِ بیان نشست و برخاست اور عملی تگ ودو سے مذکورہ صفات کی قائل تھی۔

علمیت: قطع نظر ایک علمی خاندان سے تعلق کی بناء پر آپکی ذاتِ مبارکہ خود ایک نمونہ علم وفضل تھی بلکہ آپ ایک بحر بیکراں تھے۔دارالعلوم حقانیہ جیسی بڑی علمی و عالمی درسگاہ میں آپکی بچپن ولڑکپن سے ہوتے ہوئے ابھی تک درس وتدریس اور پھر بحیثیت شیخ الحدیث کے منصب پر مشرف ہو جانا آپکی علمیت پر واضح دلیل ہے۔

عملی جہادی اور سیاسی زندگی: آپ نے اپنی کل صفات علمیہ کو عملی جامہ پہناتے ہوئے زندگی گزاری یعنی تمام تر دینی شعبوں درس وتدریس، تصنیف، ادب وشاعری، سیاست، تصوف اور جہاد میں آپ عقیدۂ مطہرہ کے آفتاب تھے اور غیروں کیخلاف طوفان بے تاب تھے درس وتدریس اور تصنیف میں دارالعلوم حقانیہ مرہون منت ہے۔ قلمی محاذ پر اسلام کے رکن عظیم جہاد کے سلسلے میں آپ امارت اسلامی کے صف میں انتہائی فخر کے ساتھ ڈٹ کر ساتھ دیتے رہے اور انکے ساتھ والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے چونکہ آپ سیر وسیاحت کے بے حد شوقین تھے تو آپکے واسطے بندہ کی بعض اہم رہنماؤں سے ملاقات ونشست نصیب ہوئی جہاد میں دارالعلوم حقانیہ کا کردار اور امارت اسلامیہ کی وہ مثالی سرگرمیاں ایسے انداز میں ہمیں سناتے جس سے ہماری ذہن وسوچ کو چونکا دیتے۔

علاوہ ازیں حب الوطنی میں اظہار جذبۂ جہاد میں آپکے قلم کی زور تلوار سے بھی زیادہ ثابت ہوئی اس وقت جب دشمن ملک بھارت نے ایٹمی دھماکے کر کے ناپاک جسارت کی تو آپ نے قلم اٹھا کر اخبارات کو ایک مضمون لکھا جس میں آپ نے چند ولولہ انگیز الفاظ تحریر فرمائے کہ! آج ہمارا ایک امتحان عشق حب الوطنی کا اور دوسرا صبر کا ہے اور استشہاد میں علامہ اقبال کا یہ شعر پیش کیا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں
عقل محو تماشائی لب بام ابھی

وہی کالم وزیراعظم نواز شریف کی نظر سے گزرا تو اس نے فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ ہم عشق وجذبہ

حب الوطنی کو ترجیح دیکر انتقام لیں گے۔

ویسا ہی مئی ۱۹۹۸ء میں وطن عزیز نے دشمن کو جواب دیا۔ پھر مزید فانی صاحبؒ نے قلم کو حرکت دیتے ہوئے ڈاکٹر قدیر کو خراج عقیدت کیلئے ایک جوشیلی نظم تحریر کر کے بھیج دی جو آج بھی دارالخلافہ اسلام آباد میں ڈاکٹر قدیر کے کمرے کی زینت بنی ہوئی۔

ادبی زندگی:

علمی فرائض انجام دہی کیساتھ ساتھ عہد طالب علمی سے آپ نے ادب و شاعری میں قدم رکھا جو رفتہ رفتہ ایک بڑے ادیب کی حیثیت سے شمع محفل بنے اگر چہ بوجہ اپنے تخلص ''فانی'' سے قومی و ملکی سطح پر مخفی تھے دوسرا یہ کہ قناعت گوشہ نشینی وفقیری آپکو پسند تھی۔

مجالس:

من حیث المجموع آپ نجی زندگی میں ظاہری طور پر ایک سادہ مزاج اور سادہ لوح نظر آتے لیکن آپکی عام اور ادبی مجالس میں حلاوت وتازگی اتنی رچی بسی تھی کہ ایک صوفی انسان بھی ہنس ہنس کر ترنگ میں آجاتا اور آپکی غزل گوئی سے مچلنا شروع کر دیتا خود بندہ کو اس بارے میں مفتی نظام الدین شامزئی صاحبؒ کی روداد سناتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ! مفتی صاحب ایک موقع پر دارالعلوم آکر دروازے پر دستک دی۔ جب اندر آئے اور مجلس ہوئی جس میں آپ نے مفتی صاحب کو علامہ محمد اقبالؒ کے نظم اسیری سے چند اشعار سنائے تو مفتی صاحب ایک سنجیدہ شخصیت جذبے میں آکر ٹیک لگائے ہوئے تکیہ کو سامنے رکھا اور بے اختیار ہاتھوں سے ضربیں دیکر واہ واہ کہہ کر داد دیتے رہے۔

آپکی درویشانہ مجلس میں سب کیلئے دروازہ کھلا رہتا اور آپکا کلام سن کر غمزدہ اور تھکے ہوئے اپنی تھکاوٹ کو ختم کرتا کیونکہ آپکی شاعرانہ کلام معاشرتی زندگی کے کئی امور کا مجموعہ تھی مثلاً، زندگی کے دردوغم سے انباہ، طبع تسلی، غربت و افلاس، مظلوم کی آہ سے ڈرنا، فراقِ یار پر رونا، حقیقت زندگی وموت کا بیان، سچ گوئی و راست بازی کا سبق، اللہ کی کبریائی، رسول ﷺ وصحابہؓ کی عظمت، بچوں پر شفقت اور بڑوں کی ادب، امید سحر، احساس زندگانی، عشق کے رموز و اسرار اور شادی پر سرور کا اظہار وغیرہ۔

آپ چونکہ فی البدیع شاعر تھے اور یہ کمال آپ بعض مواقع پر دکھاتے بھی جس میں آپ اوروں پر بازی لیکر دادِ تحسین وصول کر لیتے جیسا کہ آپ کے متعلق کسی نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ آپ کو خوشحال خان خٹک کے مزار پر ادبی تقریب کے سلسلے میں مدعو کیا گیا اور وہیں آپ کو ایک طرحہ دی گئی اور ساتھ ہی بارش بھی شروع ہوگئی تھی طرحہ مصرعہ یہ تھا۔ ''اس لئے تصویر جاناں میں نے کھنچوائی نہیں''

تو آپ نے اس پر زبردست نظم عین موقع میں تیار کر کے سنائی اور سب کو منوایا وہ اشعار آپ کے اردو کلام ''نالۂ زار'' میں موجود ہے۔

فانی کی فنا میں یادوں نے ــــ بندہ کو ستایا دردوں نے

ہائے! پورا ایک سال گزرا یادوں میں ایک اور یاد۔ ماہ مارچ ۲۰۱۳ء میں شام کے وقت بارش و بادل کے موسم میں جب بندہ دارالعلوم سے گھر جانیوالا تھا اور معمول کے مطابق آپ سے اجازت مانگنے آپ کے پاس گیا تو آپ نے بندہ کو اپنے ساتھ کا کا صاحب روانہ کیا۔ ہم ان صحرائی راستے پر چلے جسکے دونوں طرف کیکر و گھاس وغیرہ پر بہار کا سبزہ زار بنا تھا اور بارش بھی خوب ہوئی تو بندہ نے آپکو کہا کہ جی! یہ موسم آپ سے کچھ سنانے کا تقاضا کرتی ہے تو آپ نے پشتو میں ایک غمگین غزل جب شروع کیا تو بندہ نے کہا کہ جی! ترنم کے ساتھ تو آپ نے ترنم کیساتھ یہ غزل سنائی۔

پاتی لا زاڑه دی اوس پی نور میلمانه شوی دی ــــ ستا دردونه بیاد زړه په کور میلمانه شوی دی

دیگر شعراء سے وابستگی: باوجود اسکے کہ! آپ کا مشغلۂ اصل درس و تدریس تھا لیکن دائرہ ادب میں مختلف اللسان شعراء سے آپکی وابستگی تھی جس میں بقول آپ علامہ محمد اقبال آپکے پسندیدہ شخصیت تھی۔ خود بندہ کو اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ کسی نے مجھے کہا آپ کس طرح شاعر بنے اور آپکی پسندیدہ شخصیت اس باب میں کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ! شاعری تو احساسات کا نام ہے میں ازلی شاعر ہوں اور میری پسندیدہ شخصیت اقبال ہے اور میں اس پر عاشق ہوں۔

آپ جب کسی شاعر کا کلام سناتے تو اپنی اعضاء و جوارح سے ایک عجیب انداز میں سامعین کے سامنے اس شاعر کی تصویر کھینچتے گویا کہ وہ شاعر خود سامنے بیٹھا ہوا اپنا کلام سناتے ہیں یعنی میر درد کا کلام سنانے میں آپ میر درد تھے غالب کا کلام سنانے میں آپ غالب تھے اسی طرح علامہ محمد اقبال، فیض احمد فیض، ساغر صدیقی، احمد فراز، طاہر کلاچوی، مولانا روم، عبدالرحمٰن بابا، پروین شاکر وغیرہ کے اشعار سے ان کے حالات' احساسات و کیفیات کی یاد تازہ کردیتے۔

ان تمام شعراء کے کلاموں کو جدا جدا طرز و رنگ دیکر آپ کبھی ہاتھ پھیلاتے، کبھی سر ہلاتے اور کبھی ہونٹوں اور آنکھوں پر رونے کا اظہار فرما کر آبدیدہ ہوجاتے۔

بالخصوص علامہ اقبالؒ کے کلام ''پیر رومی مرید ہندی'' اور احمد فراز کی کلام جس میں پردیسی اپنے ایک اہم وطن کو دیکھتے ہوئے اس سے پوچھتا ہے جسکا ابتدائی شعر یہ ہے؟

وہ دیس سے آنیوالے بتا وہ دیس ہمارا کیسا ہے ــــ سب دوست ہمیں پیارے ہیں مگر وہ جان سے پیارا کیسا ہے

اس موقع پر فانی صاحبؒ رو پڑتے۔

رقت قلبی میں آپ نوح ثانی تھے ایک غم کی کہانی ، زندان کا واقعہ ،شہداء کی کرامات سنانے سے آپ پر رونے کی کیفیت طاری ہوجاتی۔

شیخ نصیب خانؒ کی شب شہادت کے موقع پر آپ دہاڑے مار مار کر روئے اور رات گئی جب سحری کے وقت بندہ آپکے پاس آیا تو آپ نے اپنے سخت بخار کی یہی وجہ غم بتائی۔

تواضع: ہر ایک کے ساتھ بے تکلفی آپکی تواضع کی نشانی وترجمانی تھی اور یہ کہ آپ نے تمام زندگی مہمانان خدا اور یاران مصطفیٰ طلباء کرام کے مابین مدرسے میں ایک چٹائی پر گزاری ، مزین میزوں کی بجائے زمین پر دوست واحباب کیساتھ دستر خوان پر کھانا پسند فرماتے آپکی بیٹھک فقط کتابوں کی الماری پر مزین ہے۔

ایک دن آپکے مجلسی دوست وتلمیذ خاص قاری رحیم گل نے دوپہر کے کھانے کا بندوبست دارالعلوم میں آپکے کمرہ نمبر ۳۵ میں کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں پر جو مزہ آیا وہ تاج محل ہوٹل میں بھی نہیں۔

بندہ کیساتھ جب گاؤں ارمڑ جایا کرتے تو دوست کی طرح آزادانہ اور بے تکلفی سے روانہ ہوجاتے اور تحدیث بالنعمت بندہ کے دارالضیوف کو اپنی جگہ سمجھتے اور فانی صاحب اسکی وجہ بھی بتاتے کہ پرائی جگہ پر مجھے نیند وغیرہ نہیں آتی لیکن حاجی صاحب آپکے ہاں مجھے بڑی سہولت ہوتی ہے ، آپکی ہر ہر یاد بھی بندہ کو تڑپاتی ہے جب موسم بہار کے موقع پر آپ بندہ کے ساتھ ارمڑ کے صحراؤں میں گھومتے پھرتے اشعار سناتے۔

تصانیف میں آپکے تقریباً (نصابی کتب کی شرحیں اور شاعرانہ) کی ذخیرہ موجود ہے۔علاوہ ازیں سینکڑوں تقاریظ ،سہرے ،مرثیے ، کتبے آپ کے رشحات قلم ہیں۔

پھر اتنی ہمت کہ! بستر علالت پر قلم وکتاب سے رشتہ جوڑے رکھا اتنی محنت وذوق کی مثال زمانہ قریب میں نہیں ملتی۔

تصنیف وتحریر کی یہ گھٹی جو آپکو اپنے استاد ومربی حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے دی تھی تو ابھی تک غنودگی کے عالم میں بھی وہ آثار دکھاتے رہے اور یقیناً آپکی یہ فن تصنیف فیض احمد فیض کے ان الفاظ کی مصداق ہے جو بندہ ہسپتال میں آپ کے ارشاد پر املاء کئے ۔فانی صاحب اس وقت موج میں آکر یہ اشعار سنائے ۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پر گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

تو آخری دم تک آپ نے اپنی تصنیفی خدمات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہسپتال میں بھی ایک کتاب ''داستان دلکشا اور زمان ابتلاء'' لکھ کر اپنے مربی (مولانا سمیع الحق) صاحب کو فون پر بات چیت کے دوران

فرمایا کہ! آپکے مطالعہ کے لئے ایک نیا علمی ،ادبی ،سوانحی ساتھی تخلیق کیا ہے۔

تو آپ نے اپنے استاد (مولانا سمیع الحق صاحب) پر ثابت کیا کہ! میں تو چلنے والا ہوں لیکن ایک یادگار ''داستان دلکشا در زمان ابتلاء'' چھوڑ کر آپکی تربیت تصنیف پر آخری مہر لگاتا ہوں۔

مزاج گرامی: آپکی طبیعت میں تحمل ،نرمی اور خوش اخلاقی کے اثرات موجود تھیں کسی سے ملنے پر دونوں ہاتھ ملا کر اسکی خیریت کے علاوہ گاؤں اور والدین کے بارے میں بھی خیریت پوچھ لیتے۔

بندہ کے ساتھ معمول یہ تھا کہ گاؤں سے روانہ ہو کر راستے میں آپکو فون ضرور کرتا جب بھول جاتا تو پھر آپ گپ شپ میں شکوہ کرتے پھر واپسی میں بندہ آپ سے اجازت لیتا۔ جب بھول جاتا تو فون پر الوداع کہتے۔

اکثر اوقات آپکے چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں خوشی کی لہر تھی۔خوش طبعی اور لطیفہ بازی کے دوران بندہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر تالی بجا لیتے اور ہنس کر ماحول کو سرور بخشتے۔آپ کا آخری لطیفہ جو ڈاکٹر سید نے کڈنی سنٹر میں آپ کے پاؤں پر پٹی باندھتے تو آپ نے فرمایا:'' ڈاکٹر صاحب! آپ نے تو بار بار میرے پاؤں کی دستار بندی کی، آپ دارالعلوم میں داخلہ لیں کہ میں اس کے بدلے آپ کے سر کی دستار بندی کروں''

مسکراہٹ کی لکیریں جس نے تصویروں کو دیں
اس مصور کی جبیں پر ہر شکن مضروب ہے

لیکن جب غضب وجلال میں آجاتے تو پھر کسی کو آپکے سامنے آنکھیں جھپکنے کی طاقت نہ رہتی اور یہ الفاظ پشتو میں استعمال کرتے۔ پریگدہ سڑیہ زور ور ئیے

بندہ جب کسی کے بارے میں لا پرواہی کا ذکر کرتے تو آپ فرماتے یاسڑیہ دو مرہ غم ئے مہء کوہ

جب بندہ سفر کیلئے گاڑی کا بندوبست کرنے پر ذرا ٹھہر جاتے تو آپ بار بار فون کرتے اور انتظار آپ پر بہت دشوار گزر جاتی۔

تو اکثر میں دوڑتے ہوئے آپکے پاس کوئی تو ر یہ وغیرہ پیش کر لیتا تو آپ چشم پوشی فرماتے۔بندہ اگر آپکی عادات و مناقب لکھنے کی کوشش کرے تو صفحات تو کیا کتابیں تصنیف ہو سکتی ہیں لیکن بندہ کے قلم اور ہاتھ میں اتنی سکت نہیں کہ مزید لکھے اللہ آپ کو اعلیٰ جنتوں میں جگہ نصیب فرمائے اور سوگواران کو صبر دے۔امین

اللھم اغفرہ ورحمہ' وجعل الجنۃ مثواہ

☆ ☆ ☆

مولانا عبداللہ صادق حقانی*

حضرت فانیؒ کی پُر لطف باتیں‘ بذل سنجیاں‘ مزاح

یہاں پر حضرت فانیؒ کے وہ علمی لطائف‘ پر لطف باتیں‘ ادبی نکتے اور واقعات اختصار کے ساتھ نقل کیے جا رہے ہیں جو کہ اُنہوں نے مختلف مجالس اور درس کے دوران ارشاد فرمائے ہیں۔ لہٰذا اس میں ترتیب ضروری نہیں۔ اہل علم حضرات آسانی سے مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱) سنن نسائی کے افتتاح کے موقع پر فرمایا کہ ہمارے نزدیک روح مع الجسد کبھی کبھی نمودار ہو سکتا ہے۔ ایک دفعہ شاہ عبدالرحیمؒ کے سامنے شیخ سعدیؒ کی روح متشکل ہوئی تھی۔ اسی طرح شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کو لوگوں نے حج کے دوران عرفات کے میدان میں دیکھا۔ ایک مناظرے کے دوران حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ متشکل ہوئے تھے۔

(۲) اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں: کلمہ‘ نماز‘ روزہ‘ زکوٰۃ‘ حج۔ جہاد پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاد اگرچہ سب سے آخر میں لائے ہیں لیکن جہاد سب سے مقدم ہے‘ یعنی ان سب کے لیے ڈھال ہے اور یہ واقعہ سنایا۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ محشی بیضاوی بہت بڑے عالم تھے۔ ایک دفعہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ اکبر بادشاہ کے دربار میں تھے‘ دربار میں شیعہ اور برے عقیدے والے لوگ بھی تھے۔ لوگوں نے سازش بنائی کہ حکیم صاحب کو بدنام کریں۔ بادشاہ سے کہا کہ اُن کے والد کو طلب کیا جائے اور اُن سے تقریر کروائی جائے۔ سیالکوٹیؒ کے والد نہ تو کوئی عالم تھے اور نہ مقرر بلکہ ایک سیدھے سادے زمیندار تھے۔ بالآخر سیالکوٹیؒ کے والد کو تقریر کے لیے طلب کیا گیا۔ انہوں نے بیان کیا اور فرمایا کہ اسلام کی چھ بنیادیں ہیں‘ دربار میں موجود تمام لوگ ہنس پڑے۔ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے وضاحت کی کہ میرا والد ضعیف ہے‘ آگے مزید تقریر نہیں کر سکتا لہٰذا اس کی تشریح میں کرتا ہوں۔ سیالکوٹیؒ نے فرمایا کہ میرا والد ٹھیک کہہ رہا ہے‘ ان میں سے ایک جہاد بھی ہے‘ یہ بھی ایک اہم فریضہ ہے۔ تو اس طرح اسلام کی کل چھ بنیادیں ہوئیں۔ دربار میں موجود تمام لوگ یہ وضاحت سن کر ششدر رہ گئے۔

---

* صدر اسلامک رائٹرز فورم، صوبہ خیبر پختونخوا۔ masadiq155@gmail.com

(۳) اعمشؒ کی بیوی کا قصہ: جب آٹا ختم ہو جاتا تو اعمشؒ کو اُس کی بیوی ہر وقت کہتی کہ آٹا ختم ہے' آٹا لاؤ۔ اعمشؒ نے تنگ آ کر کہا کہ اگر آپ نے دوبارہ مجھے آٹے کے بارے میں کہا تو آپ کو طلاق۔ بیوی فوراً امام صاحب کے پاس پہنچی' سارا واقعہ سنایا۔ امام صاحب نے طریقہ بتایا کہ آٹا بھی طلب کرو گی اور طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ امام صاحب نے بتایا کہ جب بھی آٹے کی ضرورت ہو تو آٹے کی تھیلی اعمشؒ کی چادر سے باندھ دو۔ جب بیوی نے وہی طریقہ اپنایا تو اعمشؒ نے کہا کہ یہ طریقہ آپ کو اور کسی نے نہیں بتایا بلکہ یہ امام صاحب نے بتایا ہے۔ (یہ امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت کی ایک دلیل ہے)

(۴) رب: فرمایا کہ ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء لفظ رب سے ہے۔ قرآن کی ابتداء اور انتہاء بھی لفظ رب سے ہے۔ نماز کی ابتداء اور انتہاء بھی لفظ رب سے ہے۔ انسان کی ابتداء اور انتہاء بھی لفظ رب سے ہے۔ مثالیں ذکر فرمائیں۔ الحمد للّٰہِ رب العالمین' قل اعوذ برب النّاس' ربّنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار' الست بربکم قالو بلیٰ' ربنا ظلمنا انفسنا فرمایا کہ جب لفظ رب بغیر اضافت کے مستعمل ہو جائے تو اُس کا اطلاق صرف اور صرف اللہ پر ہوتا ہے

(۵) ایک دفعہ حضرت فانیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کا تو دارالعلوم میں بہت عرصہ ہو گیا لیکن بہت عرصے بعد آپ کو دورۂ حدیث میں کتاب ملی تو حضرت نے خوب صورت جواب دیا جو انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ سے سنا تھا۔ فرمایا کہ تاخیر میں خیر ہوتی ہے' جب تاخیر سے تا ہٹایا جائے تو خیر باقی رہ جاتا ہے' تو اس میں بھی خیر پوشیدہ ہوگی۔

(۶) حضرت سے اکثر یہ سوال ہوتا رہا' ہم نے بھی یہ سوال دُہرایا کہ علم دین تو آپ نے اساتذہ' والد محترم سے حاصل کیا لیکن شعر و شاعری کس سے سیکھی ہے' اس فن میں آپ کا اُستاد کون ہے' حضرت نے خوش گوار انداز میں جواب دیا۔ الشعراء تلامیذ الرحمٰن کہ شعراء کسی کے شاگرد نہیں ہوتے بلکہ یہ رحمٰن کے شاگرد ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ شعر و شاعری ہمیں وراثت میں ملی ہے' ہمارے والد محترم بھی نامور شاعر تھے۔

(۷) ایک مرتبہ فرمایا کہ لفظ شیر کے دو معنی ہیں' جنگل کا بادشاہ' شیر بمعنی دودھ۔ لکھنے میں ایک جیسے لیکن معانی میں فرق ہے۔ اسی طرح ہمارے سر' صحابہؓ کے سر اور محدثین کے سر ایک جیسے ہیں لیکن حافظے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۸) باب الوضوء میں بحث کے دوران فرمایا کہ وضو کے ذریعے بدن سے گناہ جھڑتے ہیں' اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ گناہ نجس ہے اور دوسرا یہ کہ گناہ گرم ہے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کیا کرو۔

(۹) لفظ کعب کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ کعب کے معنی ہیں اونچا ہیں' کعبین کو کعبین اس لیے کہتے ہیں

کہ یہ بھی پنجے سے اوپر ہوتے ہیں۔اسی طرح خانہ کعبہ یہ بھی پوری زمین پر اونچا تھا' بعد میں سیلاب کی وجہ سے نیچے آ گیا۔

(۱۰) فرمایا کہ شیعہ مسح کے قائل ہیں' شیعہ کی دلیل "و ارجلکم بالکسر"

احناف کا جواب: شیعہ پر رَد خود آیت کریمہ کے آخر الی الکعبین میں موجود ہے اور مسح میں یہ بات نہیں کہ کعبین تک ہو۔حالانکہ کعبین تک پاؤں دھونا ثابت ہے۔

(۱۱) ایک مرتبہ فرمایا کہ کتابت میں کاتب کبھی کبھی اپنی طرف سے تصرف کرتا ہے۔آیت "وخرموسٰی صعقا" میں خَرَّ کی بجائے خمار اور موسیٰ کی بجائے عیسیٰ لکھ دیا۔اسی طرح کا ایک اور قصہ ہے کہ ایک طالب علم نحو میر پڑھا رہا تھا تو اُس نے اپنے بڑے سے کہا کہ میں نے قرآن میں کچھ غلطیاں نکالی ہیں (ا) کہ خر تو عیسیٰ کا تھا اور عصا تو موسیٰ کا تھا لیکن قرآن میں آیا ہے "و خر موسٰی صعقا" "وعطی آدم ربہ فغویٰ" مطلب یہ ہے کہ خمار تو موسیٰ کا نہیں بلکہ عیسیٰ کا تھا اور عصا تو آدم کا نہیں بلکہ موسیٰ کا تھا۔

(۱۲) فرمایا کہ پاک و صاف میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا صاف تو ہوتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ پاک بھی ہو۔زمیندار کا کپڑا پاک تو ہوتا ہے لیکن صاف نہیں ہوتا۔اور علماء وطلباء کے کپڑے پاک و صاف دونوں ہوتے ہیں۔اور یہ آیت قرآنی تلاوت فرمائی ولکن لیطھرکم

(۱۳) فرمایا کہ ولوغ اور شرب کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ولوغ کلب کے ساتھ خاص ہے اور شرب انسان کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے جانوروں کے درمیان عام ہے۔

(۱۴) فرمایا: ایک نابینا اور بینا شخص تھا' دونوں سفر کر رہے تھے' چلتے چلتے راستے میں پانی آیا۔نابینا شخص نے بینا شخص کے اوپر سوار ہو کر دُعا پڑھی سبحٰن الذی سخر لنا ھذا و ما کنا لہ مقرنین و انا الی ربنا لمنقلبون جب دونوں پانی کے درمیان پہنچے تو بینا نے اُس کو اُتارنا چاہا تو نابینا نے کہا رب انزلنی منزلا مبارکا و انت خیر المنزلین

(۱۵) لفظ عندل کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عندل کے معنی ہیں جو تیز تیز بولتا ہو' ہماری جماعت میں ایک عندل اور آپ (طلباء) سب عندل ہیں۔

(۱۶) یمین کے متعلق فرمایا کہ یمین کی شرافت یہ ہے کہ اس سے شریف کام کیا جائے۔

(۱۷) ایک دفعہ مجلس میں صحابہؓ کی سیرت' عظمت و کردار کا تذکرہ آیا۔اس کے ضمن میں مودودی کا ذکر آیا تو حضرت فانیؒ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ سے حضورؐ، فرشتے، ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حیاء کرتے تھے' لیکن مودودی

حیا نہیں کرتا۔

(۱۸) ایک دفعہ مجلس میں کارکنوں کی تربیت کے بارے میں فرمایا کہ آج کل تربیت کا فقدان ہے۔ کارکن ہمارا ہے لیکن کسی اور کے لیے استعمال ہو رہا ہے' اس لیے ہماری قوت منتشر ہے۔ ہماری جماعت پروپیگنڈے کا شکار ہے۔ پرایا تو پرایا اپنے بھی ہماری کردار کشی کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود آفرین ہو ہمارے کارکنوں پر کہ پروپیگنڈے کے باوجود متزلزل نہیں ہوتے۔ کارکنوں پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ تربیت یافتہ نظریاتی بن جاؤ۔ اپنے نظریئے کے مخالف کو لگام دینی چاہیے۔ جمعیت طلباء اسلام کے ذمہ داران کو چاہیے کہ تربیتی کنونشن منعقد کیے جائیں تاکہ کارکن تربیت حاصل کریں اور کارکن ضائع نہ ہوں۔ فرمایا اگر آپ تربیت یافتہ اور نظریاتی بن جائیں تو دُنیا کی کوئی طاقت آپ کو شکست نہیں دے سکتی۔ اگر آپ نظریاتی ہو تو مخالف بھی آپ کو تسلیم کرے گا۔ جذبے کے مقابلے میں نظریئے کو ترجیح دینی چاہیے۔ آپ کے جذباتی ہونے میں حکومت کو اور باطل قوتوں کو فائدہ ہے۔ فرمایا کہ ہم نتیجے کے مکلّف نہیں' جدوجہد کے مکلف ہیں' ہمیں اپنی جدوجہد کا اجر ملے گا۔

(۱۹) کتاب سنن نسائی و مؤطائین کے اختتام پر وعظ و نصیحت کرتے ہوئے فرمایا و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین. فرمایا کہ اب آپ علمی زندگی سے عملی زندگی کی طرف جا رہے ہو۔ دُنیا میں بہت سے فتنے ہیں' آپ عوام کی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح بھی کرو گے۔ مذکورہ آیت ایک مغز ہے' اس کو پورا پورا اپنے عمل میں لاؤ۔ فرمایا کہ ہم کون ہیں' ہماری کیا نسبت ہے لیکن بڑوں سے نسبت ہے۔ اس موقع پر یہ شعر ارشاد فرمایا

برے ہیں یا بھلے ہیں
دو چار قدم چلے ہیں

نسبت حقانیہ کی لاج رکھو' اس کا عقیدہ بھی آپ کو معلوم ہے۔ مسلک اعتدال پر چلو۔ اپنے اکابر' اپنے اساتذہ پر اعتماد اور احترام کرو۔ احترام اور اعتماد کا یہ رشتہ ٹوٹ نہ جائے۔

آخر میں دورۂ حدیث کے تمام طلباء کو سند حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی اور اپنی پوری سند بیان فرمائی اور اپنے اساتذہ کا ذکر کیا کہ کس اُستاد سے کون سی کتاب پڑھی ہے (جو کہ میں نے ابتداء میں ذکر کیا ہے) وعظ ونصیحت کے بعد دُعا کی اور رقت آمیز مناظر دیکھنے کو ملے۔ اُستادِ محترم دھاڑیں مار مار کر روتے رہے۔

(۲۰) ایک دفعہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہا کہ تمام اسناد میں صرف میری سند ہے کہ جس میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ کا واسطہ آتا ہے اور کشمیریؒ کے واسطے سے حضرت شیخ الہندؒ تک پہنچتا ہے۔

(۲۱) اُستادِ محترم حضرت فانیؒ نے راقم کو بھی بہت سی نصیحتوں سے نوازا۔ وقت بر وقت اصلاح اور رہنمائی کی کوشش کرتے خصوصاً صحافت کے حوالے سے تو حضرت کی رہنمائی بہت کار آمد ثابت ہوئی۔

اسلامک رائٹرز فورم کے حوالے سے اکثر فرماتے کہ یہ بہت اچھا قدم ہے۔ آج اُمت کو اسلامی لکھاریوں کی بہت ضرورت ہے۔ فورم کو وسیع کرنا چاہیے' زیادہ سے زیادہ ممبران بنائے جائیں' صحافتی کورس منعقد کیے جائیں۔

اتحادِ اُمت کے داعی: حضرت فانیؒ اتحادِ اُمت کے زبردست داعی تھے' اجتماعیت پر بہت زور دیتے تھے۔ ہر ہر لفظ سے اتفاق و اتحاد کا جذبہ ٹپکتا تھا۔ اپنے قلم کے ذریعے اُمت کو اتحاد و اتفاق کا درس دیتے تھے۔ جس کا ثبوت حضرت کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو کہ حضرت نے حج کے موقع پر تحریر فرمائی۔ تحریر کا کچھ حصہ من وعن نقل کیا جاتا ہے......

''اسلام ایک آفاقی مذہب تا قیامت باقی رہنے والا دین اور اجتماعیت کا مظہر ہے۔ حج کے موقع پر مسلمانوں کا یہ عالمی اجتماع اُن کے اندر محبت رشتہ و تعلق اور اُخوت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ اسلامی اُخوت کا یہ بے مثال مظاہرہ دیگر مذاہب میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اسلام مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد اور یکجہتی کا درس دیتا ہے۔ عام باجماعت نمازیں یا جمعہ وعیدین کے موقع پر نمازوں میں مسلمان اجتماعی طور پر شرکت کرتے ہیں تاکہ اغیار کے مقابلے میں بنیان مرصوص کی طرح مضبوط قوت بن جائیں اور پھر حج کا یہ عالمی اور بین الاقوامی اجتماع اس اجتماعیت کا آخری مرحلہ ہے۔ اگر مسلمانانِ عالم اپنی اسی اجتماعیت اور اُخوت و محبت کو بروئے کار لائیں تو انشاء اللہ وہ کبھی محکوم ومقہور اور مظلوم نہیں رہیں گے اور نہ اغیار کی غلامی اور اُن کے در کی دریوزہ گری اُن کا مقدر ہوگی۔ آج عالم اسلام کی مجموعی زبوں حالی ہمارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے' اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے آپ کو پہچانیں' اپنے تشخص پر غور کریں' اپنی عظمت رفتہ کو یاد کریں' اسلام کی روح پر عمل کرنے کی سعی کریں۔ پھر اس کا نتیجہ ایک تابناک مستقبل اور بارُعب قوم کی صورت میں اقوام عالم کے سامنے آشکار ہوگا۔'' (ماہنامہ الحق شمارہ نمبر 541 ستمبر 2010ء)



ماضی کے جھروکوں میں دیکھا رنگین نظارے یاد آئے
زخموں کے فوارے یاد آئے فرقت کے شرارے یاد آئے

(فانیؔ)

سید اسرار احمد نعمانی*

''انا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون''

زمانہ مدتوں تک یاد کرکے روئے گا ہم کو گنے گا وہ ہماری خوبیاں جب ہم نہیں ہونگے
انہیں ڈھونڈتی ہیں نگائیں ہماری جو خود چھپ گئے ساری محفل سجا کے
وہ اٹھے تو افسردگی چھائی ایسی دیئے بزم کے بجھ گئے جھلملا کے

خاکِ زروبی نے علم وفضل کے لحاظ سے عظیم المرتبت گوہر یکتا شیوخ زمان اپنے سینے میں چھپائے ہیں یہی باکمال ہستیاں حضرت صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ متکلم اسلام حضرت العلامہ عبدالحلیمؒ مفتی اعظم پاکستان فقیہ العصر حضرت شیخ الحدیث مفتی محمد فریدؒ ادیب العصر محقق دوراں شیخ الحدیث حضرت العلامہ ابراہیم فانیؒ زروبی کی زمین کی عظمت وکرامت کی عظیم دلیل ہیں کہ ایسے عظیم اکابر علمی سپوتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئی ہے۔

نورِ جہاں در ظلمتِ آباد بدن گم کردہ
آہ زاں یوسفؑ کہ تو در پیرہن گم کردہ

عجیب اتفاق ہے کہ یہ تینوں نفوسِ قدسیہ دیوبند ثانی دارالعلوم حقانیہ ہی کے مسندِ حدیث پر جلوہ افروز ہوئے ہیں ۔ دارالعلوم حقانیہ میں ان کی جلوہ افروزی دنیائے حنفیت پر دلائل وبراہین کہ سایہ فگن بن سکے گی۔ دارالعلوم حقانیہ کے مسند حدیث پر بیٹھ کر دلائل وبراہین کے ایسے انبار لگادیتے تھے کہ مہمانان رسول مکمل تشفی کے بعد بے اختیار زبان حال وقال سے اس شعر کو وِردزبان بناتے۔

یزید وجهه حسناً اذا ما ذرته نظراً

حضرت العلامہ شیخ الحدیث ابراہیم فانی اپنے عظیم والد صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ علامہ الدھر حضرت العلامہ عبدالحلیم نوراللہ مرقدہٗ کے بعد دارالعلوم حقانیہ میں ان کی مسند سنبھالے ہوئے تھے ، مگر حیات دنیوی کی بے ثباتی کا کیا کہیئے ،حضرت صدرالمدرسین علامہ عبدالحلیم نوراللہ مرقدہٗ کے محد ثانہ متکلمانہ اور مفتی محمد فرید نوراللہ مرقدہٗ کے محد ثانہ فقہیانہ شان کے امین حضرت العلامہ ابراہیم فانی بھی فانی دنیا کو الوداع فرماگئے۔

جنہیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصر وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے ہیں

---

* ایم ایس سی، آف رستم تحصیل وضلع مردان

آہ! ادیب العصر شیخ الحدیث علامہ ابراہیم فانیؔ کس قلم کس زبان سے یہ لکھوں اور یہ کہوں کہ آج دنیائے اسلام کے عظیم مایہ ناز مفکر ادیبِ بے مثل حضرت العلامہ ابراہیم فانی دارفانی سے رحلت فرماگئے ہیں وہ عظیم فقیہ بحرِ عمیق، نکتہ دان، ادیب، بے بدل، عالم بے مثل دارالعلوم حقانیہ میں بہت ہی عظیم علمی وتصنیفی خدمات تاریخِ عالم پر رقم فرما کر الوداع فرماگئے ؂

کلیوں کو میں خونِ جگر دے کے چلاہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

حضرت العلامہ ابراہیم فانیؔ دارالعلوم حقانیہ کے ایک مایۂ ناز محدث وفقیہہ اور میدان شعروسخن وادب کے بہترین شہشوار، عصرِ حاضر کے بے مثال مفکر، مدیر ناظم وناثر، نقی وتقی تھے۔عصریِ علوم کی سطح پر آجاتے تو آج ''پی ایچ ڈی'' ڈگری کیساتھ کسی بین الاقوامی یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدہ پر ہوتے لاکھوں میں تنخواہ لیتے بعدالوفات صدارتی سطح تعزیتی کانفرس کے انعقاد ہوتے اس کی خدمات کوخراج تحسین پیش کرنے کے سلسلے درسلسلے چلتے مگر اس درویش خدامست، جامع محاسن شتّی نے عیش وعشرت کی زندگی کو لات ماری تھی۔امیرالمومنین فی التفسیر فنافِی القرآن دنیا ومافیھا سے بے خبر رموزِ قرآن سے باخبر شخصیت اپنے دور کے قطب الارشاد شیخ القرآن علامہ عبدالھادی شاہ منصوریؒ بڑے سوز کے ساتھ فرمایا کرتے تھے ؂

در لباس فقر دارم تاج سلطانی بسر ہیچ حاجت نیست مارا باحصول سیم و زر
شال زربفت مبارک تجھے آے دولتمند ہم کوکمبل میں دوشالے کا مزا ملتا ہے
مسند شاہی کی حسرت ہم فقیروں کو نہیں فرش ہے گھر میں ہمارے چادر مہتاب کا
فقیری جس نے کی گویا کہ اس نے بادشاہی کی جسے ظلِ ہما کہتے ہیں درویشوں کا کمبل ہے

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال اس کا نقشہ کچھ یوں کھینچتے ہیں ؂

کہاں سے تونے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

مولانا الطاف حسین حالیؔ نے بھی کمال کی حد کرتے ہیں ......

جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

حضرت العلامہ ابراہیم فانیؔ نے دارالعلوم حقانیہ کی چٹائی پر اپنی قیمتی زندگی کی لیل ونہار حدیثِ یار کی تکرار وخدمت کیلئے وقف فرمائی تھی ......

ماہر چہ خواندہ اہم فراموش کردہ ایم الاحدیث یار کے تکرار مے کنم

دنیا کی بقا آپ جسے اولیاء اللہ کی دامن سے وابستہ ہیں، اگر میں حضرت ابراہیم فانیؒ کو اولیاء اللہ کا منفرد پھول نہ کہوتو پھر روئے زمین پر اولیاء کا ملنا تو ناممکن ہوگا۔

حضرت العلامہ ابراہیم فانی کی رگ رگ میں اپنے شیخ ومربی قائد شریعت شیخ الحدیث عبدالحقؒ اوران کے لگائے ہوئے باغ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اوراس کا ثبوت انہوں نے تادم تک دیا۔

دارالعلوم حقانیہ سے عقیدت ومحبت:

دارالعلوم حقانیہ کے چند طلباء آپ کی عیادت کے لئے ہسپتال میں آپ سے ملنے آئے تھے آپ نے تمام شیوخ حقانیہ کا حال واحوال معلوم کی فرمایا ''میرا ارادہ ہے دارالعلوم حقانیہ کے ہرایک مدرس کے اوصافِ حمیدہ کی مکمل تاریخ ،تاریخ وصفحہ قرطاس پر رقم کروں ۔مگر تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔

خاندان حضرت شیخ الحدیث سے عقیدت ومحبت:

زندگی تو دارالعلوم حقانیہ کے احاطہ میں گزررہی ہے مگر جب دنیا سے جاؤں گا تو میرا جنازہ شیخ الحدیث ابن شیخ الحدیث مسلکِ حق ،وعلماءِ حق کے آبرو بین الاقوامی شہرت یافتہ ،دانائے علم وسیاست ،محدث جلیل ہمارے خاندان کے قبلہ وکعبہ حضرت شیخ الحدیث حضرت العلامہ سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم پڑھائے گا مگر فانی کی قسمت پر چشمِ فلک بھی ترسا ،چشمِ فلک کو بھی حضرت فانیؔ پر رشک آنے لگا حضرت شیخ الحدیث علامہ سمیع الحق بیت اللہ کے سایہ میں غلاف کعبہ پکڑ کر اس کی درجات کی بلندی کے لئے اشکوں کی برسات میں گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ادھر دارالعلوم حقانیہ میں حضرت شیخ الحدیث علامہ انوارالحق آپ کا جنازہ پڑھارہے تھے۔

صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ علامہ عبدالحلیمؒ کا جنازہ جب جارہا تھا تو علماء وطلباء اورصحابہ کرام فرمارہے تھے آج صدرالمدرسین ہم سے رخصت ہوئے ہیں ،مگر علامہ ابراہیم فانیؒ کا جنازہ جب جارہا تھا تو شیوخ حقانیہ فرمارہے تھے صدرالافاضل کا جنازہ جارہاہے اورحضرت ابراہیم فانی زبان حال سے جامعہ کو یوں الوداع کہتے ہوئے تاقیامت ہم سے جدا ہوئے۔

چنین قفس نہ سرائے مند خوش الحان است | روم بہ گلشن رضوان کہ مرغ آں چمنم

کچھ ایسے بھی بزم سے اٹھ جائیں گے جن کو | تم ڈھونڈنے نکلوگے مگر پا نہ سکوگے

ارباب چمن مجھ کو بہت یاد کریں گے | ہر شاخ پہ اپنا ہی نشان چھوڑ دیا ہے

☆ ☆ ☆

مولانا محمد اعزاز علی شاہ *

فانی فی اللہ، باقی باللہ ہوئے

حیف صد حیف! قلم کا جگر کیوں شق نہ ہو اور دل ودماغ کیوں جواب نہ دے۔ جبکہ کسی ایک متاع عظیم کے کھو جانے کے ماتم سے فارغ ہوتے ہی اپنی دوسری متاعِ دین ودنیا سے محروم ہونا پڑا۔ ایسا لگتا ہے کہ علم وفضل، زہدوریاضت، اورادب وصحافت کے ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ہم مسافروں کو شبِ دیجور کے حوالے کررہے ہیں۔ بیسویں صدی کی ابتداء تو درحقیقت حزن ثابت ہونے لگا ہے۔ کہ جو ستارہ غروب ہوا کسی نعم البدل کی شکل میں دوبارہ اُبھر ہی نہ سکا۔ قافلہ حق وصداقت کے آخری سپاہی بھی کتنی تیزی سے ایک ایک کرکے دارِفانی کی سرحدیں عبور کرتے چلے جارہے ہیں۔

ابھی جامعہ دارالعلوم حقانیہ اپنے جوان سال شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیب خان شہید رحمہ اللہ کی جدائی پر نوحہ کناں تھی کہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ بمطابق 26 فروری 2014ء کو سحری کے وقت جبکہ سپیدۂ سحر آفتاب عالمتاب کے طلوع کا مژدہ سنانے والا تھا۔ دنیائے علم وادب کا آفتاب وماہتاب بیسویں صدی کی تابناکی اور درخشانی کے بعد یکا یک غروب ہوگیا اور علم ودین کے ایوانِ شریعت میں اندھیرا چھا گیا اور گلستانِ امام المتکلمین، صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالحلیم زروبوی رحمہ اللہ کے آخری سدا بہار، گل سرسبد مرجھا گیا یعنی حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب، جو دارالعلوم حقانیہ کے محفلِ دوشین کا وہ چراغِ سحر جو پچھلے چار سالوں سے حوادثات وانقلاباتِ زمانہ کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر بھی ٹمٹمارہا تھا اور بزبان حال فرمارہے تھے کہ ؎

کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل
چراغِ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

بالآخر ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ کے آخری ہفتہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خموش ہوگیا۔ اور اب علم وتحقیق کا عالم اُجڑا اجڑا سا ہے۔ دفاعِ دین اور ادب وتنقید کی رزم گاہوں میں سکوت مرگ سا طاری ہوگیا ہے۔

ہم کو دعویٰ خودستائی کا نہیں فانیؔ مگر
ملتے ہے دنیا میں ہم جیسے قلندر خال خال

---

* متخصص دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرت فانی صاحب رحمہ اللہ ابھی عالم میں تھے کہ اپنے عظیم والدِ متکلم عصر مولانا عبدالحلیم زروبویؒ اور اپنے نامور استادومربی ،مشفق ومہربان سرپرست شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہم العالیہ نے انکی نشاۃ وتربیت میں کوئی کسر نہ اُٹھارکھی کہ خدانے چاہاتو آگے چل کروہ خانوادۂ حلیمی اور دارالعلوم حقانیہ کی عظمتوں کوقائم ودائم رکھ سکیں گے۔اس مثالی تعلیم وتربیت نے مرحوم کوآغازِ شباب ہی میں علم وادب کے میدان میں ایک بارآور درخت بنادیا۔اوراگر یہ درخت اتنی جلدی بادِخزاں کے ہاتھوں یوں نہ اجڑ جاتا تو یقیناً اورآگے چل کرشجرہ طوبیٰ بنتا۔مگر اللہ کی مرضی کے سامنے کس کی چل سکتی ہے۔

حضرت فانی صاحبؒ ۱۹۷۰ میں دارالعلوم حقانیہ سے وابستہ ہوگئے۔اوراس وابستگی کوآخری دم تک ایسا نبھایا کہ بڑے بڑے محرکات اور دواعی سے بھی ٹکراکردارالعلوم کی قوت لایموت اور کفاف پر قانع رہے اورتفسیر وحدیث اورفنون کی اعلیٰ کتابیں مثالی صلاحیت اورعبقری انداز میں پڑھاتے رہے۔اس دوران اپنے ہزاروں تلامذہ کومستفید فرماتے۔پچھلے تیس سالوں سے مؤطا ئین اورطحاوی جیسی اہم کتابوں کی تدریس آپکے ذمہ ہوگئی تھی۔جب دورحدیث کی کتابیں ان کی سپرد کردی گئی تو فرمایا کہ یہ بھی بڑوں کا اعتماد اورحسنِ ظن تھا حالانکہ میں اس قابل نہ تھا۔

حضرت کواللہ تعالیٰ نے عجیب وغریب صلاحیتوں سے نوازا تھا۔دینی دردوحمیت عصر حاضر کے مغربی اور لادینی افکار ومسائل پر گہری نظر، وسعتِ فکر، حاضر جواب اور پھراس کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، اردو، پشتو کے قادرالکلام شاعر تھے۔ان زبانوں میں کئی قصائد،غزلیں،مراثی زمانہ طالبِ علمی سے لکھتے رہے۔گویا حضرت فانی صاحب دیوبند ثانی میں علم وادب کے میدان میں شیخ الادب حضرت محمد اعزاز علی رحمہ اللہ کے ہم مثل تھے۔اوراسی طرح علوم وفنون میں کامل دسترس رکھتے تھے۔علمی مزاج متکلمانہ اورفلسفیانہ تھا ہرزیر بحث مسئلہ کی عجیب تنقیح فرماتے اور جچے تلے انداز میں موضوع کی تحلیل اور تجزیہ کرتے اور درس کا تو انکو ملکہ تامہ حاصل تھا۔گھنٹہ بھر کی درس آدھے گھنٹہ میں دے دیتے اور طلبہ کومطمئن کرتے۔درس کے دوران ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی لکھا ہوا مقالہ سنا رہے ہیں۔ کلام حشوزوائد اورتکرار سے پاک رہتا تھا۔طبیعت میں جمال کے ساتھ ساتھ جلال بھی بھرپور تھا،حمیت حق کوٹ کوٹ کربھری ہوئی تھی۔اگرکسی نے اضمحلال دین کا کوئی نقشہ پیش کردیا تو بے حد بے چین ہوجاتے۔دارالعلوم حقانیہ،مولانا سمیع الحق،مولانا فضل الرحمٰن،مولانا راشد الحق کے خلاف بات کرنے کوبھی برداشت نہ کرتے تھے۔ عوامی زندگی سے گریزاں،مگر علماء اورطلباء کے علمی اور ادبی محفلیں پسند فرماتے تھے۔انتہائی کم گولیکن جب بات کرتے تو موتیاں بکھیرتے۔دارالعلوم حقانیہ کے بانی مبانی سے لے کراس کے شجر وحجر اور ادنیٰ مشاغل میں منہمک رہتے۔موجودہ علمی زوال اور طلبہ کے علمی انحطاط پر بیحد افسردہ تھے اوراس بارے میں وفاق المدارس العربیہ کے نصابی کمیٹی کو ہمیشہ خطوط لکھتے۔درس میں ہمیشہ طلبہ کو ہرلحاظ سے دارالعلوم حقانیہ اوراپنے اساتذہ سے وفاداری اور

رابطہ رکھنے کی نصیحت فرماتے۔ جمعیۃ علماء اسلام اور ختم نبوت کے ساتھ وابستہ رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اللہ اکبر کیسا سرمایۂ علم وادب، طلبۂ علومِ دینیہ کو محروم کرکے چھوڑ گیا۔

ان کی جدائی کہ یہ اندوہناک خبر سنتے ہی تمام طلبہ اپنے شفیق استاد کے پیچھے رو پڑے۔ تمام اساتذہ بھی انتہائی غمگین انداز میں دارالعلوم حقانیہ کے مسجد میں جمع ہوگئے۔ استادِ محترم اور حضرت مولانا رحمہ اللہ کے تادمِ واپسیں کے دوست ومحبوب حضرت مولانا راشدالحق صاحب صبح سے لے کر عصر تک ان کی شفقتوں کے پیچھے رو رہے تھے اور ایسے حیران و پریشان بیٹھے تھے جیسے کہ ان سے کوئی متاعِ عظیم گم ہوگئی ہو اور بقولِ فانی صاحبؒ ......

سیل خوں ہرسوں رواں ہے اور ہر دل اشکبار
پھر گیا ہے کسی طرف یا رب مزاجِ روزگار
داستانِ درد و پیہم یا خدا کیسے کہوں
سینہ و تن داغ داغ و دامن دل تار تار

حضرت فانی صاحبؒ کا دیدار عام پرانے دارالحدیث ہال میں کیا گیا۔ چہرۂ انور پر طمانیت وسکون کا عجب سماں تھا۔ حضرتؒ کی نمازِ جنازہ ان کی وصیت کے مطابق دارالعلوم حقانیہ میں صبح 11:00 بجے ادا کی گئی جس میں دارالعلوم کی جدید وقدیم، فضلاء سابق وزراء ان کے دوستوں اور اہل علاقہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اور اس کے بعد تدفین کے لئے ان کو آبائی گاؤں زروبی لے جایا گیا۔ جہاں ان کی دوسری نمازِ جنازہ 4:00 بجے اداء کی گئی اور بعد از جنازہ اپنے عظیم والد اور والدہ صاحبہ کے قرب وجوار میں سپرد خاک کیا گیا۔ ؎

کیا سوچ کے مٹی میں چھپاتے ہو دوستوں گنجینۂ علوم ہے کوئی مال و زر نہیں

حضرت فانی صاحبؒ کا درود شریف سے عشق تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ آج مولانا راشدالحق کے ماموزاد بھائی آئے تھے تو ان کو میں نے لو بلڈ پریشر اور ہائی بلڈ پریشر کے لئے ایک عجیب نسخہ دیا میں نے کہا کہ "حضرت مجھے بھی یہ نسخہ دکھائیں"، تو فرمایا کہ "لو بلڈ پریشر کیلئے کلمہ طیبہ اور ہائی بلڈ پریشر کے لئے درود شریف کا ورد کیا کرو۔ کیونکہ درود شریف میں جمال ہے اور کلمہ طیبہ میں جلال ہے"۔

دارالعلوم حقانیہ ان کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ اور اس کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق، مولانا انوارالحق اور مولانا راشدالحق سمیع صاحب کے ساتھ حضرت فانی صاحبؒ کے علائق وروابط اور ایشیاء کی عظیم دینی، علمی ماہنامہ "الحق" پر خصوصی عنایات وتوجہات کی داستان تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ ؎

یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار صدی کی بات نہیں

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

مفتی محمد حقانی مروت

تذکرہ اللہ کے ولی......علامہ فانی صاحب

صد باعثِ تعجب وحیرت ہے وہ خودساختہ معیار، جولوگوں نے کسی ولایت اور بزرگی جانچنے کے لئے وضع کررکھا ہے۔ یارلوگوں کا خیال ہے کہ اولیاء وہ ہوتے ہیں جو ہوا میں اڑ سکتے ہیں، پانی پر مصلے بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں، بھڑکتے شعلوں میں بلاخوف وخطر کود سکتے ہیں۔ وہ ہفتوں، مہینوں کھائے، پیئے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ ان کے اشارے پر''کن فیکون'' ہوجاتا ہے۔ ان کے دَم سے بانجھ کی کوکھ ہری ہوجاتی ہے وہ چشم زدن میں ہزاروں میل کا سفر طے کرلیتے ہیں، فجر اکوڑہ خٹک میں پڑھتے ہیں تو ظہر مکہ مکرمہ اور عصر مدینہ منورہ میں ادا کرتے ہیں ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ اللہ کے اولیاء مہینوں غسل نہیں کرتے، اچھا لباس نہیں پہنتے، بیوی، بچوں اور عزیزواقارب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

ایک صاحب نظر جو سالہا سال تک قریہ قریہ اور شہر شہر چل پھر کر مشائخ کے حالات ان کے مریدوں اور خلفاء سے جمع کرتے رہے انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے''میں بزرگوں کے متعلقین سے ان کے حالات واقعات سن کراس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کی ساری زندگی فطرت سے جنگ کرتی گزرگئی۔ ظاہر ہے کہ مہینوں غسل سے اجتناب، بدبودارلباس، خاک آلود بکھرے ہوئے زلفیں، معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار، اہل وعیال سے وحشت اورنفرت ،قدرت وسعت کے بیکار چیزوں پر گزارہ، آبادی کی بجائے ویرانے اور صحرا میں بسیرا کرنے والے کو ولایت کا اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں یہ سب کچھ فطرت کے ان پیروکاروں پر لاگو ہوتا ہے جو خلاف فطرت زندگی کو ولایت کا اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں۔

آیئے اور سنیئے! تذکرہ ایک ولی کا جو دیوبند ثانی، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے استادالحدیث، میرے استاد اور مربی علامہ حافظ محمد ابراہیم فانی صاحبؒ اللہ تعالیٰ کے سچے اور حقیقی ولی تھے۔ ایمان وتقویٰ کے نور سے اپنے ظاہر وباطن کو معذور کیئے ہوئے ولی! جن کی ساری زندگی فطرت سے جنگ کرتے گزری، جو زندگی بھر نفس کے ناجائز تقاضوں، شیطانی قوتوں اور گمراہ فرقوں سے برسرپیکار رہتے تھے۔ وہ جرأت منداور غیرت مند تھے۔ وہ حق بات ہر بلاخوف وخطر قائم رہتے تھے۔ دوسروں کے ساتھ بعض مسائل اور باتوں میں اختلاف کے باوجود اعتدال کا

---

* استاد جامعہ قاسمیہ سربند، لکی مروت

دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ وہ ایسا عظیم مجاہد تھا، جو زندگی بھر لڑتے رہے مگر ہاتھ میں تلوار کی بجائے قلم تھامے رکھا، اکابر سے حد درجہ سے محبت رکھنے والا تھا، فکرِ ولی اللہی اور نظریہ شیخ الہندؒ کا نمائندہ جماعت، جمعیت علماء اسلام کے ساتھ لیلیٰ ومجنون جیسا تعلق تھا۔ اتحاد امت کا عظیم علمبردار تھا ان کی ذات گرامی ایک جامع شخصیت تھی۔ علمی دنیا میں طلبہ کرام کے مرجع تھے ادبی اور شعروسخن کی دنیا شعراء اورادیبوں کے استاد اور روحانی دنیا میں عوام الناس کے مرجع الخلائق کے مرتبے پر فائز تھے۔

شکل وحلیہ:

بادیٔ النظر میں حضرت کا اگر قلمی چہرہ یا حلیہ بیان کر تو یوں کہہ سکتا ہوں کہ، معتدل جسم والا، چمکتی ہوئی بلند پیشانی، بلندی کی طرف مائل ناک، چہرے پر متانت، ہر وقت ہونٹوں پر تبسم اور مسکراہٹ، اس شعر کا حقیقی مصداق تھا ؎

لہجے میں بانکپن تھا طبیعت میں تھا گداز   ہونٹوں پر ہر گھڑی تھا تبسم سجا ہوا

نرم مزاج اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے جھکی ہوئی نظریں، گندمی رنگ، ہلکی اور پر وقار انداز میں کھلتی ہوئی داڑھی، بالائی ہونٹ پر بالکل باریک وپست مسنون مونچھیں، گرمیوں میں سفید بنگالی ٹوپی، سردیوں میں چترالی ٹوپی، کبھی کبھی سفیدی عمامہ بھی باندھتے تھے۔ ہاتھ میں عصا اور نظر کی عینک زیب عینین تھی۔ پہلی مرتبہ سامنا کرنے والا ہی گمان کرتا کہ واقعی کوئی اللہ والا، نیک وصالح، سنجیدہ وبردبار شخص ہے۔

ستا دا خائست گلونه ډېردي   جولئې مِ تنګه زه به کوم کوم ټولومه

زہد وتقویٰ:

حضرت نے ایک دفعہ فرمایا! لوگ مجھے کہتے کہ کہ فانی صاحب! مولانا فضل الرحمان صاحب آپ کا قریبی دوست ہے اور آپ کے ان کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں ان سے آپ دنیا کا فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ حضرت فانی صاحبؒ نے فرمایا: میں جواب دیتا ہوں کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اور اللہ ہی میرے کام سنوارے گا مولانا فضل الرحمان صاحب کیا کر سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ اگر میرا تعلق ہے وہ اپنی جگہ ہے اس کے ساتھ میرے جماعتی وابستگی ہے دنیا کی کاموں کی نہیں۔ ؎

اس دور میں بھی سود وزیاں سے تھا بے نیاز   اخلاص اس کے دامنِ دل میں بھرا ہوا

یقین جانئے! کہ ''ایم ایم اے'' کے دور حکومت میں کئی وزوراء حضرت فانی صاحبؒ کے بہت قریبی ساتھی تھے، لیکن ان سے ایک روپیہ کا نہ سوال کیا اور نہ فائدہ اٹھایا، زندگی میں کوئی گھر بنایا نہ گھر بنانے کی کوشش کی اور نہ فانی صاحبؒ کی یہ کبھی خواہش رہی۔

علمی مقام:

ہمارے استاد علامہ فانی صاحبؒ کو اللہ تبارک نے اپنی صفتِ علم سے حظِ وافر عطا فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عمیق علم نصیب فرمایا تھا۔ راقم الحروف نے فانی صاحبؒ سے دورہ حدیث میں موطائین اور نسائی پڑھی، جب کسی حدیث میں کوئی مسئلہ فقہیہ آتا تو تمام ائمہ کرام کا نام بہت ادب واحترام کے ساتھ لے کر کہتے تھے کہ اس میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے فلاں امام یہ فرماتے ہیں ان کی یہ دلیل ہیں اور آخر میں جب احناف کی باری آتی تو آواز میں ایک قسم کی بلندی آجاتی۔ احناف کے دلائل کا ذکر کرنے کے بعد احناف کے کئی کئی وجوہ ترجیح بیان کرتے تھے۔ حضرت فانی صاحبؒ کے درسی افادات کو راقم الحروف درس کے دوران تحریر کرتے تھے۔ بطور مثال ایک مسئلے کی روداد، قرأۃ الامام میں ہفتوں بحث کے بعد اٹھارہ وجوہ ترجیح ذکر کئے اور کہا کہ اور بیان کروں یا یہی کافی ہے۔

استاد جی! ایک کہنہ مشق استاد اور مدرس تھے، طلبہ ان کے درس کیلئے ترستے تھے کہ وہ ہر مسئلے کی آسان اور دلنشین تشریح کرتے تھے اور ساتھ ساتھ ہی توضیح بالمثالِ خارجی اور اشعار مختلفہ کے ساتھ کرتے تھے۔ وہ دیوبند ثانی میں مسند حدیث پر براجماں ہونے کے ساتھ ساتھ جامعہ میں دیگر چھوٹی بڑی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔

سالہا سال تدریس میں تجربے کی بنیاد پر کئی کتابوں کے شروح لکھے، حسامی کی شرح توضیح السامی بزبان پشتو لکھی ہے کافیہ جو علم نحو کی اہم ترین کتابوں میں ہے اس کا ''دروس الکافیہ'' اور ''عیوان الصافیہ'' کے نام شروح لکھی۔

ادبی مقام:

علامہ فانی صاحبؒ استاد الحدیث ہونے کے ساتھ ایک بہترین مصنف، محقق، ادیب وشاعر اور قلم کار بھی تھے اس نے اپنے والد گرامی، صدرالمدرسین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، فاضل دیوبند، شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم زروبیؒ کے سوانح حیات ''حیات صدر المدرسین'' حیات شیخ القرآن (حضرت مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصور)، افاداتِ حلیم، کاروان آخرت لکھیں۔ شعری مجموعے میں نالۂ زار، ازغی دتمنا، داغہائے فراق، بے شانہ غم، وغیرہ تحریر فرمائی۔

کسی جگہ پڑھاتے تھا کہ حضرت احمد علی لاہوریؒ سے کسی صاحب نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے متعلق کہا کہ وہ ہر وقت لطائف ومذاق میں ہی پڑے رہتے ہیں تو حضرت لاہوریؒ نے فرمایا! امیر شریعت کی ولایت کو ان کی ظرافت نے چھپا رکھا ہے''۔ اگر میں یہ کہوں تو یہ غلط نہیں ہوگا کہ ہمارے استاد اور شیخ الحدیث فانی صاحبؒ کی بھی کچھ ایسی کیفیت تھی وہ وقت کے عظیم مشائخ سے بیعت تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے اہل وعیال اور سب متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین، اور اللہ تعالیٰ حضرت فانیؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اور اعلیٰ علیین میں مقام نصیب فرمائے! آمین ثم آمین۔

مولانا محمد فہد مردانی

فانی کی دار فانی سے رحلت

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مایہ ناز استاذ حدیث اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مایہ ناز شاگرد رشید و مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کے فرزند سعید حضرت مولانا ابراہیم فانیؒ اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ بلاشک وشبہ مولانا کی رحلت عالم اسلام کے لئے بہت بڑا نقصان ہے

حضرت فانیؒ دارالعلوم میں طالب علمی کے زمانہ سے لے کر درس وتدریس تک کا وقت بہت خوشگوار انداز میں گزارا۔ حضرت فانی کا شماران علماء کرام میں سے تھا جو علوم وفنون میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ فقہ ونحو کے پہاڑ اور ادب عربی اور دیگر علوم کے بحر ذخار تھے۔ اس کی رحلت سے علوم کا وہ خزانہ دب گیا جس کا دوبارہ پایا جانا مشکل ہے۔

چراغ علم بجھا ہے یقین نہیں آتا
یہ سانحہ بھی ہوا ہے یقین نہیں آتا

آپ اپنے وقت کے جلیل القدر علماء اور مسلم الثبوت شعراء وادبا میں سے تھے' خاص کر شعر وشاعری میں ایک اعلیٰ وارفع مقام رکھتے تھے۔ وہ وسیع المطالعہ تھے' اور چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتے تھے۔ درس وتدریس میں حضرت فانیؒ علوم و معاون کے سمندر تشنگان علوم کی پیاس بجھاتے رہے اور طلباء کی واقفیت کے دائرے کو انتہائی وسیع کر دیتے۔ مشہور مقولہ ہے کہ پھل کا اچھا ہونا درخت کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔ حضرت فانی صاحبؒ کے ہزاروں تلامذہ اس بات کی نشانی ہے۔ ۳۵'۴۰ سال سے زائد درس و تدریس کی مدت حضرت فانی کے حلقہ درس علم وعمل اور فضل وکمال کے کیسے کیسے آفتاب ومہتاب تیار ہوتے جو آج دنیا کے مختلف اطراف میں نمایاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا نے اپنی زندگی دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی' چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' دوران گفتگو ایسے موتی بکھیرتے کہ سننے والا اسے باسانی اپنے فہم میں پروسکتے اور اپنے علوم کے سمندر سے لوگوں کو سیراب کرتے اور اسی طرح ان کا قلم بھی رواں دواں رہتا۔ اس لئے ان کی تصانیف کافی ذخیرہ تشنگان علم کے لئے بحر ذخار کی مانند پیاس بجھا رہی ہے۔

نالہ زار' داغہائے فراق' حیات صدر المدرسین' نقوش حقانی جیسی معرکتہ آراء اردو تصانیف کے ساتھ ساتھ بیا دردونہ پہ خندہ دی' ازغی دتمنا' پشتو زبان میں ان کی لافانی تصانیف ہیں۔

ان کے شعری مجموعے اردو ادب کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ نالہ زار اور داغ فراق ان کے اردو کلام پر مبنی مجموعے ہیں

وہ تبسم زیر لب وہ خندہ پیشانی نہیں　　　　ہم پہ اب لطف و کرم کی وہ فراوانی نہیں

سیدھے سادھے مولانا فانیؒ کی زندگی کی تفسیر اس کی ایک شعر میں سموئی ہوئی لگ رہی ہے۔ معلوم نہیں یہ شعر انہوں نے کس ہستی کے لئے لکھ دیا ہے مگر ان کی زندگی' اخلاق' اٹھک بیٹھک' نشست و برخاست اور عمل میں گویا ساری خوبیاں نظر آرہی ہیں۔ بقول فانیؒ

ہر کوئی کہتا ہے وہ معصوم صورت دیکھ کر
یہ فرشتہ ہے کوئی' یہ شکل انسانی نہیں

مولانا صاحب کے اکثر اشعار ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ بقول فانی

اپنی قسمت سے گلہ تھا' ان سے کچھ شکوہ نہ تھا
اس حسین پیکر نے میرے عشق کو سمجھا نہ تھا

یا زاہد! تم نے چکھا ہے زہد و طاعت کا مزا
لذتِ جرم محبت ہم گناہ گاروں سے پوچھ

ایسے لافانی اشعار کے خالق فانی صاحبؒ اردو شعر و ادب کے تابندہ و درخشاں ستارے میر تقی میر اور مرزا غالب کے مرید کے طور پر کچھ اس طرح سامنے آتے ہیں

ہوں مرید میر و غالب شعر میں　　　　پھر بھی لیکن رنگ فانی اور ہے

گویا انہیں اپنے اشعار پر ناز ہے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆ ☆ ☆

لشکر فریاد و نالہ کے لئے میرے خدارا
وسعت صحرا بھی کم ہے اس کو پھیلانا ذرا

(فانیؔ)

محمد برھان نعمانی

فانؔی زندگی کے چند ایّام

جس کے نغموں سے لرز اٹھتی ہے بزمِ سوزِ غم
چاہتا ہوں چھیڑنا سازِ شکستِ دل دہی

بقائے سزوارِذات "حیٌّ قیّومٌ"کو،اس کی صفات کو،اس کے ذکر کو،اس کے کلام کو،اس کے کام کو۔اس کی شانِ بالا وہم وگمان کے ماسواہر شے فانی اورنا پائیدار ہے۔

"کُلُّ مَنْ عَلَـــیْھَا فانٍo وَ یَبْقٰی وجہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلالِ والْاِکْرَام o"

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ ابراہیم فانی صاحب ...... بَـــرَّدَ اللّٰہُ مَضْجَعَــہٗ.....اپنے والدِ گرامی ، صدرالمدرسین ،متکلم اسلام حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ......نوراللہ مرقدہٗ...... کے فرزند ارجمند، صاحبِ ارشاد ، صاحبِ دل اور بافیض بزرگ تھے ،جن کی پوری زندگی خلقِ خدا کی دینی رہنمائی اوراصلاحی خدمات میں گزری ۔ان کے مجالس ، اسفار، مواعظ، اشعار اور احسان وسلوک کے موضوع پر ان کے الفاظ میں حرارت ، ان کی آواز میں سوز ودرد، ان کے لب ولہجہ میں اتباعِ سنت اورعشق ومعرفت کی ایک آنچ محسوس ہوتی ہے جس کو سننے اور پڑھنے والامحسوس کرتا ہے کہ فانؔی صاحبؒ کواللہ کریم نے ظاہری وجاہت اور کشش کیساتھ بے شمار علمی صلاحیتوں اور باطنی خوبیوں سے نوازا تھا۔

حضرت فانی صاحبؒ اپنی زندگی کے تمام اعمال ،روزو شب کے معمولات ، اپنی شکل وصورت اور وضع وقطع میں ایک مذہبی شخصیت کی مثال تھے ۔ایک محدّث اور استاد الفنون ہونے کے ساتھ وقت کی سیاست اوراس کی رفتارِ کار کے اندازہ شناس بھی تھے ۔ مذہب وسیاست کے جام وسند پر اُن کی گرفت سخت تھی ۔ دونوں کو یکجا کرکے ان کے دائرہ وحدود کی نزاکت پر بھی نظر رکھتے تھے ۔انہوں نے کبھی شریعت کی خصائص کوعشق کے مطالبوں اور تقاضوں سے پامال نہیں ہونے دیا ؎

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر یہ خونِ آرزو منظور کرتے ہیں

---

* شریک دورہ حدیث جامعہ حقانیہ

اربابِ فضل وکمال ، اہل قلم اور اصحابِ نظر آپ کے علم وعمل کے مختلف میدانوں میں آپ کے افکار وخدمات کا جائزہ لیں گے ، لیکن ان معنوں میں آپ کی ذاتِ گرامی ایک ذات تھی کہاں؟ آپ کا وجودِ مقدس وگرامی، مرتبتِ علم وادب ،فکر ونظر ،مذہب وسیاست ، ایثار وعمل ، جہاد وعزیمت ، اخلاق وسیرت اور علوم وفنون کے مختلف دبستانوں کا ایک دبستان اور سینکڑوں انجمنوں کی انجمن تھا۔آپ کی دعوت کا آغازِ کار سے لے کر آج تک مسندِ درس وتعلیم اور ذوقِ عمل کی تربیت سے لے کر میدان جہادِ وعمل تک ، دعوت وتبلیغ اور مواعظِ رُشد وھدایت سے لے کر جہاد لسانی کے ملی وقومی میدانوں تک پھیلی ہوئی ہے ۔

تاریخ ترے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں تو زندہ رہے گا

حضرت فانی صاحبؒ ''علم وعمل ، دردومحبت ،شوق ومطالعہ اور جذبہ جہاد وشہادت'' کے ساتھ'' اتباعِ سنت، احترامِ شریعت ،علومِ نبوت'' اور درس حدیث کے ساتھ عشق ووارفتگی کا جیسا نمونہ ان کی زندگی میں ملتا ہے، وہ اگر نایاب نہیں ،تو کمیاب ضرور ہے۔علاوہ ازیں حضرت کی زندگی میں فنائیت اور زہد واستغناء کے ایسے مؤثر واقعات ملتے ہیں، جو زر پرستی کے اس دور میں تڑپا دیتے ہیں۔آپ کی بے تکلفی ،سادگی اور رسم ورواج وتکلّفات سے آزادی ،ان کی عملی زندگی کا ایک منفرد اور نمایاں عنصر ہے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپؒ زندگی کے تمام میدانوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ بلاشبہ اُن ممتاز، ذہین اور خدا رسیدہ لوگوں میں سے تھے جو اپنے ماحول سے اپنے امتیاز وانفرادیت کو منوا کر سب کو اپنی تقلید پر مجبور کرتے ہیں ۔

علمی ودینی ،مذہبی وسیاسی حلقے ان کے درس وتدریس اور عمومی وروحانی تربیت کے سلسلے میں ان کی بے نظیر صلاحیت وانفرادیت کا جس محبت، اخلاص، اعتقاد اور لذت وافتخار کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں ، اب بھی بھولی بسری یادوں کو اپنے کمزور حافظے کی سلوٹوں سے سمیٹ کر ،قلم کی نوک پر لانا چاہوں ، تو راقم کے لئے ان کی عکاسی ممکن نہیں ۔

بہرکیف! قلوب ِ مجروحہ وشکستہ میں امید کی کرنیں جاگ اٹھانے والا، یاس کو آس کے دامن میں مسکرا دینے والا،محبتوں کے دوازے کھل کر ہر ایک کو باریاب کرنے والا یہ خوشبو یہ شگوفہ ۲۶ جنوری ۲۰۱۴ء کو گردوں کے اچانک انفکشن کی وجہ سے علیل پڑ گئے ،اور مکمل ایک مہینے تک بندگی کی تمنا میں صحت کی آرزو لے کر سرد آہوں میں پکار اٹھتے ۔ زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

اور اسی کے ساتھ ہی آنسو کی لڑیاں پرَو کر خاموش ہو جاتے تھے ؂

کہہ جاتے ہیں اک سانس میں برسوں کے فسانے
جب آنکھ کے گوشوں سے ڈھلک جاتے ہیں آنسو

احقر راقم الحروف سے زمانہ ہسپتال کی داستان رقم کرواتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس کو تم ہی نے ترتیب دینی ہے، جس کا نام انہوں نے ''داستانِ دلکشاں، در زمانِ ابتلاء'' تجویز فرمایا تھا۔ احقر فی الحال ان کی دوسری تصانیف ''دیوانِ فارسی'' اور ''حیات صدرالمدرسین'' کی تصحیح میں مگن تھا، اور خدمت کی غرض سے ان ساتھ ہسپتال میں رہا، اس لئے سب کچھ معطل ہوگیا، بنابرایں جب کبھی ''داستان'' کی ترتیب کی بات آئی، تو میں نے یہی کہا کہ ؂

کتابِ عشق لکھنے کی، مجھے فرصت نہیں یاروں
ابھی تک بے وفائی پر، مری تحریر جاری ہے

اس پر آپ حد درجہ آبدیدہ ہو کر فرمانے لگتے ؂

مرتّب کر رہا ہوں آنسوؤں کو اور آہوں کو
کہ میری زندگی کی داستاں تیّار ہوجائے

اور اسی چشمِ اشکبار و پُرنَم کے ساتھ سب سے معافی اور دعا کی درخواست کرتے تھے، کہ ارے ظالمو! جب تم (طلبہ) لوگوں کی دعائیں مقبول ہی ہیں، پھر میرے حق میں کیوں نہیں مانگتے؟ میں جواباً انہیں کا شعر سنا کر خوش ہوتے تھے کہ ؂

اثر سے ہیں مری خالی دعائیں
یہ تاثیرِ دعا لاؤں کہاں سے

قارئین محترم! وہ لاکھوں دلوں کا مسیحا، ہزار ہا سنگ دلوں کو مومِ بنانے والا، جانے کتنی تبسم سے مایوس کلیوں کو اپنے جادوئی پند و نصائح سے قہقہہ زار بنانے والا، بے شمار کشت ویراں دلوں کو لہلاتا ہوا سبزہ عطا کرنے والا، جانے کتنے غم کدوں کو شادمانیوں کا تحفہ دینے والا، سینکڑوں سنگلاخ وادیوں کو اپنی مَوعظت بالحکمہ سے سیراب کرنے والا، خدا معلوم! کتنے شرک و بدعات میں مبتلا افراد کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر رشد و ہدایت ہی نہیں، بلکہ مرشد و ہادی بنانے والا، 26 فروری 2014ء بروزِ بدھ صبح 2:45 کو حیات آباد کمپلیکس کے I.C.U۔ روم کے اندر احقر راقم الحروف کے ''گود'' میں ''کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ'' کا نعرہ لگاتا ہوا عالَمِ سروری کو کوچ کر گیا۔ انا للہِ وانا الیہ راجعون ؂

آنچہ از من گمشدہ گر از سلیمانؑ گم شدے
ہم سلیماں ہم پری، ہم اَہر من بگر یستے

مولوی محمد نعیم حقانی*

تیری یاد کب تک رلائے گی، اے فانیؔ!

اللہ اکبر! آج وہ دن بھی آ گیا کہ حضرت استاذ محترم کی جدائی کا قصہ لکھ رہا ہوں یہ تو اٹل حقیقت ہے کہ اس جہاں میں ہمیشہ کے لئے کسی نے بھی نہیں رہنا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا خود ہی فانی ہے جو خود فانی ہو اس میں کوئی باقی کیا رہے گا۔

میرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں جو یہ دل پر رنج وملال ہے
وہ جب آ گیا میرے سامنے تو نہ،رنج تھا ،نہ ملال تھا

راقم کو اللہ رب العزت نے استاد محترم کے ساتھ صحبت کا شرف کئی مرتبہ حاصل ہوا ہے کیوں کہ درس گاہ کے علاوہ کبھی حضرت کی رہائش گاہ اور کبھی کمرے میں جا کر ان کی خدمت اور صحبت کا موقع ملا کرتا تھا۔ اکثر لوگوں کی جدائی کا غم آنکھوں سے غمِ اشک روانہ کرتی ہے۔ مگر استاذ محترم کا صدمہ صرف آنکھوں سے غمِ اشک نہیں بلکہ غمِ اشک کے سمندر میں دل کو ڈبو کر تڑپا رہی ہے۔ پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحبؒ کی اس دنیا سے رحلت کی خبر جب ۲۶ فروری بروز بدھ صبح کی نماز کے بعد جامعہ تک پہنچی تو علماء اور طلباء کے جگر کٹ گئے ،قدم لڑکھڑا گئے ،چہرے مرجھا گئے،آنکھیں اشک خون بہانے لگیں ،آنسوؤں کی بوندا باندی ہو رہی تھی اللہ تعالی نے حضرت استاذ محترمؒ کو عجیب صفات وکمالات سے نوازا تھا جو متنوع تھیں ۔

کہیں میں غنچہ ہوں واشد سے اپنی خود پریشان ہوں — کہیں گوہر ہوں اپنی موج میں میں آپ عطا ہوں
کہیں میں ساغر گل ہوں، کہیں میں شیشہ مل ہوں — کہیں میں شور قلقل ہوں کہیں میں شور مستاں ہوں
کہیں میں برق خرمن ہوں کہیں میں ابر گلشن ہو — کہیں میں اشک دامن ہوں کہیں میں چشم گریاں ہوں
کہیں میں عقل آداء ہوں کہیں ممنون رسوا ہوں — کہیں میں پیر دانا ہوں ،کہیں میں طفل ناداں ہوں
کہیں میں سر سر وموزوں ہوں، کہیں میں بید ممنون ہوں — کہیں گل ہوں ظفر میں اور کہیں خار بیابان ہوں

---

* متخصص بجامعہ دار العلوم حقانیہ

اب حضرتؒ اس دار فانی سے چلے گئے ،اسی لیے اکثر لوگوں کو معلوم نہیں کہ ان کے جانے سے کیا کچھ اجڑ گیا ہے۔اگر اس ویران بستی کا راز پوچھنا ہوں تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ کے پوتے مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم کے صاحبزادے مولانا راشد الحق صاحب سے پوچھوں ۔کہ جو ہر وقت استاذ محترم کے پاس ہوتے۔کہ جب انکو وفات کی خبر پہنچی تو حضرت کی ہر ادا ان کی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔

حضرت کیساتھ درجہ خامسہ سے لیکر تا وفات کافی تعلق تھا ،کیونکہ وہ اکثر مواقع پر عجیب انداز میں تربیت اور رہنمائی فرماتے تھے جب بھی راقم اپنے ہم سبق دوستوں مولانا عبداللہ حقانی اور مولانا محمد جان حقانی کیساتھ عشاء کے وقت حضرت کے گھر حاضر ہوتے تو حضرت کے چہرے پر خوشی کے آثار دکھائی دیتے اور اپنے اشعار کے گلدستے سے کچھ اشعار خود پڑھ کر سناتے تھے کبھی فرماتے تھے کہ تم لوگوں میں بھی کوئی اشعار یاد کرنے کا شوق ہے یا کہ صرف مجھ سے سنتے رہو گے؟ ایک مرتبہ راقم نے حضرت سے ایک کتاب کے متعلق غرض کیا کیونکہ کے شروع سے راقم کی یہی عادت ہے کہ فن کے کتاب کے متعلق اس فن کے ماہر سے پوچھتا رہا ہے تو حضرت سے ''کلیاتِ ساغر'' کے متعلق پوچھا کہ حضرت میں یہ کتاب خرید لینا چاہتا ہوں۔کیسا ہے خرید لوں کہ نہیں تو حضرت نے فرمایا کہ ہم ایک مرتبہ سیر کیلئے سوات کے کسی علاقے میں گئے تھے تو ساتھی کسی دوسری جگہ جا رہے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ حضرت آپ ایک دن کیلئے ادھر ٹھہرے حضرت نے فرمایا کہ ٹھیک ہے میں ادھر رہوں گا۔لیکن مجھے ایک قرآن اور ایک ''کلیات ساغر'' دیدو۔پھر اگر میں یہاں پر تمہارے بغیر ایک مہینہ بھی رہوں تو ان دو کتابوں کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔(اللہ اکبر)

حضرت استاذ محترم نے راقم کی ڈائری میں یہ اشعار خود اپنے دستِ مبارک سے لکھے تھے۔

زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا
نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنما بدلا
راہ الفت میں گو ہم پر بہت مشکل مقام آئے
نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

ساغر کے اس شعر کے ٹکڑے پر اس مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

چمن میں غنچے کھلے ہوئے ہیں مگر نگار چمن نہیں ہے
نگاہ میں وسعتیں نہیں ہیں خیال میں بانکپن نہیں ہے

باب چہارم:

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ

علمی، ادبی تصنیفی اور تالیفی خدمات اور افکار و تاثرات

تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں تابندہ رہوں گا
میں زندہ و جاوید ہوں پائندہ رہوں گا

مکتوب خاص:

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا مکتوب گرامی

۲۸۔مئی ۹۸ءکو پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کرکے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کا بھرپور جواب دیا جس کا سہرا دنیا کے نامور سائنسدان محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے سر ہے جس پر دارالعلوم حقانیہ کے مدرس مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؔ صاحب نے اپنی عقیدت اور جذبات کے اظہار کے طور پر ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ایک نظم لکھی تھی جو کہ "الحق" بابت جولائی ۹۸ء میں شائع ہوئی۔ "الحق" کا وہ پرچہ افغانستان اور مختلف ممالک میں پاکستان کے سابق سفیر جناب امیر عثمان صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو پیش کیا۔ڈاکٹر صاحب نے محترم فانیؔ صاحب کو یہ تاریخی گرانقدر مکتوب ارسال فرمایا جو کہ ہم ایک اہم یادگار کے طور پر شائع کررہے ہیں۔(ادارہ)

جناب مولانا محمد ابراہیم فانیؔ صاحب معرفت امیر عثمان صاحب سابق سفیر اسلام آباد

السلام علیکم!

امیر عثمان صاحب کی معرفت آپ نے جو پھولوں کا تحفہ اس ناچیز کو روانہ کیا تھا اس کیلئے تہہ دل سے شکرگزار ہوں جن جذبات کا آپ نے میرے لئے اظہار کیا ہے اس سے آپ کی دلی محبت وشفقت ظاہر ہوتی ہے۔ براہ کرم اپنی دعاؤں میں رکھئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ تندرست وخوش وخرم رکھے اور عمر دراز کرے۔آمین۔

فقط والسلام

آپ کی دعاؤں کا طالب

ڈاکٹر عبدالقدیر خان (نشان امتیاز)

جناب سراج الاسلام سراجؔ*

مولانا محمد ابراہیم فانی بحیثیت شاعر و ادیب

(فانی صاحب کی اردو شاعری کے مجموعہ ''نالہ زار'' پر لکھا گیا پیش لفظ)

پسرم محمد ظاہر جس زمانے میں میٹرک کا طالب علم تھا ان دنوں اس کا ایک ہم جماعت اس کے پاس گاہے گاہے آیا کرتا تھا۔ عادات واطوار کے لحاظ سے بہت شائستہ اور چہرے سے ذہین وفطین نظر آتا تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ برخوردار سعادت آثار محمد ابراہیم نام رکھتا ہے اور دارالعلوم حقانیہ کے صدر مدرس حضرت مولانا عبدالحلیم آف زروبی کا نور چشم ہے۔ چنانچہ اسی دن سے قلب ونظر میں جاگزیں ہوا۔

....

صبح سویرے ہوا خوری کے لیے نکلنا میرا معمول تھا اور دارالعلوم حقانیہ کی مسجد سے ہو کر گھر لوٹتا۔ جب بھی مسجد کی جانب نظر پڑتی، برخوردار محمد ابراہیم کو صحنِ مسجد میں قرآنِ پاک حفظ کرنے میں مصروف پاتا، جس دن میٹرک کا رزلٹ اخبار میں شائع ہوا طلبہ بے چینی کی حالت میں نیوز ایجنسی کے چکر کاٹتے رہے اس روز مسجد سے گزرا تو میں برخوردار محمد ابراہیم کو نتیجہ امتحان کی اعلان سے آگاہ کیا لیکن اس نے بے پرواہی سے بات کو ٹالتے ہوئے کہا کہ کسی" کلاس فیلو سے معلوم ہو جائے گا"اور مزید کچھ وقت ضائع کئے بغیر حفظ قرآن مشق میں دوبارہ مصروف ہوا۔ اب مجھے محمد ابراہیم کی مستقل مزاجی اور متانت کا بھی اندازہ ہوگیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ برخوردار موصوف نے اعلیٰ نمبر حاصل کرکے کامیابی حاصل کی اور دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا اور اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ تعلیمی مراحل طے کرکے امتیاز کے ساتھ آگے بڑھتا رہا، پھر کم سنی میں دستارِ فضیلت سے بہرہ ور ہوکر اسی مادر علمی کی آغوش میں درس وتدریس کا آغاز کیا اور ساتھ ہی فانیؔ کے تخلص سے اپنا ذوق سخن بھی جاری رکھا اور اب میں اسے برخوردار محمد ابراہیم نہ کہہ سکا۔

....

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؔ صاحب اس مشہور علمی ادارہ میں ممتاز شخصیت کی حیثیت سے طلباء اور اساتذہ میں یکساں مقبول ہیں۔ ادب وانشاء میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ پشتو، عربی اور فارسی زبانوں کی تحریر و تقریر میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کے کلام بلاغت نظام میں حسن آفرینی کے عجیب عجیب جواہر پارے

---

* معروف شاعر، مورخ، ادیب، استاد

پائے جاتے ہیں۔ ماہنامہ "الحق" میں آپ کے مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

....

جنوری ۸۳ء میں والد بزرگوار کی رحلت نے ان کو بے حد متاثر کیا۔حقیقت میں یہ ایک نا قابل فراموش سانحہ تھا، جس کی تعبیر فانؔی صاحب کے لیے پشتو کے اس مصرعے کے مصداق تھی۔۔۔۔۔ ؎

غم دی ځادر نه دے چه زوړ شی

زه به ځوانی ورسره زوړو زړه ومه

حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات "موت العالِم موت العالَم" کے مصداق بہت سارے اہل علم و اہل قلم کے لیے ایک عظیم سانحہ تھا۔مختلف زبانوں کے ادبا اور شعراء نے نظم ونثر میں علامہ مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا۔خود محترم فانؔی صاحب بھی چاروں زبانوں میں مرثیے لکھ لکھ کر داغہائے فرقت کا مداوا کرتے رہے۔ جملہ مضامین کو یکجا کر کے حیات صدر المدرسین کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔اسی طرح "افادات حلیم" کے نام سے ایک دوسری کتاب شائع کر کے علامہ مرحوم کے فیوضات کو عوام تک پہنچانے کی پوری پوری سعی فرمائی۔ پشتو زبان میں مختلف شعراء کے کلام کو بے شان غم کے نام سے شائع کر کے اپنے والد بزرگوار کے اسم گرامی کو زندہ جاوید فرمایا۔(" غم بے شان" آپ کے والد مرحوم کا مادہ تاریخ وفات ہے)

....

پشتو زبان کا محاورہ ہے کہ گھنے درخت کا سایہ بھی گھنا ہوتا ہے۔اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ پھلنے پھولنے والے فانؔی صاحب بھی بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں۔ عالم فاضل ہونے کے ساتھ ادیب اور شاعر ہیں۔نکتہ رس اور نکتہ سنج ہیں، مختلف زبانوں کے سینکڑوں اشعار حفظ ہیں، اگر چہ مشاعروں میں شریک نہیں ہوتے لیکن موقعہ کی مناسبت سے نجی محفلوں میں برجستہ اشعار سماعت فرماتے رہتے ہیں۔

محترم فانؔی صاحب کو شاعری کے جملہ اصناف پر عبور حاصل ہے زیر نظر کتاب آپ کے اردو منظوم کلام کا مجموعہ ہے، جس میں حمد ونعت کے علاوہ نظم غزل تضمین، قصیدہ، مرثیہ، سہرہ پند و نصیحت اور عصر حاضر کے مسائل پر اظہار خیال پایا جاتا ہے۔حیران ہوں کہ فانؔی صاحب کے کلام میں سے کس کس شعر کا انتخاب کروں، جگہ اور وقت کم اور منتخب اشعار بے شمار ہیں۔ بہر حال چند پسندیدہ اشعار لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

حمد باری تعالیٰ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔۔۔۔۔ ؎

خالقِ کون و مکاں تیرے سوا کوئی نہیں

انجم و مہتاب سے دامانِ گردوں بھر دیا

مہرِ عالمتاب ہے روشن دلیل " کن فکاں "

اور یہ نورِ سحر برہانِ وحدت بے ریا

محترم فانؔی صاحب نے یہاں نور سحر کو خالق حقیقی کی وحدانیت کو دلیل قرار دیا ہے اور ایسا ہی ایک خیال جوش ملیح آبادی مرحوم نے ایک شعر میں ظاہر کیا ہے۔۔۔۔۔

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

ایک نعت کا ایک شعر جس میں شعر کی روانی اور دل کی تڑپ دونوں قابل ملاحظہ ہیں۔۔۔۔۔

فانی وہ خرابہ ہے اس دل نہیں کہتے
جس دل میں نہ رقصاں ہو تمنائے مدینہ

فانؔی صاحب کا کلام فصاحت و بلاغت، لطافت ونزاکت، متانت اور ترنم کی تمام صفات سے موصوف ہے۔"فریاد ہے" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔۔۔۔۔

لٹ رہا ہے عالم اسلام یوں فریاد ہے
کیسی آئی گردشِ آیام یوں فریاد ہے
مجلس اقوام امریکہ کی تابع بن گئی
سو گئی ہے غیرتِ اقوام یوں فریاد ہے
چار سو دنیا میں ہے مسلم خدایا خستہ حال
ہر جگہ رسوا ہے اور بدنام یوں فریاد ہے
مرغزاروں لالہ زاروں یہ چناروں کی زمیں
جل رہی ہے ہم کریں آرام یوں فریاد ہے

بابری مسجد کی شہادت پر یوں ماتم کناں ہیں اور آخر میں ان زیادتیوں کا علاج بھی بتارہے ہیں۔۔۔۔۔

ہر قدم پر خون کی ندی خدایا بہہ گئی
اور یہ چشم فلک حیرت زدہ ہی رہ گئی
آسماں کو حق یہ حاصل ہے کہ برسائے لہو
بابری مسجد نجس ہندو کے ہاتھوں ڈھ گئی
زخمِ بیتِ مقدس و اقصیٰ ابھی تازہ ہی تھا
وہ مصیبت ملت بیضا تو کیسے سہہ گئی

الجہاد اللہ اکبر ہے لعینوں کا علاج
کس طرح پھر بھاگتا ہے دیکھ ہندو سامراج

فآنی صاحب علامہ اقبالؒ کے مداح ہیں۔ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔۔۔۔ ؎

تھے عالم اسلام پر ادبار کے حالات
یورپ کو سمجھنے لگا بس قبلہ حاجات
جب امت مرحوم ہوئی دین سے بیزار
تقدیر نے دی ملت بیضاء کو یہ سوغات
دانائے راز صورتِ اقبالؒ آگیا
بتلائے اس نے قوم کو ملی تشخصات
تو حافظؒ و رومیؒ کے تصور کا امیں ہے
مشرق کے لیے باعث صد فخر و مباہات

وادیٔ کشمیر میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اس پر فآنی صاحب "اے خطۂ کشمیر" کے زیرعنوان اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔۔۔۔ ؎

دشمن تمہارا حسن مٹانے پہ تلا ہے
اُف وقتِ دعا ہے
ہر ذرہ ترا آگ کے شعلوں میں گھرا ہے
اک حشر بپا ہے
ماتھے پہ ترے سرخیِ خونِ شہدا ہے
مظلوم فضا ہے
وابستہ مسلماں کی ترے ساتھ ہے تقدیر
اے خطۂ کشمیر

بوسنیا میں سربوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی جونسل کشی جاری ہے، اس پر فآنی صاحب کا احساس دل تڑپ اٹھا۔فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ ؎

مقتلِ مسلم ہے گویا بسنیا کی سرزمیں
یورپ عیار کی دیرینہ مکاری تو دیکھ

مسلم خوابیدہ وہ تیری حمیت ہے کہاں
چشم غیرت وا بھی کر غیروں کی عیاری تو دیکھ
مجلس اقوام ہے بے دست و پا سربوں کی ضد
آسماں برسا لہو یہ مسلم آزاری تو دیکھ
خاک و خوں میں اب تلک غلطاں ہے یہ ارض عراق
اتحادی فوج کی وہ برق رفتاری تو دیکھ
ملت بیضا کے غم میں تا بکے یہ اشک خوں
اے دل ویرانِ فانی اپنی لاچاری تو دیکھ

اپنے والد بزرگوار کے ایک مرثیہ میں رقمطراز ہیں ۔۔۔۔۔۔ ؎

قاسم و محمود و انور کی جھلک تجھ میں عیاں
شیخ عبدالحق کے دیرینہ رفیق و رازداں
مفتخر تجھ پر ہے تقویٰ و تصوف کا جہاں
مشغلہ ہر دو کا تھا درس احادیث و قرآن
سیدی شیخی ابی والائے اوصاف کمال
رب نے تجھ کو دی فراست مؤمنانہ لازوال

والد بزرگوار سے ایک دوسرے موقع پر یوں مخاطب ہیں ۔۔۔۔ ؎

ایک مرے مرحوم والد قبلہ گاہ محترم
تیری تربت پر کھڑا ہوں پیکر تصویر و غم
تو نے مجھ نا چیز کو بخشا ہے ذوق آگہی
ورنہ کس قابل تھا یہ اک ذرہ دشتِ عدم
تیرے خوانِ علم سے زلہ ربائی میں نے کی
یہ نصیب اللہ اکبر ہے انعام ذوالحکم
فانی بیچارہ اُف یہ کون زیر خاک ہے
درحقیقت نازش اہل عرب فخر عجم
تیری تربت پر چراغ طور نور افشاں رہے

حشر تک تو ہم نشینِ رحمت یزداں ہے

اے خطۂ کشمیر، شان صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، مرحبا، بابری مسجد، زروبی، شہادت گاہ بالاکوٹ، اے محبت کی زمین، رشک بتان آزاری اور اس طرح کے اور بہت سے اہم موضوعات پر محترم فانؔی صاحب کے جذبات واحساسات کا اظہار بشکل اشعار انتہائی قابل قدر ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کی مشہور غزل اے چہرہ زیبائے تو رشک بتان آزری پر فانؔی صاحب کی خوبصورت تضمین کا ایک بند ملاحظہ ہو:

دنیائے دل میں ہے مری بس تیرے دم سے روشنی
ہر گز نہیں آتی کبھی میری محبت میں کمی
صورت ہیولی کی طرح ہم تم میں ہے وابستگی
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

شہادت گاہ بالاکوٹ پر طویل نظم سے یہ بند اپنی سلاست اور روانی کے لحاظ سے کس قدر دلفریب ہے۔

وادی کاغان یہاں کے دشت و دامن کوہسار
کہہ رہے ہیں قصۂ جور و ستم دیوانہ وار
اور زبان حال سے گویا ہے دریائے کنہار
اس نے دیکھا ہے یہاں پر ذوق ایماں کا خمار
سن بھی لے یہ ماجرائے دلربا آہستہ چل
یہ شہیدوں کی زمیں ہے ہاں ذرا آہستہ چل

محترم فانؔی صاحب غزل کی سرزمین کو بھی آراستہ وپیراستہ کر گئے ہیں فرماتے ہیں:

مجھے اقرار ہے اپنی خطا کا
کہ شکوہ کرلیا تیری جفا کا
صفِ دشمن میں ہے وہ دلربا بھی
صلہ اب یہ ملا اپنی وفا کا

....

ان کے کوچے سے مگر گزرے نہ تھے پہلے کبھی
ہم کسی منزل پہ یوں ٹھہرے نہ تھے پہلے کبھی
آج ان کو میرا انداز جنوں اچھا لگا

اس قدر جی بھر کے وہ ہنسے نہ تھے پہلے کبھی
آج رنگ مہران نامہرباں آنکھوں میں ہے
ورنہ وہ نالے مرے سنتے نہ تھے پہلے کبھی
ان کی مست آنکھوں میں فانیؔ تھا محبت کا خمار
ورنہ ساغر سے تو ہم بہکے نہ تھے پہلے کبھی

....

غزل کی یہ روانی اور جذبات واحساسات کی یہ فروانی ملاحظہ ہو۔

جمع تھے جو چند فرزانے تو وہ بھی ساتھ تھا
سن رہے تھے میرے افسانے تو وہ بھی ساتھ تھا
میں نے جب رکھا اسی کوئے ملامت میں قدم
لوگ مجھ کو آئے سمجھانے تو وہ بھی ساتھ تھا
وائے حسرت سوچ فانیؔ اس شناسا شہر میں
ہو گئے احباب انجانے تو وہ بھی ساتھ تھا

....

بعد مدت کے ملا ہے سایۂ دیوار یار
جستجو کو میری حاصل یہ تن آسانی نہ تھی
بہر اظہار الم ان کو سنائی تو غزل
ورنہ ان کی بزم میں رسم غزل خوانی نہ تھی

....

تشنہ لب ہے بوئے گل گیسو کو لہرانا ذرا
مضطرب ہے چاندنی چہرہ دکھا جانا ذرا
کیسے کیسے چشم و عارض خاک کی زینت بنے
گردش دوراں خدارا لوٹ کر آنا ذرا

....

ساقیا نظریں ملا میں پھر نہ شائد آسکوں
آج جی بھر کے پلا میں پھر نہ شاید آسکوں

بدلیں گے انداز تیرے یہ کبھی سوچا نہ تھا
دل نے اے جان تمنا یہ ستم دیکھا نہ تھا
زندگی میں پیش آئے ہیں حوادث نو بہ نو
اب کے جو طرز جنوں ہے پہلے تو ایسا نہ تھا
تجھ سے میں کیوں دور ہو جاؤں کہیں گے کیا یہ لوگ
چاند تھا لیکن قریب اس کے کوئی تارا نہ تھا

....

علاج اب کوئی کارآمد نہیں ہے
مری وارفتگی کی حد نہیں ہے
رقیب و یار کا یہ ربط باہم
یہ آنا جانا بے مقصد نہیں ہے

....

یہ وادی پھول و شبنم کی نہیں ہے
یہ رستہ پُرخطر ہے سوچ لینا
وصال و دید پر فانیؔ نہ اُترا
یہ عرصہ مختصر ہے سوچ لینا

....

اک فریب آرزو ہے یہ جہان کیف و رنگ
نقش فانیؔ کی بظاہر دلکشی مہنگی پڑی
آج انساں کی تباہی میں ہے اس کا اپنا ہاتھ
اس نئی تہذیب کی یہ روشنی مہنگی پڑی

....

طعنہ ہائے گمرہی ہم سہ رہے تھے رات دن
راہ پر جب آگئے تو رہنما کوئی نہ تھا

....

العرض بمصداق مشتے نمونہ از خروارے اپنے پسندیدہ اشعار پر اکتفا کرتا ہوں۔ قارئین خود مکمل کلام کا مطالعہ کرکے محترم فانیؔ صاحب کے ادبی ذوق کا معیار مقرر کریں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا زور قلم اور زیادہ کرے۔ (آمین) (سراج الاسلام سراج ۱۲ر دسمبر ۱۹۹۳ء)

پروفیسر محمد افضل رضاؔ*

فانی صاحب کی کہانی خود ان کی زبانی
(نالۂ زار پر لکھے گئے تاثرات)

میرے عالم فاضل شاعر اور ادیب دوست جناب مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؔ نے جب مجھے اس شعری مجموعے کے بارے میں چند سطور تحریر کرنے کا اعزاز بخشا تو میں قدرے سہم گیا۔ اس لئے کہ من آنم کہ من دانم۔ کہاں میری علمی کم مائیگی اور کہاں ایک علامہ دوست کی معیاری شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار، اس پر مستزاد یہ کہ جہاں میں جناب فانیؔ کی دوستی اپنے لئے مایۂ افتخار سمجھتا ہوں۔ وہاں اردو،، فارسی، عربی، زبانوں پر ان کے بے مثل عبور کبھی کبھی مجھے شدید احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ان کی فقیرانہ فطرت اور قابل رشک علمیت، پشتو، فارسی اور عربی کے جدید و قدیم شعری سرمائے سے ان کی بھرپور آگہی، ان چاروں زبانوں میں ان کی شعری تخلیق کے معیاری تجربے، ان میں سے ہر ذیلی عنوان الگ الگ تفصیلی تحریر کا متقاضی ہے۔

آمدم برسر مطلب! طویل دیباچوں اور پیش لفظوں کا دور شاید گزر گیا۔ قارئین کرام مختصر طور پر کتاب اور اسکے مصنف کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں، اسے میری ضد کہئے کہ ایسے موقعوں پر میں مصنف دوست کی کہانی انکی زبانی لکھا کرتا ہوں تاکہ ادبیات کے محقق کو مستقبل میں یہ زحمت اٹھانا نہ پڑے کہ مذکورہ شاعر و ادیب کون تھا، کہاں کا رہنے والا تھا، زندگی کے حالات کیا تھے وغیرہ وغیرہ......بس تو میری درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے میرے اس درویش صفت دوست نے لکھا:

مورخہ ۱۵ اپریل ۵۴ء کو ضلع صوابی کے مشہور قصبہ زروبی میں متکلم اسلام حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم حقانیہ کے ہاں بندہ کی ولادت ہوئی، ناظرۂ قرآن کریم اپنے گھر پڑھا اور یہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نظر کرم ہے کہ پہلے پارہ کے دو تین ورق پڑھنے کے بعد دیگر پارے بغیر استاد کے پڑھے۔

بعدازاں اپنے گاؤں زروبی کے مڈل سکول میں داخلہ لیا اور سکول کے ساتھ ساتھ اپنے والد صاحب مرحوم سے دینی رسائل اور فارسی نظم کے رسالے پڑھتا رہا، مثلاً کریما پنج کتاب اور گلستانِ سعدی وغیرہ۔

---

* نامور دانشور، ادیب، شاعر، نقاد، ڈرامہ نگار

مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد چونکہ ہمارے گاؤں میں اس وقت تک ہائی سکول نہیں بنا تھا نویں اور دسویں کلاس کے لیے گورنمنٹ ہائی سکول ٹوپی یا سکول مرغز لڑکے جایا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب مرحوم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں صدر مدرس تھے۔ اس لیے انہی کے ایماء پر بندہ نے گورنمنٹ ہائی سکول اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا، یہاں پر نویں جماعت پاس کی اور دسویں جماعت میں سہ ماہی امتحان کے بعد واپس گاؤں آیا اور ٹوپی کے ہائی سکول میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۷۰ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، میٹرک کے بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا اور ساتھ ساتھ حفظ القرآن میں بھی مشغول رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے درسِ نظامی کے ساتھ بندہ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ ۱۹۷۸ء میں درسِ نظامی سے فراغت کے بعد دوسرے ہی سال دارالعلوم حقانیہ میں بحیثیت مدرس بندہ کا تقرر ہوا اور صرف ونحو ومنطق اور ادب کی مختلف کتابیں تفویض ہوئیں۔

شعر وشاعری اور ادب کے ساتھ شوق ابتداء ہی سے تھا ابتداء میں اپنی مادری زبان پشتو میں شاعری کرتا رہا اور اسی طرح فارسی میں بھی طبع آزمائی اور تک بندی کی کوشش کی۔ زمانۂ طالب علمی میں بعض غزلیں پشتو رسائل اور مجلّات میں چھپتی رہیں اور ساتھ ساتھ اپنی دانست میں اہم مفید مضامین کے تراجم کرتا رہا اسکے بعد وقتاً فوقتاً ملک وبیرون ملک کے مختلف جرائد اور اخبارات میں راقم کے مضامین آتے رہے

۸۳ء میں طبیعت اردو شاعری کی طرف مائل ہوگئی اور پھر اردو میں طبع آزمائی شروع کی۔ چنانچہ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک ، ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، ''خدام الدین'' لاہور، ''ترجمان اسلام'' لاہور، ''بینات'' کراچی، ''النصیحہ'' چارسدہ اور دیگر اخبارات ورسائل میں راقم کی نظمیں اور غزلیں شائع ہوتی رہیں۔ عمومی طور پر ان نظموں اور غزلیات کو پذیرائی حاصل ہوئی، علاوہ ازیں عربی شاعری میں بھی مشق جاری رہی، چنانچہ بندہ کا عربی مرثیہ جوکہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحہ ارتحال پر لکھا گیا تھا۔ وہ جب ماہنامہ ''الحق'' میں چھپا تو ''الحق'' ہی سے وہ مرثیہ دیوبند کے عربی ماہنامہ ''الثقافہ'' میں شائع ہوا۔

حضرت والد صاحب مرحوم کے سانحہ ارتحال کے بعد اکثر احباب کا تقاضا ہوا کہ ان کی سوانح عمری اور حالات زندگی پر ایک کتاب مرتب ہونی چاہیے۔ چنانچہ راقم نے ایک ضخیم کتاب ''حیات صدرالمدرسین'' کے نام سے مرتب کی۔ کتاب کی افادیت کے پیش نظر وزارتِ تعلیم صوبہ سرحد نے سکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں کے لیے منظوری دی ہے۔

دیگر تالیفات میں ''افادات حلیم'' جس کی دوسری اشاعت مزید اضافوں کے ساتھ طبع ہوچکی ہے۔ یہ کتاب بھی صوبہ سرحد کے سکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں کے لیے وزارتِ تعلیم صوبہ سرحد نے منظور کی ہے۔

ماہنامہ ''الحق'' کے مدیر اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم مولانا سمیع الحق مدظلہ نے جو ادارتی شذرے ملک و ملت کی مشہور شخصیات کے سانحہ ہائے ارتحال پر لکھے تھے۔ بندہ نے وہ اداریئے مرتب کئے اور ان پر تعلیقات اور حواشی کا اضافہ کیا، چنانچہ وہ اداریئے اب ''کاروانِ آخرت'' کے نام سے مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے کتابی شکل میں شائع کرائے ہیں۔

حضرت والد صاحب مولانا عبدالحلیم قدس سرہ کے انتقال پر پشتو زبان میں آں مرحوم کے تلامذہ اور بندہ کے احباب نے رقت انگیز اور پر درد مرثیے لکھے تھے بندہ نے وہ مراثی یکجا کر کے ''غم بے شان'' کے عنوان سے شائع کئے جس کا پیش لفظ ملک کے معروف نقاد، ادیب، ڈرامہ نگار، افسانہ نویس، شاعر اور مصنف جناب پروفیسر افضل رضاؔ نے لکھا۔

برادرم محترم جناب مولانا عبدالقیوم حقانی کی تالیفات پر راقم نے مفصل تبصرہ لکھا جو کہ ''نقوش حقانی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔حضرت والد صاحب مولانا عبدالحلیم قدس سرہ کے آمالی اور تقریرات پر کام شروع ہے انشاء اللہ وہ بھی بہت جلد زیور طباعت سے آراستہ ہو جائیں گے، یعنی مسلم شریف، بخاری شریف، بیضاوی شریف اور تلویح و توضیح اور مسلم الثبوت پر افادات بھی زیر ترتیب ہیں۔

راقم نے ملک و ملت کے مشہور علماء اور فضلاء کے سوانح ارتحال پر اردو میں مرثیے لکھے ہیں وہ بھی بہت جلد منظر عام آئیں گے، (اب وہ کتاب داغہائے فراق کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے) پشتو زبان کا مجموعہ بھی مکمل ہو چکا ہے اور ''ازغی دتمنا'' کے نام سے پشتو غزلیات کا مجموعہ طبع ہو گیا ہے۔اسی طرح مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ کے سانحۂ ارتحال پر جن شعراء نے نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے نذر اشک کے عنوان سے بندہ نے وہ مراثی یکجا کئے ہیں۔

صوبہ سرحد کے مشاہیر علماء و فضلاء کے حالات جو کہ وقتاً فوقتاً بندہ مضامین کی شکل میں ماہنامہ ''الحق'' میں دیتا رہا، وہ مجموعہ بھی زیر ترتیب ہے ان میں اکثر مشاہیر وہ فضلاء ہیں جن کے حالات زندگی اور سوانح مطبوعہ نہیں۔ شیخ القرآن حضرت مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصوری کے سوانح حیات کے علاوہ اپنے اساتذہ کرام احباب اور دوستوں کی جدائی پر بندہ کے تاثرات بنام ''چند تابندہ نقوش چند رخشندہ نفوس'' بھی تکمیل کے مراحل میں ہیں۔''

ویسے تو جناب فانی کے پشتو، اردو، فارسی، اور عربی شاعری کے نمونے میری نظروں سے ماہنامہ ''الحق'' کے صفحات پر گذرے تھے لیکن ان کے اردو شاعری کا یہ پہلا مجموعہ پہلی دفعہ مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔۔۔۔۔۔اردو کے مشہور شاعر فانی بدایونی کا کلام تو اردو ادب کے ایک ادنی طالب علم کی حیثیت سے پڑھا تھا لیکن پشتون فانی کا یہ مجموعہ اردو زبان میں مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محمد ابراہیم فانی (جن کی مادری زبان پشتو ہے)

جہاں فارسی،عربی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں، وہاں اردو میں بھی وہ نہایت روانی اور آسانی سے شگفتہ انداز میں واردات قلبی اور معاملات حسن وعشق، احساس محرومی، غم جاناں اور غم دوراں کو سپرد قلم کر سکتے ہیں ۔آپ کی نظموں اور غزلوں میں جو بیساختہ پن اور روانی ہے، وہ دوسرے پشتون شعراء کی اردو شاعری میں شاید آپ کو کم ہی ملے، فانی اپنے دل کی بات دوسروں کے دلوں تک پہنچانے کا فن جانتے ہیں۔آپ کی یہ فنکارانہ صلاحیت جہاں آپ کی پشتو، فارسی اور عربی شعری فن پاروں میں نمایاں ہے وہاں آپ کی اردو شاعری میں بھی بھرپور انداز سے جھلکتی ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں فانی صاحب کے چند اشعار مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں جنکے مطالعے سے قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس مجموعے کے شاعری کس درجے کی ہے۔

شوخی رفتار اپنی ناز برداروں سے پوچھ — تلخئی راہ محبت عشق کے ماروں سے پوچھ
چارہ سازی چھوڑ دی ہم نے جنون عشق کی — اس مرض کی چارہ گر کوئی دوا ہو یا نہ ہو

طعنہ ہائے گمرہی ہم سہہ رہے تھے رات دن — راہ پر جب آگئے تو رہنما کوئی نہ تھا

سبحہ گردانی نہیں بس ذوقِ ایمانی کا نام — جب ترے سینے میں زاہد سوزِ سلمانی نہیں

میں ہی محروم تمنا تشنہ کام دید ہوں — میکدے میں ورنہ فیضِ ساقی گلفام ہے

اپنی قسمت سے گلہ تھا ان سے کچھ شکوہ نہ تھا — اس حسین پیکر نے میرے عشق کو سمجھا نہ تھا

مرا شوق ِ جبیں سائی نہ انداز نوا بدلا — مگر تیرا نہ اے ظالم یہ عنوانِ جفا بدلا
بےخودی خطرے میں ہے دیوانگی خطرے میں ہے — اے غمِ ہستی مری آوارگی خطرے میں ہے

اب تو یہ دل ہے بسانِ قطرۂ آبِ رواں — اے مریض دل نہ رو ورنہ ٹپک جاتا ہے دل

ہم بڑھے جاتے تھے انجام سفر سے بے خبر — رک کے جب منزل پہ دیکھا کوچۂ صیاد تھا

............☆☆☆............

جناب پروفیسر محسن احسانؒ*

فانی صاحب کا اسلوبِ سخن

اردو کلام نالہ زار پر تحسینی کلمات

جناب محمد ابراہیم فانی دارالعلوم حقانیہ سے ایک طویل عرصہ سے وابستہ ہیں۔ ان کی ذہنی اور روحانی نشوونما انتہائی مذہبی اور دینی ماحول میں ہوئی اور اب یہ اسی لگن اور کاوش کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں۔ ان کا ذوق شعر اور اسلوب سخن انتہائی عمدہ ہے۔ سماجی زندگی میں شرافت، خودداری اور صاف گوئی، ایمانداری اور سادگی اور بزرگوں کی تعظیم کو پیش نظر رکھنے کا جو اعلیٰ درس دیا جاتا ہے۔ فاؔنی صاحب اس کا ایک اچھا نمونہ ہیں۔ وہ اخلاص ومحبت کا پیکر ہیں، شرافت اور ہمدردی ان کے مزاج میں شامل ہے اور زندگی کے دکھ درد اور رنج وآلام سے نباہ کرنا اس کی طبیعت میں رش بس گیا ہے اور یہ سب کچھ ان کے کلام آئینہ میں دکھائی دیتا ہے جینے کی آرزو، اللہ پر کامل یقین، موت سے باتیں، ماضی کی یادیں، حال کی فریادیں، مستقبل کی امنگیں، زندگی سے شکوے شکایتیں، والدین سے والہانہ جذبہ عقیدت ومحبت، پاکیزہ قلبی، غرور بیجا سے اجتناب حیاتِ فانی کی بے مائیگی کا احساس۔۔۔۔۔ یہ اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ جناب فاؔنی کے اشعار میں آپ کو نظر آئے گا۔ پشتو زبان وادب سے شغف اور پشتون معاشرے میں آنکھ کھولنا اور اس میں سانس لینے کے باوجود ابراہیم فاؔنی کی اردو زبان و ادب سے اتنی دلچسپی قابل تحسین ہے۔

آپ ان کے موتیوں جیسے سچے اور کھرے جذبات واحساسات کو دیکھیے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی بات کس طرح دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہے۔ شوق اگر سچا ہو اور جذبہ نیک ہو تو انسان کسی نہ کسی صورت منزل تک رسائی حاصل کر ہی لیتا ہے۔ فاؔنی صاحب کے جذبوں کی پاکیزگی اور احساسات کی نفاست یقیناً انہیں اس سفرِ شوق میں رواں دواں رکھے گی اور وہ ایک نہ ایک دن منزل تک پہنچ جائیں گے۔ میری بہت سی دعائیں اور نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔

---

* معروف شاعر، ادیب، نقاد، پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

مولانا عبدالمعبود

باغ و بہار شخصیت

حضرت علامہ مولانا ابراہیم فانی نوراللہ مرقدہٗ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مایۂ ناز، کہنہ مشق اور ہر دلعزیز استادالحدیث اورمدرس تھے، جوحقانیہ کی شان، آن اور جان کی حیثیت کے حامل تھے، مدرسین کے منظورِنظر اور محبوب ترین استاد اور طلبہ کے انتہائی شفیق مربی تھے۔

حضرت مولانا موصوف کوقدرت نے گونا گوں اوصاف سے بہرہ ور فرمایا تھا ان کی ذات ستودہ صفات جہاں علوم وفنون کی بحر بیکراں تھی، وہاں وہ شعرادب میں بھی مقام رفیع پر فائز تھے، دارالعلوم حقانیہ جیسے رُشد وہدایت کے عظیم الشان مرکز میں بیٹھ کرعلوم ومعارف کے دریا بہاتے رہے۔ اور تشنگانِ علوم نبوت کوسیراب کرنے میں فقید المثال خدمات انجام دیتے رہے اسی طرح اپنے احساسات، نظریات، تفکرات اور معارف وحقائق کواشعار کی سلکِ مرواریدی میں پروکرملت اسلامیہ سے دادتحسین کے تمغے وصول کرتے رہے۔

خالقِ کائنات نے مولانا موصوف کوایسی مرنجانِ مرنجی طبیعت مرحمت فرمائی تھی کہ ہر محفل کے چراغ، ہر مجلس کے صدرنشین اور ہر اجتماع کے گل سرسبد قرار پاتے تھے اپنی باغ و بہار طبیعت سے ہر کسی کا دل موہ لیتے تھے۔

درس وتدریس میں لب ولہجہ اوراندازِ تکلم اس قدر موثر اور دلنشین ہوتا کہ طلبہ آپ کے گرویدہ اور شیدائی بن جاتے۔ مغلق اور لاینحل عبارات حل کرنے میں بے حد سادہ اور عام فہم اسلوب اختیار کرتے جس سے مفہوم وتوضیح طلبہ کے قلوب میں پیوست ہوجاتی۔

حضرت مولانا فانی رحمۃ اللہ علیہ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ذیشان کے بجا طور پر مستحق تھے "اوعلم ینتفع بہ" انہوں نے درس وتدریس کے ذریعے ایسی قندیل روشن کی ہے جس کی ضیاء باذن اللہ، تاابد تابندہ رہیں گی اوران کا یہ عمل صالح بالیقین جنت الفردوس میں ان کی بلندی درجات کا موجب ہوگا۔

جس زمانہ میں اخوانم مولوی محمد عبدالواحد اختر جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے مجلّہ الحق کی کتابت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے راقم الحروف ان کی ملاقات کے لئے جامعہ حقانیہ میں حاضر ہوتا رہا ہے۔ ان ہی کے ذریعے حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی زیدہ مجدہ سے تعلق خاطر قائم ہوا۔ اور حقانی صاحب کی وساطت سے حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؔ سے ملاقات کا سلسلہ چل نکلا، پھر ان کی شریں کلامی سے محظوظ ہونا مقدر ہوا۔ موصوف کا کلام اکثر بیشتر ماہنامہ ''القاسم'' میں نظرنواز ہوتا اوراس کی حلاوت اور چاشنی سے مسرور ہوتا۔ آج ہم سب ان کی بلندی درجات کے لئے بارگاہ الٰہی میں دست دعا ہیں، اللہ پاک ان پر اپنی خصوصی رحمتوں کا نزول فرمائے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین .... (مولانا عبدالمعبودؔ راولپنڈی)

جناب ابرار خٹک*

مولانا محمد ابراہیم فانیؔ

''تا نہ پنداری کہ تنہا می روی!''

انھیں فنا ہونا ہی تھا کیونکہ کسی فانی کو اپنے فنا ہونے کا اتنا شاید ہی یقین ہو، جتنا فانیؔ کو تھا۔عربی زبان وادب کے لامتناہی ذخیرے میں انھوں نے اپنے تخلّص کے لیے جس لفظ کا انتخاب کیا وہ ''فانیؔ'' تھا کہ تیقن کی حد تک انھیں فنا ہونے کا احساس تھا۔اے وائے! ہم' کہ یوں جی رہے ہیں جیسے ''فانیؔ'' کے رستے پر جانا ہی نہیں؟

فانی صاحبؔ آہنگ سے کہیں زیادہ فرہنگ کے آدمی تھے،لفظ و معنی کا شعوری ادراک ان کو جس طرح ودیعت ہوا تھا، بہت کم لوگوں کونصیب ہوتا ہے۔وہ شخص ہی عجب تھا،غضب کا سخن فہم،ادب شناس ،نکتہ سنج اور عالمِ باکمال۔ دل،قرآن و حدیث میں ڈھلا ہوا ،روح ،زبان وادب کی شیدا اورتن سادگی کا عملی نمونہ؛ان تینوں کے امتزاج کا نام مولانا ابراہیم فانیؔ تھا۔وہ حقیقی معنوں میں عالمِ اقدار وروایات تھے،والدمرحوم نے جہاں بٹھایا وہاں سے جنازہ اٹھا،جامعہ حقانیہ ،اکوڑہ خٹک میں اسلاف کی روایات کے امین،تقریر،تحریر وتبلیغ کے ماہر،نفسیات و طریقہ ہائے تدریس میں بے مثل،کتب بینی وانشاپردازی ان کا اوڑھنا بچھونا،فنِ شعر کے نباض و امام،علم الاعداد و عروض میں یکتائے عصر۔

درمیانہ قد،کھلی پیشانی ،ہلکے آبرو،سفید رخسار،ہلکا بدن،لمبی مگر چھدری داڑھی،سر پر موسمی ٹوپی،عینک لگائے فانیؔ صاحب یاد آتے ہیں تو بے ساختہ ان کے علمی و ادبی زمزمے بھی ذہن پر نقش ہونے لگتے ہیں،علم وادب،تاریخ وفلسفہ،کے کتنے رنگ تھے جوان کی زبان سے قلب وروح کے لوح پر نقش ہوئے ،مگرفانیؔ صاحب کو بھولنا ممکن نہیں کہ وہ اپنی یادخود دلاتے رہیں گے۔دارلعلومِ حقانیہ نے شاید ہی ان جیسا سپوت دیکھا ہو، جونکتہ رس بھی تھا،نکتہ سنج بھی ،فصاحت و بلاغت کی گہرائیوں میں اترنے والا بھی اورعلم بیان و بدیع کا شناور بھی۔شعروادب کا جوذوق ان کوودیعت ہوا تھا،انہی کا خاصہ رہا'اوراس مادرِعلمی میں جہاں گلستانِ نبوت ﷺ کے منتخب پھول ،مختلف

---

* استاد شعبۂ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج،نوشہرہ abrar.khattak@yahoo.com

رنگ اور خوشبو کے ساتھ ملتے ہیں، فانی صاحب کا رنگ شعروادب، ذوق وشوق کے حوالے سے سب میں نمایاں رہا۔عربی، فارسی اردو اور پشتو زبان پر بے مثل عبور؛ ان زبانوں کا ادب ان کی زبان اور قلم کے نوک پر رہا۔صرف و نحو سے لے کر احادیث کی مستند کتابوں تک، فانؔی صاحب علم وادب کے بحر ذخار کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی کمی دیر تک محسوس کی جائے گی۔

فانؔی صاحب سے میری پہلی ملاقات سراج الاسلام سراؔج صاحب کے توسط سے ہوئی،قومی شاہراہ کے سامنے لوہے کی جالیوں کے پیچھے دارالعلوم کے شیوخ کے مکانات' یا یوں کہیے علم کدے تھے،فانی صاحب کا علم کدہ مغرب کی طرف تھا جس کے سامنے دائیں طرف، سڑک کی طرف کھلنے والا ایک گیٹ بھی تھا جو عموماً بند ہوتا،اور فانی صاحب کے مکان کی طرف جانے کیلئے دارالعلوم کی مسجد کی گنبد کے سامنے والا گیٹ ہی استعمال ہوتا۔سراج صاحب کبھی کبھی انھیں فرماتے کہ آپ کا ٹھکانہ باہر سے یوں لگتا ہے گویا پنجرے میں قید ہوں،تاہم پہنچ کر آپکے ساتھ بیٹھتے ہیں تو خیاباں کا احساس ہوتا ہے۔جس وقت وہ مکانات توسیعِ مسجد کی خاطر ڈھائے گئے اور فانؔی صاحب کا قیام ہاسٹل کی طرف منتقل ہوا تو انھیں شدید تکلیف ہوئی، کیونکہ ان دنوں ان کے پاؤں کی ایک انگلی کٹ گئی تھی،اور سیڑھیاں چلنا انتہائی دشوار ہوگیا تھا۔

سراج صاحب مرحوم کی معیت میں فانؔی صاحب کے مہمان خانے پہنچے،استقبال ہوا،دیر تک معانقہ ہوتا رہا،جیسا کہ ان کی عادت تھی،ایک ہی سانس میں ساری خیریات پوچھتے رہے۔کیسے ہو،طبیعت کسی ہے،ٹھیک ٹھاک.... دیر تک مختلف موضوعات پر گفت گو ہوتی رہی،قہوے کے دور چلتے رہے۔وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔اس کے بعد معمول کا آنا جانا شروع ہوا، ہر دوسرے، تیسرے دن سراؔج صاحب کی طرف آنا جانا ہوتا،تو فانؔی صاحب کے ہاں بھی سلام کے لیے حاضر ہوجاتا،الحق پر گفتگو ہوتی،ادبی مباحث ہوتے،اور یہ سلسلہ طویل عرصے تک جاری رہا، یہاں تک کہ ان کی بیماری نے شدت پکڑی،اور وہ ہاسٹل منتقل ہوگئے،ایک دو بار ہاسٹل بھی جانا ہوا مگر وہاں فانؔی صاحب کی تکلیف اور جگہ کی تنگ دامنی کا احساس ہوتا رہا،اس لیے جانا موقوف کردیا۔پھر زیادہ ملاقاتیں جامعہ میں ہوتیں، جہاں انہوں نے ایک کمرہ مخصوص کرلیا تھا۔سراج صاحب کی وفات کے بعد ہماری ملاقاتیں، نشستیں اور بھی بڑھ گئیں، کیونکہ ان کے جانے کا غم اور ماتم ہمارا مشترکہ تھا،ہر بار انھیں یاد کرکے افسوس کرتے، بلندیِ درجات کی دعا کرتے اور یادداشتیں تازہ فرماتے۔الحق میں سراج صاحب کے متعلق میرا لکھا ہوا خاکہ ''پیرِ مشرق: سراج الاسلام سراؔج' شائع ہوا تو بڑی ستائش اور حوصلہ افزائی فرمائی،ملاقات میں فرمایا: خاکہ پڑھتے ہوئے ایک بات کا احساس شدت سے ہوا۔کاش! پڑھتا اور کبھی ختم نہ ہوتا'' فانؔی صاحب سراج صاحب کے متعلق کہا کرتے تھے کہ پہلے زمانے میں لوگوں کا خیال ہوتا کہ جس نے گلستان، بوستان نہیں پڑھی وہ محفلوں میں نہ

بیٹھیں، میں کہتا ہوں جو سراؔج کی محفل میں نہ بیٹھا ہو اس میں محفل کے آداب کا ادراک اور نہ ہی شعر و ادب کا صحیح ذوق پیدا ہو سکتا ہے۔ ع ''ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے''

ایک دفعہ ایک فارسی خط ان کی خدمت میں پیش کیا، جس میں میرے لیے ابلاغ کے حوالے سے مشکل کا سامنا تھا، فاؔنی صاحب نے ایک نکتے سے تفہیم کے رستے کھول دیے۔ علم الاعداد پر انتہا کی حد تک عبور حاصل تھا، ایک دفعہ استاذی جناب سراج الاسلام سراؔج صاحب مرحوم کا قصہ سنایا کہ سردی میں رات کے دس بجے دروازہ کھٹکھٹایا گیا، اٹھ کر کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مرحوم سراج الاسلام سراؔج صاحب ہیں۔ میں (فاؔنی صاحب) نے پوچھا مولانا! حیرت، اس وقت؟ کہا تقویم کے حوالے سے ابجد کا ایک مسئلہ درپیش ہے، حل نہیں ہو رہا۔ آپ کی خدمت میں لایا، ممکن ہے آپ گتھی سلجھائے؟ فانی صاحب کا کہنا تھا کہ (استاذِ محترم آپ تو اس فن میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، اگر آپ سے حل نہ ہوا تو میں کیسے حل کر سکوں گا؟ تاہم آپ بے فکر ہو جائیں میں اپنی کوشش کر لوں گا۔ اتفاقاً فوری طور پر وہ نکتہ حل کیا اور صبح ان سے ملاقات ہوئی تو ان کی خدمت میں پیش کر دیا، فاؔنی صاحب کا کہنا تھا کہ سراج الاسلام سراؔج صاحب صاحب دیر تک میرے کندے پر تھپکیاں دیتے رہے اور ساتھ ہی تعریف کے بے ساختہ جملے بھی ان کے زبان سے ادا ہوتے رہے۔ افسوس اب نہ فاؔنی رہے اور نہ ہی سراج الاسلام سراؔج صاحب؛ یہ لوگ بھی غضب تھے....اا

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لیئم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

ایک دفعہ فرمانے لگے کہ سراج الاسلام سراؔج صاحب اور میں (فاؔنی صاحب) شدید موسم میں بیٹھ کر شعر و ادب پر گفت گو کر رہے تھے، سراج صاحب نے کہا کہ یہ لوگ (رستے پر چلنے والے) کیا کہیں گے کہ سارا دن یہ کیا قافیہ و ردیف، غاؔلب و بیدؔل، حاؔفظ و سعدؔی، خوشحاؔل و رحماؔن پر وقت ضائع کرتے ہیں؟

فاؔنی صاحب نے فرمایا کہ ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ شعر و ادب میں ایسے لازوال و باکمال شعراء اور اشعار موجود ہیں مگر افسوس لوگ ان خزانوں؛ لذت، گہرائی، اندازِ بیاں اور کیفیتِ تاثر سے محروم ہیں؟

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

فاؔنی صاحب نے علم و ادب کا جو خزانہ چھوڑا ہے اس کا علمی و ادبی مقام انتہائی اعلیٰ ہے اور ثقہ سے ثقہ نقاد بھی اس سے صرفِ نظر نہ کر سکے گا۔ عربی، پشتو شاعری ہو کہ اردو یا فارسی؛ نظم، غزل میں فاؔنی کے تجربے الگ اسلوب اور انداز کے حامل ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے مراثی ادب کا بڑا سرمایہ ہیں، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مراثی

فانیؔ موجودہ اردو، پشتو اور فارسی ادب میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں، انہوں نے اس فن میں کچھ نئے تجربات بھی کیے ہیں، جسے کسی ایسے نقاد کی ضرورت ہے جو مرثیے کے فن کے رموز و تقاضوں سے آشنا ہو۔ فانیؔ کی غزل حافظ کی طرح ابہام سے عاری ہے اور اس کی تان محبت کے دلفریب جذبوں پر ٹوٹتی ہے۔ ازلی محبوب کے حوالے سے فانیؔ نے جن رومانوی جذبوں کا احاطہ کیا ہے' اس سے اردو غزل کا کینوس نکھر کر سامنے آیا ہے' علاوہ ازیں فانیؔ کا اسلوب اپنی ایک الگ شناخت بھی سامنے لے کر آتا ہے۔

فانیؔ صاحب نے اردو کے نعتیہ ادب کو توانائی بخشی، غزل کے رموز و علائم کو نعتیہ شاعری میں سمو کر انھوں نے تغزل کی عجب کیفیات پیدا کیں۔ ان کے ہاں موضوع کی یکسانیت نہیں بلکہ مضامین کا تنوع ہے۔ نظم ہائے تہنیت، کتب پر ان کے منظوم و منثور تبصرے، ادب کا حسن ہیں، جسے کسی محقق و نقاد کا انتظار رہے گا، اردو ادب تقاضا کرتا ہے کہ فانیؔ صاحب کے احوال و آثار پر تحقیق کی جائے اور ترتیب و تدوین کے عمل سے گزار کر ان کے آثار شائع کر کے عام کیا جائے۔

مولانا رومؒ نے فرمایا تھا کہ میری موت کے بعد مجھے قبر میں تلاش مت کرو، کہ ''در سینۂ عارف مزارِ ماست'' بعینہ فانی صاحبؒ بھی اسی طرح دلوں میں زندہ رہیں گے:

دیۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

☆ ☆ ☆

ہم کو جینے کی جو حسرت تھی بڑی مہنگی پڑی
اس غم و اندوہ میں یہ زندگی بڑی مہنگی پڑی

اک فریبِ آرزو ہے یہ جہانِ رنگ و بُو
نقشِ فانی کی بظاہر دل کشی مہنگی پڑی

آج انساں کی تباہی میں ہے اس کا اپنا ہاتھ
اس نئی تہذیب کی یہ روشنی مہنگی پڑی

(فانی)

مولانا سلیم بہادر ملکانوی*

درد آشنا

شعر وشاعری کے حوالے سے برصغیر پاک وہند میں فانی بدایونی معروف ومشہور ہیں اوراہل ادب میں استاذ شعراء کی فہرست میں ان کا نام آتا ہے۔سخن سناش اور قدر شناس حضرات نے ان کے کلام کوسر آنکھوں پر رکھا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کا کلام اردو زبان وادب کا عمدہ اور اہم ذخیرہ ہے اور اگر فانی تخلص کے حوالے سے ذکر چھڑ جائے تو دل ودماغ انہی فانی بدایونی کی یاد سے ہی معمور ہوتا ہے۔لیکن آج ہم ایک اور فانی کا ذکر کررہے ہیں، یہ بدایوں کے ہیں نہ اردو زبان کے کسی علاقہ کے ہیں۔البتہ یہ ضرور ہے کہ انہیں اردو اور اردو والوں سے محض سرسری نیاز ہی نہیں بلکہ تعلق خاطر ہے اور بقول ہمارے ان ممدوح کے ''مجھے اردو سے ہزار درجہ پیار ہے'' ان فانی کا تعلق پتھروں کے زمانے سے تو بالکل نہیں البتہ پتھروں اور پہاڑوں کے علاقہ سے ضرور ہے اوران کی مادری زبان اصل پشتو ہے لیکن گفتگو، شعروشاعری اور رنگینیاں صرف پشتو تک ہی محدود نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر معاملہ عربی اور فارسی سے ہوتا ہوا اردو تک آپہنچا ہے۔

نئے جہاں بسائے ہیں فکر آدم نے
اب اس زمیں پہ ارم ہی نہیں کچھ اور بھی ہے

یہ حضرت فانی ! مولانا محمد ابراہیم فانی ہیں، جنہیں مناسب قدوقامت کے ساتھ ساتھ خوبروئی کی اضافی دل آویزی حاصل تھی، پیاری، میٹھی، دھیمی اور دل موہ لینے والی گفتگو کا طرز وانداز ان کا شعار تھا۔اورانہوں نے نماز، روزہ اور علم کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔

والدمحترم حضرت علامہ مولانا عبدالحلیم زروبیؒ بہت بڑے عالم دین تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت موصوف دارالعلوم حقانیہ ایسے مرکز علم وعمل میں ''صدرالمدرسین'' جیسے معزز ترین عہدہ پر فائز تھے اور ہزاروں فضلاء حقانیہ کے سروں کے تاج تھے اور تقویٰ، تدین تشریح اور للّٰہیت اس پر مستزاد تھی۔

ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں یہ رتبہ بلند ملا جسے ملا

---

* استاد حدیث جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

حضرت فانیؒ نے اس پاکیزہ ماحول میں پرورش پائی تو اس کا فطری تقاضا تھا کہ آپ میں بچپن ہی سے صالحیت کے آثار ہوں اور بعد کی آپ کی صالح زندگی کی عمارت اس پر قائم ہو‘ تو واقعہ یہ ہے کہ آپ نیک‘ صالح اور متقی اور پرہیزگار انسان تھے اور آپ کے اندر کی‘ صالح صفات آپ کی ایک ایک ادا سے ٹپکتی تھیں اور پھر علمی آغوش میسر آئی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ علم سے معمور حقانیہ ایسا دارالعلوم تھا‘ جہاں علمی زمزموں سے کان آنا اور سامعہ نواز ہی نہیں بلکہ علمیت غذا کے طور پر نصیب تھی جس کی نقد برکت یہ ظاہر ہوئی کہ حضرت فانی صاحب‘ ایک جید عالم تھے‘ کہنہ مشق مدرس تھے‘ بہترین مدبر تھے‘ ایک ماہر اتالیق تھے اور ''ایوان شریعت'' میں شیخ حدیث تھے۔ غافل نیم زاراہ ادب غافل نیم زراہ علم

حضرت فانیؒ کی پوری زندگی اسی علم وادب کے پیچ وخم میں گذری‘ فانی یہیں پلا‘ یہیں بڑھا‘ یہیں برگ و بار لایا‘ یہیں چمکا‘ یہیں سب کو چکا چوند کیا اور یہیں نچھاور ہوا اور علم کی اسی وادی میں فنا ہوا۔

طے می شود ایں راہ بر درخشیدن برقے ما بے خبراں منتظرِ شمع و چراغیم
اور نیروئے عشق بیں کہ دریں دشت بیکراں گامے نہ رفتہ ایم وبہ پایاں رسیدہ ایم

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ ایک فطری شاعر بھی تھے‘ انتہائی نازک اور حساس دل رکھتے تھے‘ ان کی شاعری کی جولانگاہ مادری زبان پشتو ہی نہیں بلکہ فارسی اور اردو کے علاوہ عربی پر بھی مشق سخن جاری تھی اور انہوں نے مذاقِ سخن رکھنے والوں خوب خوب دادِ سخن سمیٹی! بحمدللہ آپ کے کلام کو بالعموم پذیرائی حاصل تھی‘ ملک بھر کے مختلف جرائد میں آپ کلام شائع ہوا۔ حتیٰ کہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے سانحہ ارتحال پر جو عربی میں مرثیہ لکھا وہ ''الحق'' میں شائع ہوا۔ پھر ''الحق'' ہی کی بوساطت سے دیوبند کے ''الثقافۃ'' میں شائع ہوا‘ میرے سامنے حضرت فانی صاحب کے شاعرانہ کلام کا اردو مجموعہ ''نالہ زار'' ہے۔ انہوں اس کا آغاز لا الہ الا اللہ کے مبارک عنوان سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

شراب ذکر سے آباد میکدہ دل کا چراغ طور یقین لا الہ الا اللہ
ہجوم یاس میں بس اک یہی سہارا ہے خمارہ بادۂ دیں لا الہ الا اللہ
حضورِ رب میں ملی لذت جبیں سائی مکانِ دل کا مکیں لا الہ الا اللہ

اور آقا حضور ختمی مرتبت سرورکونین علیہ الف الف التحیۃ والتسلیم کے حضور محبت وعقیدت کے گن یوں گاتے ہیں:

بہر نصرت آگئے کتنے ملائک بدر میں اللہ اللہ عظمت وشان دعائے مصطفیٰ
روضئہ اطہر ترا ہے جلوہ گاہ قدسیاں عالم امکاں میں ہے ہرسوئے ضیائے مصطفیٰ

اور آخر میں فرماتے ہیں: ؎

باعث تسکین جان وروح ہے یاد نبی
کیف آور ہے یہ ذکر جانفزائے مصطفیٰ

ایک غزل کے چند اشعار ہیں:

راشوق جبیں سائی نہ انداز نوا بدلا — مگر تیرا نہ اے ظالم یہ عنوان جفا بدلا
تغافل ان کی عادت ہے منا جائیں مرا شیوہ — نہ وہ طراز ادا بدلے نہ میں رنگ دعا بدلا
کبھی تو مہرباں ساقی کبھی بے مہر بنتے ہو — رویہ آپ کا ہم سے خدارا بارہا بدلا

''رشک بتان آزری'' کے عنوان سے حضرت امیر خسروؒ کی غزل پر تضمین لکھی' فرماتے ہیں:

بسمل من از ہجراں شدم بر حوال خود نالیدہ ام — برمن نگہ کن دلربا درخاک وخوں غلطیدہ ام
اے گل عذار نازنیں برزلف تو گرویدہ ام — آفاقھا گردیدہ ام مہرِبتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ایک اور تضمین میں فرماتے ہیں:

بہر سو رقص چشم حور شب جائیکہ من بودم — ہر اک وار ان کا بھرپور شب جائیکہ من بودم
نگاہ ناز سے لبریز پیمانے پیے ہم نے — رہی دنیائے دل مخمور شب جائیکہ من بودم
جنوں کو کامراں دیکھا خرد کو سرگرداں پایا — نرالے تھے وہاں دستور شب جائیکہ من بودم

ایک غزل کے مقطع میں کہتے ہیں:

آج دل کے نام فانی سال نو کی یہ غزل
جان من! موج حوادث سے نہ گھبرانا ذرا

حضرت فانیؒ میں یہی علم وادب تھا اور عمل تھا اور ان پر مستزاد اخلاص وفنائیت تھی اور غذا کے طور پر تھی اور یہی ان کا درد تھا' یہی علاج تھا اور یہی شفا تھی۔

تداویت من لیلیٰ بلیلیٰ عن الھوی — کما تداوی شارب الخمر بالخمر

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا



محمد اسعد مدنی*

شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہے

''مولانا محمد ابراہیم فانی مشاہیر کی نظر میں''

مولانا ماہر القادریؒ اپنی کتاب ''قلمی معرکے'' میں رقم طراز ہیں:

''ایک ہوتا ہے باکمال اور ایک ہوتا ہے جامع کمالات، باکمال سے اگر اس کا کمال چھین لیا جائے تو اس کی شخصیت میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور جامع کمالات کا کوئی ایک وصف یا ایک کمال حذف ہو بھی جائے تو دوسرے کمالات کے سبب اسکی شخصیت ممتاز رہتی ہے''

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت بھی جامع کمالات تھی اور انہیں کمالات میں سے ایک اُن کی ''شاعری'' ہے بہت سے نامور اور باکمال شعراء سے اگر ان کا کمال شاعری حذف کر دیا جائے تو ان کی شخصیتیں صفر ہو کر رہ جائیں گی۔ مگر مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کی ذات وصفات بے شمار خوبیوں کی حامل تھی۔ اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو بھی اپنے دیگر کمالات کے سبب مرجع خلائق ہوتے۔

مولانا محمد ابراہیم فانیؒ بیک وقت ایک مستند عالم دین، کامیاب مدرس، عظیم دانشور، صاحب طرز ادیب، قادر الکلام شاعر اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ عربی، فارسی، اردو، پشتو پر انہیں کامل عبور حاصل تھا۔ ان کی شخصیت کا ہر پہلو اتنا وسیع ہے کہ بلا مبالغہ ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ کتاب لکھی جاسکتی ہے اس مضمون میں صرف ان کی ''اردو شاعری'' پر بات ہوگی، مگر اس سے پہلے مناسب ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ کا علمی و ادبی خاکہ نقل کیا جائے جو انہوں نے فانی مرحوم کے متعلق اپنی شہرۂ افاق کتاب ''مشاہیر'' میں تحریر کیا ہے۔ حضرت کا یہ قلمی خاکہ جہاں جامعیت و اختصار کا بے مثال شہ پارہ ہے وہیں حضرت فانی کی زندگی کا خلاصہ بھی ہے۔ اہل ذوق حظ وافر اٹھائیں۔

''ہونہار ذہین، مستعد عالم، درسِ نظامی کے جید مدرس، بالخصوص نحو و ادب میں مقبول استاد، پشتو، میں ان کے درسی آمالی کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، عربی علوم و فنون کے ساتھ اللہ نے پشتو، اردو، عربی، فارسی میں شاعری کی عمدہ صلاحیت سے نوازا ہے۔ جس کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ ہمارے استاد صدر المدرسین علامہ عبدالحلیم زروبویؒ

---

* متعلم مدرسہ تحسین القرآن حکیم آباد

کے فرزند ہیں۔ان کے وفات کے بعدان ہی کی چھوٹی سی رہائش گاہ (عقب مسجد حقانیہ) میں گزر بسر کررہے ہیں دنیا کے شور شرابوں سے دور اسی گوشۂ خلوت میں اپنے فکر ونظر کی دنیا میں محو اور قناعت سے مالا مال تدریسی خدمات کا پینتیسواں سال ہے''۔(مشاہیر ص۹۲ ج۲)

مولانا محمد ابراہیم فانی ؒ اردو کے نامور، کہنہ مشق اور قادرالکلام شاعر تھے، آپ کی شاعری فصاحت وبلاغت، لطافت ونفاست، سادگی وشستگی، اور روانی وبے ساختگی سے بھرپور ہے جس کی طرف انہوں نے خودنشان دہی کی ہے......

ہوں مرید میر و غالب شعر میں
پھر بھی لیکن رنگ فانی اور ہے

آپ کی شاعری میں اساتذہ کا رنگ وآہنگ اور طرز واسلوب نمایاں ہے۔آپ نے نظم کی جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی اس میں فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

آپ کوعربی، فارسی، اردو، پشتو کے اشعار کاایک بڑاذخیرہ یادتھا۔جن کا استعمال اکثر اوقات اپنی گفتگواور تحریر میں بڑے خوبصورت انداز سے کرتے تھے۔اپنی شاعری کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔

''۸۳ء میں طبیعت اردو شاعری کی طرف مائل ہوگئی اور پھر اردو میں طبع آزمائی شروع کی۔ چنانچہ ماہنامہ''الحق'' اکوڑہ خٹک، ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، خدام الدین، لاہور، ترجمان اسلام، لاہور، بینات، کراچی، النصیحہ، چارسدہ اور دیگر اخبارات ورسائل میں راقم کی نظمیں اورغزلیں شائع ہوتی رہیں ۔عمومی طور پران نظموں اورغزلیات کو پزیرائی حاصل ہوئی۔ علاوہ ازیں عربی شاعری میں بھی مشق جاری رہی۔ چنانچہ بندہ کا عربی مرثیہ جوکہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس سرہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سانحہ ارتحال پر لکھا گیا تھا۔وہ جب ماہنامہ ''الحق'' میں چھپا تو ''الحق'' ہی سے وہ مرثیہ دیوبند کے عربی ماہنامہ ''الثقافہ'' میں شائع ہوا۔'' (نالۂ زار،ص۱۷)

ممتاز شاعر جناب پروفیسر محسن احسان صاحب، فانؔی مرحوم کی شاعری کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

''پشتو زبان وادب سے شغف اور پشتون معاشرے میں آنکھ کھولنا اوراس میں سانس لینے کے باوجود ابراہیم فانؔی کی اردوزبان وادب سے اتنی دلچسپی قابل تحسین ہے آپ ان کی موتیوں جیسے سچے اور کھرے جذبات واحساسات کو دیکھئے تو آپ کو یقین ہوجائے گا کہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی بات کس طرح دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔شوق اگر سچا اور جذبہ نیک ہوتو انسان کسی نہ کسی صورت منزل تک رسائی کرہی لیتا ہے۔ فانؔی صاحب کے جذبوں کی پاکیزگی اوراحساسات کی نفاست یقیناً انہیں اس سفر

شوق میں رواں دواں رکھے گی اور وہ ایک نہ ایک دن منزل تک پہنچ جائیں گے'' (نالۂ زار، ص ۲۳)

مشہور ڈرامہ نویس، افسانہ نگار، مؤرخ، ادیب، نقاد اور شاعر جناب پروفیسر محمد افضل رضا صاحب، فانی مرحوم کی شاعری کے متعلق اپنا تجزیہ یوں پیش کرتے ہیں۔

''پشتو فانی کا مجموعہ اردو زبان میں متعلق کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محمد ابراہیم فانی (جن کی مادری زبان پشتو ہے) جہاں فارسی، عربی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں، وہاں اردو میں بھی وہ نہایت روانی اور آسانی سے شگفتہ انداز میں وارداتِ قلبی اور معاملاتِ حسن وعشق، احساسِ محرومی، غم جاناں اور غم دوراں کو سپرد قلم کرسکتے ہیں آپ کی نظموں میں غزلوں میں جو بیساختہ پن اور روانی ہے وہ دوسرے پشتون شعراء کی اردو شاعری میں شاید آپ کو کم ہی ملے، فانی اپنے دل کی بات دوسروں کے دلوں تک پہنچانے کا فن جانتے ہیں'' (نالہ زار، ص ۳۰)

چندسال قبل شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، جامعہ تحسین القرآن نوشہرہ تشریف لائے تھے۔علماء وطلباء کے اجتماع سے خطاب کرنے کے بعد شیخ الاسلام اور دیگر تمام اکابر علماء ہمارے گھر تشریف لائے، وہاں قلم وکتاب اور شعر وشاعری کا ذکر چھڑ گیا، حاضرین بالخصوص مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کی پرزور اصرار پر شیخ الاسلام نے اپنا شاعرانہ کلام سنایا اور خوب داد سمیٹی، اس کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زیدہ مجدہ نے شیخ الاسلام کے سامنے مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کا تعارف کیا اور پھر انہیں حکم دیا کہ اپنی کوئی غزل سناؤ۔ چنانچہ فانؔی مرحوم نے اپنی وہ غزل سنائی جس کا مطلع یہ ہے۔

بدلیں گے انداز تیرے یہ کبھی سوچا نہ تھا
دل نے اے جانِ تمنا یہ ستم دیکھا نہ تھا

حاضرین ہر ایک شعر پر جھومتے اور بے اختیار داد دیتے رہے۔ جب غزل ختم ہوئی تو مفتی عثمانی صاحب مدظلہ نے فرمایا: ''ماشاء اللہ! بڑی پختہ شاعری ہے'' حضرت کا یہ جملہ فانؔی صاحب کی شاعری کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

''فانی'' تخلص کے متعلق خود رقم طراز ہیں۔

''لندن سے ایک پشتو ادیبہ نے مجھے فون کیا اور یہ بات کہہ رہی تھیں کہ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ آپ کو فانی کہوں اور پھر یہ کہ ہر شخص فانی ہے تو یہ تخصیص آپ نے اپنے ساتھ کیوں کی ہے؟ تو میں نے ان سے کہا کہ: ''کُلّ مَنْ عَلَیھَا فَانٍ'' انہوں نے کہا تو اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا کہ یہ اسی حدیث کا مفہوم ہے کہ ''مُوْتُوْ اقَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' اور یہ مرزا غالب کے شعر کے حوالے سے ہے غالباً

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

اور پشتو میں ہمارے رحمان بابا فرماتے ہیں: چه دهجران هسے سختی لری رحمانه
لا پخوا تر هغے دمه ولی نه مرم ("الحق"، ج۴۹، ش۴،۵، ص۳۹)

یہاں پر ایک لطیفہ عرض کرتا چلوں، فانؔی مرحوم نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ میں ہمیشہ اپنے سرہانے پر قلم وقرطاس ضرور رکھتا ہوں، ایک مرتبہ اہلیہ نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ رات کے کسی بھی وقت اشعار کا "ورود" ہوسکتا ہے، اگر فوراً انہیں قلم بند نہ کرلوں تو ذہن سے محو ہوجاتے ہیں۔

آخر میں حضرت فانی کے کلام سے اپنے پسندیدہ اشعار نقل کررہا ہوں جو نہ صرف قارئین کے ذوق کی تسکین کریں گے بلکہ ان کے مطالعہ سے شاعری میں فانؔی مرحوم کے مقام کا اندازہ بھی ہوجائے گا۔

جمیل و نازنین تم ہو حسینوں کے حسیں تم ہو
اجالے جس سے پھوٹے ہیں وہ مہتاب جبیں تم ہو

....

طعنہ ہائے گمر ہی ہم سہ رہے تھے رات دن
رہ پر جب آگئے تو رہنما کوئی نہ تھا

....

ان کے ہاں فانؔی ذرا دیکھو بھی اپنا اعتبار
آہ کھینچی ہے کسی نے، تجھ پہ ہی الزام ہے

....

زاہدا تم نے چکھا ہے زہد و طاعت کا مزا
لذت جرمِ محبت ہم گنہ گاروں سے پوچھ

....

ہرکوئی کہتا ہے وہ معصوم صورت دیکھ کر
یہ فرشتہ ہے کوئی یہ شکل انسانی نہیں

....

اپنی قسمت سے گلہ تھا ان سے کچھ شکوہ نہ تھا
اس حسیں پیکر نے میرے عشق کو سمجھا نہ تھا

....

جناب حمد اللہ یوسفزئی *

تخلیق کار، ادیب و شاعر

26 فروری کو حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی اس فانی دنیا سے رحلت کر گئے بلاشبہ آپ عصر حاضر کے ایک جید عالم، مستند مدرس، مورخ، سوانح نگار، مرثیہ نگار اور ایک کہنہ مشق شاعر اور ادیب تھے اس پر مستزاد آپ ایک جی دار، مخلص، مرنجان مرنج، محفل آراء اور درد دل رکھنے والے انسان تھے۔ آپ کے والد صاحب مولانا عبدالحلیمؒ اپنے وقت کے مشہور و معروف عالم اور صوفی بزرگ تھے دارالعلوم حقانیہ میں کئی سال تک صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں' آپ کے والد آپ کو لڑکپن میں دارالعلوم حقانیہ لے آئے۔ اور آپ یہی کے ہو کر رہے۔ یہاں مروجہ علوم حاصل کئے اور یہاں سے مدرس کی حیثیت سے اپنی علمی زندگی کا آغاز کیا، تین عشروں سے زیادہ عرصے تک آپ درس و تدریس سے منسلک رہے۔ آپ نے ایک مدرس کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں انتہائی احسن طریقے سے نبھالیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ آپ سے نسبت تلمذ پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

تصنیف و تالیف: بحیثیت مصنف، مؤلف، اور مضمون نگار یقیناً آپ نے اس خطے میں صدیوں سے رقم و تحریر میں موجود کمی کو پوری کرنے میں اپنا مقدور بھر حصہ ڈالا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف اور مؤلف تھے۔ آپ جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کا پورا پورا حق ادا کرتے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف کے شعبے میں اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے۔ تو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا الفاظ آپ کے مطیع ہیں خود بخود آپ کی جھولی میں آ گر رہے ہیں اور آپ ان الفاظ کو اپنی تحریر میں موتیوں کی طرح جڑ رہے ہیں آپ کی علمی تصانیف میں دروس الکافیہ، العیون الصافیہ اور افادات حلیم شامل ہیں۔ سوانح نگاری میں حیات صدر المدرسین، حیات شیخ القرآن قابل ذکر ہیں، اردو شاعری میں نالۂ زار، داغہائے فراق اور پشتو شاعری میں "ازغی دتمنا، ویرژن تصورات، بے شانه غم، شاهین د تخیل، بیا دردونه په خندا دی، دنیا دَ احساساتو، سو گیلے مے زڑگے غواڑی" شامل ہیں۔

شاعری: آپ ایک کہنہ مشق شاعر تھے چونکہ آپ ایک حساس اور درد دل رکھنے والے انسان تھے اسلئے

---

* شاہ منصور، صوابی

مسلمانوں کے موجودہ دور میں زبوں حالی ،سماجی ناانصافی ،معاشرہ میں بے راہ روی اور بگاڑ ،خاندانی نظام کی تنزلی ،اقربا پروری اور دیگر مضرات کو نہ صرف اپنا دل بینا سے محسوس کرتے ، بلکہ اس کا رونا بھی روتے ، یہی وجہ ہے کہ آپ کی شاعری میں جہاں بحیثیت ایک عالم خوف خدا کا درس ،عشق رسول سے سرشاری ،دین کی رسی سے مضبوط بندھن ، اسلاف کے نقش قدم پر چلنا اور مکمل اسلامی تعلیمات سے اپنے آپ کو متصف کرنا شامل ہیں تو وہاں اس دور پرفتن میں زندگی گزارنے اور اس میں موجود ناہمواریوں کو محسوس کرنا اور خود اپنی زندگی کے نشیب وفراز اور ابتلاء ہائے کی وجہ سے آپ کی شاعری میں دردوالم اور دنیا کی بے ثباتی کی جھلک نمایاں ہے۔ بلکہ بسا اوقات تو آپ کی شاعری پر ایسا گمان پڑتا ہے کہ آپ کی شاعری کا مرکزی موضوع ہی دردوالم ہے۔

سوانح نگاری: مولانا مرحوم سوانح نگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔آپ نے بہت سے نابعہ روزگار شخصیات کی حیات اور کارہائے نمایاں پر بہت سے مضامین تحریر کئے ہیں ۔جو مختلف رسائل اور جرائد میں بکھرے پڑے ہیں ، سوانح نگاری میں ''حیات صدرالمدرسین'' اور''حیات شیخ القرآن'' آپ کی حیات میں منظر عام پر آچکی تھیں ۔حیات صدرالمدرسین میں آپ نے اپنے والد مولانا عبدالحلیمؒ کی زندگی، دینی خدمات ،ان کے اساتذہ تلامذہ کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اسی طرح حیات شیخ القرآن میں اپنے استاد حضرت مولانا عبدالہادی المعروف شاہ منصور باباجی کی 60 سالہ دینی خدمات کو پیش کیا ہے آپ نے 1976 میں شاہ منصور میں آپ سے دورہ تفسیر پڑھا تھا اور ان دنوں علم میراث میں حضرت مولانا شیخ شمس الہادیؒ سے استفادہ کیا تھا

مرثیہ نگاری: بلاشبہ آپ خیبر پختونخوا کے عظیم اور منفرد مرثیہ نگار تھے مرثیہ نگاری میں شاید اس خطے میں کوئی آپ کا ہم پلہ ہو،آپ نے اپنے دور کے اکثر علماء ،مشاہیر اور اساتذہ کرام پر مرثیے لکھے ہیں ،آپ جب کسی مرحوم پر قلم اٹھاتے تو مرحوم اور اس کے کارہائے نمایاں کو مجسم انداز میں قاری کے سامنے پیش کرتے اور جب مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے اور اس کی رحلت پر ماتم کناں ہوتے تو قاری کو رلانے پر مجبور کرتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مرثیہ نگاری کو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرونی ملک میں وہ پذیرائی اور شہرت حاصل ہے جو کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ بلامبالغہ آپ انیس اور مرزا،دبیر کے پائے کے مرثیہ نگار تھے۔آپکے مرثیے وقتاً فوقتاً مختلف رسائل جرائد اور اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں ۔مولانا مرحوم کے غیر مطبوعہ مضامین اور مرثیے اکٹھے کرنا اور کتابی صورت میں شامل کرنا ضروری امر ہے تاکہ اس طرح یہ محفوظ و مامون بن سکے۔اور آئندہ نسلیں اس سے بہرور ہوسکیں ۔

مورخ: حضرت مولانا مرحوم نے صرف اپنے آبائی ضلع صوابی اور خیبر پختونخوا اور پختونو کی تاریخ سے حددرجہ واقفیت رکھتے تھے بلکہ آپ قدیم تہذیبوں اور مذاہب کی تاریخ سے بھی پوری طرح آشنا تھے۔اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک تمام اسلامی تحریکوں اور بالخصوص برصغیر کے علماء ومشائخ اور صوفیانہ کام کی تاریخ تو گویا ازبر تھی۔

دینی مدارس کی تاریخ اور روزمرہ معلومات سے باخبر رہے۔سیاسی تحریکوں سے بھی شناسا تھے آپ کو پشتو،عربی، فارسی اور اردو شاعری اور ادب کی تاریخ پر بھی کافی عبور حاصل تھا۔اس لئے جب آپ کسی مجلس میں تاریخ پر بولتے تو سامعین کی خواہش ہوتی کہ آپ بولتے رہے اور ہم سنتے رہے۔

خطابت: حضرت مولانا ابراہیم فانی ؒ خطابت کے بے تاج بادشاہ تھے فن خطابت میں یدطولیٰ رکھتے۔آپ کا انداز بیان انتہائی دلکش جامع اور پراثر ہوا کرتا۔اپنی شیریں زبانی سے تقریر کے حسن کو دوبالا کرتے۔آپ ایک بلند پایہ عالم،مصنف ادیب،شاعر اور محسوس کرنے والے انسان تھے۔اس لئے اپنی تقریر کو ادیبانہ واقعات،اشعار اور لطائف سے مزین کرتے۔آپ کسی بھی موضوع پر جب بولنے کے لئے اٹھتے تو ایسے دلکش،فصیح،وبلیغ اور میٹھے انداز میں تقریر کرتے کہ ایک ایک بات کو سامعین کے ذہن میں بٹھاتے۔آپ کی تقریر میں سامعین بوریت کا شکار نہیں ہوتے۔بلکہ سامعین مزید سننے کی خواہش رکھتے۔تقریر میں جہاں دلائل کی ضرورت محسوس ہوتی آپ قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ سے دلائل کے انبار لگاتے۔غرض یہ کہ فن تقریر کی باریکیوں سے خوب واقف تھے۔

بے شک آپ ایک متحرک،فعال،جی دار اور عملی جدوجہد سے سرشار انسان تھے آپ کی ساری زندگی علوم نبوی کی آبیاری کرتے ہوئے گزری۔آپ نے کبھی دنیاوی اختر بختر کو اہمیت نہ دی۔گو کہ آپ دنیا زندگی میں ہمیشہ تہی دامن رہے لیکن آپ نے کبھی دنیاوی تہہ دامنی کو دینی مال ومتاع پر غالب نہیں آنے دیا۔بلکہ آپ ہمیشہ دینی مال ومتاع کو سینے سے لگا کر صبر ورضا اور شکر کے پیکر بنے رہے۔حرف شکایت کبھی زبان پر نہیں لائی اور راہِ استقلال میں نمونہ اسلاف بنے رہے اور خودی خودداری اور فقر میں ہمیشہ اکابرین کی راہ پر گامزن رہے جب کسی محفل میں وارد ہوتے تو جلد ہی اپنی شیریں زبانی،کی بدولت میر محفل بن جاتے۔آبائی مٹی سے محبت اور عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اپنے والد محترم پر لکھی گئی کتاب ''حیات صدرالمدرسین'' میں ''زروبی'' کے عنوان سے شامل نظم سے ملتا ہے۔جس میں آپ نے اپنے جنم بھومی کے ذرے ذرے کو والہانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کی ہے آپ سے اساتذہ سے عشق کرنے والے انسان تھے۔جب راقم اور مولانا اعزازالحق صاحب ''تذکرہ حضرات شیخین'' کی تدوین کے سلسلے میں دارالعلوم حقانیہ جاتے تو کمزوری اور بیماری کے باوجود عزیزم بابر حنیف کے دفتر میں ہماری آمد سے پہلے موجود ہوتے اور ہماری رہنمائی فرماتے۔

آج حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی بظاہر فانی تخلص ہم سے بچھڑ گئے لیکن وہ اپنے کارہائے نمایاں کی بدولت ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے۔بقول معروف نقاد اور ادیب نورالامین یوسفزئی کہ تخلیق کار کبھی نہیں مرتا وہ اپنے فن پاروں کی وجہ سے ہمیشہ زندہ ہوتا ہے

☆ ☆ ☆

مولوی رحمت اللہ متقی *

ایک جانباز مدبّر سے ہوا خالی جہاں

آج ہر آنکھ میں آنسو ہیں شراروں کی طرح
کیا صدمہ ہے کہ ہر روح مغموم ہوئی
ایک جانباز مدبّر سے ہوا خالی جہاں
پھر سے دنیا کسی انسان سے محروم ہوئی

موتُ العالِم، موتُ العالَم!

فانؔی صاحب کی دل نشین عظمت، آپ کی جلالتِ شان، آپ کے پُرکشش اخلاق، آپ کی بے ریا للّٰہیت، آپ کی فنائیت فی اللہ کے عظیم مظاہر، آنکھوں کے سامنے اپنی پوری رعنائی اور آب و تاب کے ساتھ گھوم رہے تھے۔ ہم طالب علم لوگ، جس روحانیت کے پیکر اور تروتازہ شجرِ سایہ دار کی پُرسکون چھاؤں میں بیٹھ کر دنیا کی تمام تھکاوٹیں اور پریشانیاں بھول جاتے تھے اور دل اتنا خوش ہو جاتا تھا، جیسے ہمیں دنیا کی سب سے بڑی خوشی مل گئی ہو... آج وہ شجر رہا اور نہ ہی اس شجر کا سایہ ہی کہیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہم، جن کی قرآن و حدیث کی پُرکیف لذت سے لبریز مترنم آواز پر ہمہ تن گوش ہو جایا کرتے تھے، آج وہ مسرور کن زمزمے ہم سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ وہ آواز اب ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی ہے۔ حضرت استاذ نور اللہ مرقدہ ان شخصیات میں سے تھے، جنہوں نے اپنی ساری زندگی دین مبین کے لیے وقف کر دی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جتنی عظیم صلاحتیں ودیعت فرما رکھی تھیں، انہوں نے وہ اللہ ہی کے راستے میں ایسے زبردست طریقے سے استعمال کیں ہیں کہ اس طرزِ حیات کو دیکھ کر بے ساختہ رشک سا آتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے اللہ کی رضا کے واسطے دنیا کو چھوڑ رکھا تھا، اسی لیے میرا وجدان کہتا ہے: ان کی پُرسکون حیاتِ مستعار کا یہ ایک بہت بڑا راز تھا کہ خدا ہر تقدیر سے پہلے اُن سے پوچھا کرتا تھا...''اے میرے بندے! بتا تیری رضا کیا ہے؟؟؟''

* شریک دورہ حدیث، دارالعلوم حقانیہ rehmatkhan_313@yahoo.com

حضرت صدر صاحب نے اپنے خونی بیٹے اور مستقبل کے ہمارے روحانی استاذ مولانا 'محمد ابراہیم صاحب' کو اپنے فنا فی اللہ کے رنگ میں رنگ دینے والی اور 'اسوۂ حسنہ' کہلائے جانے کے لائق ایسی قابلِ تقلید پرورش کی کہ: الحمدللہ! فانؔی صاحب کی موجودگی میں صدر صاحب کی کمی محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ جب سے فانؔی صاحب نے دارالعلوم حقانیہ میں حفظِ قرآن کریم اور ابتدائی درسی اسباق کے لیے داخلہ لیا، تب سے ہی وہ حقانیہ کے ہوکر رہ گئے تھے۔ چناں چہ استاذ جی نے تمام اسباق دارالعلوم حقانیہ ہی میں پڑھے ہیں۔ مروّجہ تعلیمی نظام سے فراغت کے اگلے ہی سال دارالعلوم حقانیہ میں بہ طور مدرس مقرر ہوگئے اور تاحیات جامعہ ہذا میں درس وتدریس کا سلسلہ بلاناغہ جاری رکھا۔ استاذ جی اپنے مزاج کے مطابق بذاتِ خود پڑھنے اور پڑھانے کا بہت شوق اپنے دل کے نہاں خانوں میں رکھتے تھے۔ اپنے آخری ایامِ حیات میں بسترِ مرگ پر لیٹے ہوئے جب علمی شوق نے تڑپایا اور تعلیمی دُھن نے ستایا، تو علم وعمل کے پاکیزہ جذبات کی رَو میں بہتے ہوئے قسم کھا کر بندہ سے اپنی غالب خواہش کا تذکرہ فرمانے لگے کہ: ''ارے رحمت خان! اگر میں خدائے ذوالجلال سے صحتِ عاجلہ وکاملہ کی دعا مانگتا ہوں، تو صرف اس لیے کہ میں درس گاہ تک جا کر مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سبق پڑھاؤں۔ بس! یہ میرے لیے بہت بڑی غنیمت ہے۔''

ہم طلباء اِس بات کو تمام سکہ رائج الوقت موضوعات پر استاذ جی کی وسیع دست رس ہی کہتے ہیں کہ طلباء اکثر آپ رحمہ اللہ سے مختلف موضوعات پر جان دار اور قولِ فیصل کی حیثیت کا حامل کلام فرمانے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ چناں چہ امسال بھی جب علم کی شدید لگن رکھنے والے طلباء نے قادیانیوں کے حوالے سے بہتر سے بہتر مدلل علم کے حصول کے لیے استاذ جی رحمہ اللہ سے اپنی تمنائے علم کا اظہار کیا، تو ہمارے ممدوح استاذ صاحب رحمہ اللہ کی رواں زبان سے علم کا ایک آبشار بہنے لگ گیا۔ میں اپنے ذاتی حوالے سے یہ کہنا چاہوں گا کہ اُس دن دورۂ حدیث کی درس گاہ میں ایک عجیب ساماں بند گیا تھا۔ نصف گھنٹے کے مختصر سے دورانیے میں استاذ جی نے اسلام و پاکستان کے پیدائشی دشمن قادیانیوں کی مذموم ریشہ دوانیوں کی خوف ناک حقیقت کچھ اس انداز میں واضح فرمائی کہ آج تک قادیانی پروپیگنڈے کو کثیر مطالعے کے باوجود نہیں سمجھ پایا تھا۔

استاذ جی نے جہاں تدریسی خدمات بھرپور طریقے سے انجام دی ہیں، وہاں استاذ محترم ایک زبردست مصنف بھی تھے۔ اردو، پشتو اور فارسی میں آپ رحمہ اللہ نے مختلف موضوعات پر بے حد قیمتی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ رحمہ اللہ عوام وخواص میں بہ حیثیت ایک قابلِ قدر اور معاشرے کی نبض شناس مصنف کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ استاذ جی کی 13 تصانیف اور تالیفات اب تک موجود ہیں اور کئی گراں مرتبت کتب پر ابھی کام جاری ہے۔

استاذ جی فانؔی صاحب رحمہ اللہ کو شعر وشاعری سے بہت دل چسپی تھی۔ چناں چہ استاذ جی کی اکثر کتابیں فی البدیہہ اور بے ساختہ انقلابی، خیال انگیز اور فکر خیز شعر وشاعری ہی کی ہیں۔ شعر وادب سے خصوصی لگاؤ بھی استاذ جی

کے صاف ستھرے مزاج کا ایک انوکھا و دل فریب حصہ تھا۔استاذ جی شعراء کے حلقے میں،موت کے بعد والی زندگی کی طرف 'خاموش اشارے' کی حیثیت رکھنے والے شعری نام ''فانیؔ'' کے تخلص سے جانے جاتے تھے۔آپ زمانۂ طالب علمی ہی سے اردو،عربی،پشتو اور فارسی زبان میں اپنا اظہارِ مافی الضمیر اشعار کی صورت فرمایا کرتے تھے۔کوئی بھی شخص آپ کے زرخیز دماغ کی سوہنی دھرتی میں جنم لینے والے درخشاں اشعار پڑھ کر ہی اندازہ کرسکتا ہے کہ ان میں کتنی سلاست،روانگی اور پُر کیف معنویت پائی جاتی ہے۔آپ رحمہ اللہ کے شاہکار مضامین اور دل دار،اشعار مختلف زبانوں میں زمانۂ طالبعلمی ہی سے اب تک اندرون و بیرون ملک کے مؤقر اخبارات و جرائد کے وقار،مرتبے اور زینت میں اضافے کا سبب بنتے چلے آرہے ہیں۔چار زبانوں میں نہ صرف عبور رکھنا،بلکہ دنیائے شعروسخن کی زمین میں اپنا باذوق شعری گھوڑا سرپٹ دوڑانا،استاذ جی فانیؔ صاحب رحمہ اللہ ہی کی وہ خصوصیت تھی،جو انہیں اللہ رب العزت کی طرف بہ طور عطیہ عنایت فرمائی گئی تھی۔شاعری میں استاذ جی کی پسندیدہ شخصیات:اردو و فارسی کے علامہ اقبال اور پشتو کے رحمان بابا تھیں۔وہ اپنے آپ کو رحمان بابا اور علامہ محمد اقبال کا روحانی بیٹا باور کیا کرتے تھے۔

رحمان بابا اور علامہ اقبال رَحِمَہُمَا اللّٰہُ کے سیکڑوں اشعار آپ کی نوکِ زباں پر ہر دم مچلتے رہتے تھے۔ چناں چہ جب بھی ان کا تذکرہ ہوتا،تو استاذ جی اپنے مخصوص طرزِ سخن میں ان کی مدح...ایسی شخصیات کے رُوپ میں فرمایا کرتے تھے،جو اپنے فن میں کمال رکھنے کے باوصف اپنے چاہنے والوں کے دلوں پر حکمرانی کیا کرتی ہیں۔

استاذ جی نور اللہ مرقدہ تاریخ سے بھی بہت دل چسپی رکھتے تھے۔آپ ایک بہت ہی اچھے تاریخ دان بھی تھے۔یہی وجہ رہی ہے کہ استاذ جی کے اشعار کا کثیر حصہ...ہماری تاریخ پر مشتمل ہے۔آپ کو اپنے اکابرین سے دلی وابستگی اور محبت...والہانہ عشق کی حد تک تھا۔استاذ جی کی بے تکلف مجلس میں اکابر دیوبند کا بھی بہت تذکرہ رہتا تھا اور نادر و نایاب معلومات کا ایک وسیع دریا بہتا رہتا تھا۔اردو،عربی،فارسی اور پشتو زبان میں دیوبند اور اکابر دیوبند پر استاذ جی نے بہت زیادہ نظمیں،اشعار اور مرثیے کہہ رکھے ہیں۔

فانیؔ صاحب کے شاگرد اور خادمِ خاص برادرم مفتی شوکت علی حقانی صاحب،جو اکثر سفر میں استاذ جی کے ہم راہ رہا کرتے تھے،تذکرہ فرماتے ہیں کہ:''استاذ جی بار بار یہ ارادہ فرماتے اور ان کی دیرینہ تمنا تھی کہ دنیا بالخصوص ہندوستان اور پاکستان میں جہاں جہاں اکابر مدفون ہیں...ان کی قبروں پر حاضری دوں گا۔''

استاذ جی نے اپنی پُر نور حیاتِ مستعار میں اگرچہ ایک بار حج کیا تھا،مگر خانۂ خدا کی زیارت کا شوق اور اُلفتِ مصطفیٰ کی تمازت کا سرور،اُن کے سینۂ مبارک میں پنہاں ہونے کی وجہ سے وہ بار بار سرزمینِ حجاز جانا اپنے لیے دنیا و مافیہا کی انمول نعمتوں سے بھی زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔یقیناً یہ فانیؔ صاحب کے عشقِ رسول کی وہ موجیں ہیں، جو اُچھل اچھل کر ساحلِ مدینہ کو بوسہ دینے کے لیے بے تاب اور مضطرب رہتی تھیں۔آپ نے اِسی محبت و چاہت

کے چمنِ پُر بہار میں بیٹھ کر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں سیکڑوں نعتیں لکھیں ہیں۔ہسپتال میں استاذ جی نے مجھے بتایا کہ: ''میں آپ کو تحدیث بالنعمت کے طور پر بتاتا ہوں کہ میں نے گزشتہ رمضان المبارک کی پاک ساعتوں میں 360000 بار درود شریف کا ورد کیا ہے۔اور اب بیماری کے دوران بھی اطمینانِ نفس کی خاطر ... وردِ زباں، درود پاک ہی کو بنا رکھا ہے۔اس بستر پر لیٹ کر اب تک میں نے 10000 مرتبہ درود شریف پڑھا ہے۔'' استاذ جی کا سفرِ حج صبح کے وقت میں بالکل اچانک ہوا تھا۔استاذ جی رحمہ اللہ... وہ رُودادِ مہر و وفا بار بار بیان فرماتے اور پرنم آنکھوں سے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کا قصہ سنایا کرتے تھے۔جب استاذ جی کو ان کے آبائی گاؤں 'زروبی' میں سپردِ خاک کر کے حقانیہ واپسی پر مَیں اور مفتی شوکت علی حقانی صاحب استاذِ حدیث جامعہ دارالعلوم حقانیہ مفتی سیف اللہ صاحب سے ملنے گئے، تو انہوں نے بڑے پُرسوز لہجے میں گویا ایک اندوہ ناک واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے گویا خبردار کیا کہ: ''آپ لوگوں کو کچھ اس کی خبر بھی ہے کہ آپ صرف ایک انسان کو نہیں ... بلکہ ایک استاذ، ایک شیخ الحدیث، ایک مؤرخ، ایک شاعر، ایک ادیب، ایک مجاہد اور ایک سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منوں مٹی تلے پنہاں کر آئے ہو۔آہ! ایک عظیم ہستی دنیا سے اوجھل کر دی گئی ہے!!!'' میں سمجھتا ہوں کہ فاؔنی صاحب کے عشقِ مصطفیٰ کی ایک ننھی سی جھلک دیکھنے کے لیے اُن ہی کے اشعار کا ایک مختصر سا حصہ ملاحظہ کرنا چاہیے۔لیجیے...

جمیل و نازنیں تم ہو، حسینوں کے حسیں تم ہو | اُجالے جس سے پھُوٹے ہیں، وہ مہ تابِ مبیں تم ہو
گنہ گاروں کا ہوگا آسرا، جو روزِ محشر میں | وہ ختم المرسلیں تم ہو، شفیع المذنبیں تم ہو
تمہی پہ ناز ہے ساری خدائی کو حضورِ ما | سراپا رحمتِ کون و مکاں، اے مہ جبیں تم ہو
ہوئے رشکِ عدن جس سے، حجاز و نجد کے ذرّے | وہ حسنِ سَرمدی تم ہو، وہ نورِ اوّلیں تم ہو
خدا نے دیا ہے معجزہ آیاتِ قرآن کا | شبِ معراج میں وہ مُحرمِ اسرارِ دیں تم ہو
صفا کی جلوتوں میں زمزمے توحید کے گونجے | حرا کی خاموشی میں واہ! وہ خلوت نشیں تم ہو
زبانِ فاؔنی عاجز ہے، تیری مدح سے قاصر | خدا کے بعد بس اِک رحمۃ اللعالمیں تم ہو

استاذ جی کا یہی وہ عشق اور خصوصیات تھیں، جن کی وجہ سے تمام طلباء اور اساتذہ فاؔنی صاحب کا تہہ دل سے بے حد احترام کرتے تھے۔جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ فاؔنی صاحب 'کتاب خواں' ہونے کے ساتھ ساتھ ایک 'صاحبِ کتاب' بھی تھے، اسی طرح آپ کے ایمانی بحر کی موجوں میں ایک اضطراب بھی تھا۔اسی اضطراب کی بدولت وہ ایک مجاہدانہ مزاج کے حامل انسان بھی تھے۔جہاد اور مجاہدین سے ٹوٹ کر محبت کرنا ان کی گُھٹی میں پڑا ہوا تھا۔استاذ جی کے سعادت مند شاگردوں میں بہت سارے مجاہدین بھی ہیں، جو اکثر آپ کی مجلس میں حاضر

ہوتے اور مفید مشورے لیتے تھے۔ امت مسلمہ کے تمام مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام کے ذاتی انداز جہاں بانیاور نظام اقتصادیعنی جس خلافتِ راشدہ میں پنہاں ہے...اُسی کی ایک سنہری کڑی ''امارتِ اسلامیہ افغانستان'' کے روشن دنوں میں استاذ جی نے افغانستان کا سفر اور مجاہدین کے محاذوں کا با قاعدہ دورہ کیا اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد حفظہ اللہ سے شرفِ ملاقات بھی حاصل فرمایا تھا۔ نامور کمانڈر امیر المجاہدین مولانا جلال الدین حقانی صاحب مدظلہ العالیہ، فانی صاحب کے بلند رتبہ استاذ تھے۔ آپ اکثر ان کا تذکرہ فرماتے اور ہر درس کے بعد اور دیگر مواقع پر بھی مجاہدینِ فی سبیل اللہ کے لیے خصوصی دعا فرمایا کرتے تھے۔ استاذ جی کو جب کبھی بھی مجاہدین کی فتح یا کسی کامیاب حملے کی خبر ملتی، تو خوشی سے نہال ہو جاتے اور ہمیں دعائیں دینے کے ساتھ اپنی تمنائے دل کا اظہار فرماتے کہ: ''جب بھی کوئی ایسی بات ہو، تو مجھے ضرور بتایا کرو۔'' آپ ہسپتال میں بیماری کے دوران بھی مجاہدین کے احوال پوچھتے رہے اور ان کی کامیابی کے لیے اپنے مجیب الدعوات ربِ کائنات کے حضور دعائیں مانگتے تھے۔ گویا ان کا حال یہ تھا...

ہوتا ہے اثر، اُن کی دعاؤں میں یقیناً   غازی کی دعا لو اور کبھی غازی کو دعا دو

آپ لیلائے شہادت کے حصول کی بھی بہت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ استاذ جی ایک دفعہ ہسپتال میں بہت زیادہ روئے۔ جب ہم نے وجہ پوچھی، تو آپ نے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں شوقِ شہادت کی دبی چنگاری سے پیدا ہونے والا داغِ جگر دکھاتے ہوئے فرمایا: کہ ''کاش! اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرمادے۔''

استاذ جی کی ذاتی زندگی:

استاذ جی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا رہتے ہوئے فقیرانہ طرزِ حیات کے قائل تھے۔ آپ دارالعلوم کی طرف سے دیے گئے ایک چھوٹے سے مکان میں رہائش پذیر تھے اور جامعہ کی طرف سے دیے جانے والے مختصر سے ''حق الزحمۃ'' پر گزارا کرتے تھے۔ سادہ مزاجی اور بے تکلفی استاذ جی کے قلندرانہ مزاج کی وہ خصوصیات تھیں، جنھوں نے آپ کو اس بات پر ڈٹے رہنے پر بہت معاونت فراہم کی کہ 'دنیا سے خوشی ایک بھی لمحہ کا نہیں مانگنا چاہیے۔ کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ یہ وہ قرض ہوتا ہے، جسے اتارنے میں آدمی کی ایک عمر صرف ہو جایا کرتی ہے۔' گھر کے اندر ایک چھوٹی سی اور سادہ سی بیٹھک تھی، جو استاذ جی کا دارالمطالعہ بھی تھی۔ آپ کی عظیم ہستی اسی بیٹھک میں بیٹھ کر 'رشتۂ کتاب وقلم' میں مگن رہتی تھی۔ اور بلا شبہ یہ دو شعر آپ کی اس 'قلمی رشتہ داری' کے بلند مقصد کو عیاں کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے...

قلم کی دھار سے شمشیر اور خنجر بناتا ہوں   میں کاغذ کی سیاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں

میرے افکار میں ہر خواب کی تعبیر ہے   میں اِن افکار سے حالات بہتر بناتا ہوں

گھریلو اقتصادی مشکلات کے باوجود ہم نے کبھی استاذ جی سے دینوی بات سنی اور نہ ہی کبھی ان کے

چہرے پر اس کے آثار نمایاں ہوئے ہیں۔ پھر بھی کچھ نہ ہونے کے باوجود نصرتِ خداوندی ہی کے بھروسے پر آپ غریب طلباء سے حتی المقدور مالی تعاون فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹے عنایت فرما رکھے تھے۔ آپ نے دونوں کو علمِ دین سیکھنے میں لگا دیا تھا۔ استاذ جی کی مجلس میں بہت بڑے بڑے لوگ آتے تھے اور آپ کے بہت زیادہ سیاسی تعلقات تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی بھی اُن سے کوئی دینوی یا سیاسی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ وہ درحقیقت دنیا میں 'كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ' کے حقیقی مصداق تھے۔

رحلت:

آپ گردوں کی شدید بیماری کے باعث ایک مہینہ 'حیات آباد کمپلیکس پشاور' میں زیر علاج رہے، لیکن وقتِ اجل کے آ پہنچنے کی وجہ سے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** یقیناً ایسی ہی بزرگ ہستیوں کے بارے میں کسی مقام شناس شاعر نے کہہ رکھا ہے...

اگر یہ مانتے ہو موتِ عالم، موتِ عالَم ہے
تو موتِ مرشدِ کامل کا بولو، نام کیا ہو گا؟

☆ ☆ ☆

وہ بچھڑا تو اٹھا دنیائے دل سے
خیالِ زندگانی کا جنازہ
یہ دیکھو بھی ذرا بردوش تقدیر
محبت کی جوانی کا جنازہ

بہت ہی دھوم سے نکلا ستم ہے
حیاتِ جاودانی کا جنازہ
عجب دیکھا فلک نے یہ تماشا
یہ قبل از مرگ فانؔی کا جنازہ

(فانؔی)

مولانا عطیف الرحمٰن یوسفزئی

خزینۂ علم و دانش

اللہ تبارک وتعالی جہاں انبیا کرام کا سلسلہ جاری فرما کر انسانیت پر انعام کیا وہاں نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت اللعالمین اور خاتم النبیین مبعوث فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا۔ پہلے انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے تھے جیسا کہ حدیث: کانت بنوا اسرائیل تسوسھم الانبیاء سے ظاہر ہے،لیکن آپ علیہ السلام کی ذات گرامی انبیا کے سلسلے کی آخری کڑی ہے،قرآن کی متعدد آیات اور کئی احادیث مبارکہ اس پر دال ہیں یہی وجہ ہے کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے علما کو انبیا کا وارث اور جانشین قرار دیا۔

علما ربانیین نے زندگی کے ہر شعبہ میں امت کی رہنمائی فرمائی اور صحیح معنوں میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد بہترین نمونہ کا کردار ادا کیا،ان میں ایک نام شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی رحمہ اللہ کا ہے۔

دریائے سندھ کے دائیں کنارے آباد قدیم،تاریخی قصبہ زروبی ضلع صوابی میں یوسف زئی قبیلے کے ایک ممتاز علمی خانوادے میں آنکھ کھولی، فانی صاحب کے خاندان کو معاشرے میں ممتاز مقام حاصل ہے اندرون و بیرون ملک علمی وادبی اور سیاسی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آپ کے آباء اجداد صدیوں سے علم و دانش کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہیں جن سے ایک دنیا فیض یاب ہو چکی ہے والد گرامی امام المتکلمین شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ عبدالحلیم صاحب نور اللہ مرقدہ فاضل دیوبند اور دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے صدر مدرس رہ چکے ہیں۔ایک چچا مولانا عبدالحکیم پشاوری ثم زروبوی رحمہ اللہ امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے دست راست اور فتنہ ارتداد کیلئے تیغ بے نیام تھے۔جنکی انتھک جدوجہد اور حق گوئی سے علاقہ بھر میں مرزائیت نے دم توڑ دیا تھا۔

فانی صاحب رحمہ اللہ اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔آپ خداداد صلاحیتوں کے

---

* فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

مالک تھے۔اللہ تعالی نے آپ کو قوی حافظہ اور بیش بہا صلاحیتوں سے نوازا تھا۔علوم وفنون میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔دارالعلوم حقانیہ میں تقریبا ہر فن سے متعلق کتب آپ کے زیر درس رہیں۔تصنیف وتالیف میں ملکہ حاصل تھا چار زبانوں کے فی البدیہ شاعر تھے۔پشتو،اردو،عربی اور فارسی پر یکساں عبور رکھتے تھے۔مختلف موضوعات پر آپ کے کئی مقالے اور مضامین اخبارات اور رسائل کی زینت بن چکے ہیں،آپ کے علمی،تحقیقی شہ پارے اور چار زبانوں میں شعری مجموعے کتابی شکل میں منظر عام پر آچکے ہیں۔

آپکی علمی،ادبی،تصنیفی،تحقیقی کاوشوں اور فن خطابت کو دیکھ کر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد آتی ہے،آپکی فکر شاہ ولی اللہ،عبیداللہ سندھی،شیخ الہند اور حضرت مدنی کی یاد دلاتی ہے،مسند حدیث پر اپنے عظیم والد کے حقیقی جانشین نظر آتے ہیں،ادبیات ولسانیات میں ابوالحسن ندوی،علامہ اقبال،احمد فراز،خوشحال خان خٹک اور عبدالرحمٰن بابا کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔اعتدال پسندی اور میانہ روی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔تواضع،عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے،انتہائی شفیق اور طلبا سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے،نادار اور ضرورتمند طلبا کی مالی معاونت بھی فرمایا کرتے تھے۔

عیدین پر اپنے محلے کی تاریخی جامع مسجد میں خطبہ بھی دیا کرتے تھے۔تین سال تک آپ نے مفتی اعظم محمد فرید نوراللہ مرقدہ کی نگرانی میں افتا کی تمرین کی۔چاروں فقہی مذاہب کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔مہمانوں سے فراغت ملتی تو راقم کی آپ کے ساتھ خصوصی نشست کافی دیر تک چلتی۔اور مختلف موضوعات زیر بحث آتے۔جمہور کے ساتھ چلتے ہوئے اپنی الگ مجتہدانہ اور مدلل رائے بھی رکھتے تھے۔لیکن عام نشستوں میں اسکا اظہار نہیں فرماتے تھے۔

عظیم علمی خانوادے کا یہ چشم و چراغ کہنہ مشق مدرس مفسر قرآن محدث العصر فقیہ ملت محقق دوراں شاعر فی البدیہ ادیب باکمال مصنف اور خزینہ علم و دانش 25اور 26فروری 2014 کی درمیانی شب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہمیں الوداع کہہ گیا۔



کوچے میں پڑے ہیں ترے عشاق ہزاروں
بس ان میں ترا فانؔی دلگیر نمایاں

(فانؔی)

محمد اسلام حقانی*

فطرت کے شاعر

اچھی اور سچی شاعری ایک سعادت ہے اور فطری ملکہ جو صرف ''زورِ بازو'' سے ممکن نہیں بلکہ اس کیلئے قدرتی ذہانت، صلاحیت اور استعداد کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؔ ایک پختہ مشق شاعر تھے ۔ان کی غزلوں کے کئی مجموعے اردو، پشتو، فارسی اور عربی میں شائع ہوئے ہیں۔ان کی شاعری میں خوبصورت لفظوں کا سحر وطلسم تو ہے ہی لیکن جس طرح پھولوں کو گوندھ کر گجرا یا مالا بنائی جاتی ہے ،اس طرح فانی صاحبؒ اپنے احساسات اور خیالات کو پیارے پیارے لفظوں میں سلیقے اور قرینے سے سجاتے ہیں۔غزل گوئی میں فانی صاحب نے شاعری کی کلاسیکی روایت سے رشتہ مستحکم اور برقرار رکھا ہے، اسلوب اور طرزِ ادب میں بھی ان کے یہاں بادۂ شبانہ کی سرمستیاں ہیں اور نمود سحر کا عمل خوابناک اور نشہ بیز وادیوں میں سفر کررہا ہے۔عشق ورومان ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔وصل کا حظ بھی ہے اور ہجر کا کرب بھی،محبوب کی خوش التفائی بھی ہے اور بے مروتی بھی ۔

محفل صاحبِ لاں میں دلکشا کوئی نہ تھا   اہل زر کے دیس میں دردآشنا کوئی نہ تھا

طعنہ ہائے مگر ہی ہم سہ رہے تھے رات بھر   راہ پر جب آگئے تو رہنما کوئی نہ تھا

ہم تڑپتے رہ گئے نقشِ کف پا کے لئے   جانبِ منزل مگر اک راستہ کوئی نہ تھا

چل دیئے سوئے بیاباں جب جنونِ شوق میں   وسعت صحرا میں کوسوں دوسرا کوئی نہ تھا

دیکھ لی ہیں خلوتوں میں جلوتوں کی لذتیں   شامِ غم کی تیرگی میں ہم نوا کوئی نہ تھا

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں ۔

خون ہوا پروانوں کا شمع کے دیوانوں کا

میرے دل کا حال نہ پوچھو لاشہ ہے ارمانوں کا

فانی صاحبؒ کی شاعری میں شادکامیاں بھی ہیں اور محرومیاں بھی۔الغرض،عشق جن تجرباتی مراحل سے گزرتا ہے ان کا بھرپور اوراک ان غزلوں میں درآیا ہے۔

---

* رفیق موتمر المصنفین

وہ تبسم زیرِلب وہ خندہ پیشانی نہیں
ہم پہ اب لطف وکرم کی وہ فراوانی نہیں

آج پژمردہ ہے کیوں وہ میرا لیلائے حسیں
عکس مہتابی ہیں اللہ!نورتابانی نہیں

میرے دل پر درد وغم کا رقصِ سیمابی تو دیکھ
گوکہ چہرے سے عیاں میرے پریشانی نہیں

کتنے دل ہیں تیرے عارض زلف وکاکل کے اسیر
پھر بھی کہتے ہیں میرا کوئی بھی زندانی نہیں

ہرکوئی کہتاہے وہ معصوم صورت دیکھ کر
یہ فرشتہ ہے کوئی یہ شکل انسانی نہیں

اس انداز کی شاعری جب قاری اور سامع پر نازل ہوتی ہے تو اس سے بھی ایسے جزیرہ ہائے خواب میں پہنچا دیتی ہے، جہاں راحت کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور آسودگی کی پھوار پڑ رہی ہے لیکن ان جزیروں کی حدود میں بعض تپتے مقامات بھی آتے ہیں جہاں سیرابی تشنگی میں اور طرب کرب میں بدل جاتا ہے۔ فانی صاحبؒ نے فن کے تمام تلازمات کے ساتھ نہایت سلیقہ مندی کا برتاؤ کیا ؎

بدلیں گے انداز تیرے یہ کبھی سوچا نہ تھا
دل نے اے جانِ تمنا یہ ستم دیکھا نہ تھا

تجھ سے کیوں دور ہوجاؤں کہیں گے کیا یہ لوگ
چاند تھا لیکن قریب اس کے کوئی تارا نہیں تھا

کس کو ہم آخر سناتے قصۂ سوزِ جگر
تھی بھری محفل مگر اک بھی جگر والا نہ تھا

واقعہ یہ ہے کہ فانی صاحبؒ کا سہارا کلام ان کے حسن طبیعت کا آئینہ دار ہے۔ ان کے غزلوں میں خواہ وہ کسی بھی زبان میں ہو خودشناسی، خدا شناسی اور کائنات شناسی کے وہ عناصر ثلاثہ موجود ہیں جو ادب کی تخلیق کرتے ہیں۔ اساتذۂ فن کی قدر اور احترام کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنی انفرادیت کے مدعی بھی ہیں ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

روز و شب کرتا ہوں تیرا وردِ نام
یہ محبت کی نشانی اور ہے

زندہ ہوں لیکن شہید عشق بھی
یہ حیاتِ جاودانی اور ہے

ہوں مرید میرؔ و غالبؔ شعر میں
پھر بھی لیکن رنگِ فانی اور ہے

فانی صاحب کی غزل میں اظہار وبیان کا ایک نیا رنگ ملتا ہے ان کا اسلوبِ بیاں سادہ وپرتاثیر ہے۔گل تر کی تازہ اور بھینی بھینی خوشبو کی مانندان کا کلام دل پر اثر انداز ہوتا ہے ملاحظہ ہو ؎

رہ الفت میں گوہم پر بہت مشکل مقام آئے
نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

زمانہ ہوگیا بچھڑا ہے وہ فانیؔ مگر میری
تمنا میں نہ فرق آیا نہ حال دل ذرا بدلا

فانیؔ صاحبؒ نے دیگر شعراء کی زمین پر بھی غزلیں لکھیں جن میں حضرت امیر خسروؒ کی زمین ؎

بہر سو رقص چشمِ حور شب جائیکہ من بودم

پر بھی ایک غزل لکھی جس کے چند مصرعے نذرِ قارئین ہیں۔

بہر سو رقص چشمِ حور شب جائیکہ من بودم ہر اک واران کا تھا بھرپور شب جائیکہ من بودم

نگاہِ ناز سے لبریز پیمانے پیے ہم نے رہی دنیائے دل مخمورِ شب جائیکہ من بودم

تجلی ہی تجلی تھی خوشاوہ محفل ومنظر ترا جلوہ چراغِ طور شب جائیکہ من بودم

رُخ زیبائے شمع پر فنا ہوتے تھے پروانے رہی بزم وفا معمورِ شب جائیکہ من بودم

ہر اک محوتماشائے جمال یار تھا فانیؔ بنی محفل سراپا نور شب جائیکہ من بودم

فانیؔ کو حمد، نعت، غزل، نظم، قطعات، مسدس غرض شاعری کے تمام اصناف پر مکمل عبور حاصل تھا، ان کے کسی ایک غزل کو شروع کرو تو آخر تک ہی پڑھتے جاؤ گے ان کا ایک ایک شعر منتخب شدہ ہوتا ہے۔ فانیؔ صاحبؒ کے اردو کلام کے مجموعہ نالۂ زار ہی سے یہ انتخاب کیا گیا ہے۔ عربی، فارسی، اور پشتو کے کلام پر اگر کوئی صاحبِ ذوق کام کرے تو مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، روائع اقبال (نقوش اقبال) کی طرح ''نقوشِ فانیؔ'' لکھ سکتا ہے۔ فانی صاحبؒ کی شاعری ادب کا بہترین نمونہ ہے۔ اپنی علمی، ادبی خدمات کی بدولت وہ رہتی دنیا تک لافانیؔ کہلائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فانیؔ صاحبؒ کی تمام علمی اور ادبی خدمات کو قبولیت اور مقبولیت سے نوازے اور فانیؔ صاحبؒ کے درجاتِ عالیہ کا سبب بنائیں۔ آمین

فانی صاحبؒ کے چند اشعار پر اپنے مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

ساقیا نظریں ملا میں پھر نہ شاید آ سکوں آج جی بھر کے پلا میں پھر نہ شاید آسکوں

اس قدر محرومیاں اپنے مقدر میں رہیں کچھ نہیں ان سے گلہ میں پھر نہ شاید آسکوں

آج وہ اپنی وفائیں یاد آتی ہیں مجھے کیا دیا ان کا صلہ میں پھر نہ شاید آسکوں

اپنی وقعت کا تمھیں فانیؔ تو اندازہ ہوا اب نہ اتنا دل جلا میں پھر نہ شاید آسکوں

☆ ☆ ☆

نہیں ملتا کہیں اے جانِ فانیؔ

یہ نسخہ ضبط کا لاؤں کہاں سے

(فانیؔ)

محمد زین العابدین*

اخبارات میں تعزیتی شذرات

روزنامہ اسلام:

ملک کے ممتاز دِینی اِدارہ دارُالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے اُستاذ الحدیث، معروف عالمِ دین، شاعر اور ادِیب مولانا محمد ابراہیم فانی بدھ کی صبح پشاور میں مختصر علالت کے بعد انتقال کرگئے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔ اُن کی نمازِ جنازہ مولانا انوار الحق نے پڑھائی، جس میں علماء کرام، طلباء، سیاسی و مذہبی شخصیات اور عمائدینِ علاقہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس موقع پر دارُالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ نے مرحوم کی علمی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ بعد ازاں اُنہیں سینکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں سپردِ خاک کردیا گیا۔
مولانا محمد ابراہیم فانی ایک قابل و تجربہ کار مدرّس اور دِینی حلقوں کے جانے پہچانے شاعر اور ادِیب بھی تھے۔ اُن کا کلام ملک کے مؤقر دِینی جرائد میں شائع ہوتا تھا اور وہ بیک وقت عربی، فارسی، اُردو اور پشتو کے قادِر الکلام شاعر تھے۔ مولانا فانی کے متعدّد شعری مجموعے چھپ چکے ہیں اور سوانح نگاری میں بھی اُن کا ایک نام تھا۔ مولانا فانی کی رحلت ملک کے دینی و علمی حلقوں کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اُن کی علمی و ادبی خدمات کو تادیر یاد رکھا جائے گا۔
مولانا محمد ابراہیم فانی نے پوری زندگی اِسلامی علوم وفنون کی تدریس کی اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور محنت ولگن کے باعث دارُالعلوم حقانیہ جیسے ممتاز دینی اِدارے کی مسندِ حدیث پر فائز ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد ابراہیم فانی کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (روزنامہ اسلام کراچی ۲۷رفروری ۲۰۱۴ء)

روزنامہ آج: آبائی گاؤں زروبی صوابی میں سپردِ خاک، نمازِ جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت

ملک کے ممتاز عالمِ دین اور دارُالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مدرّس مولانا محمد ابراہیم فانی مختصر علالت کے بعد اِنتقال کرگئے۔ اُن کی نمازِ جنازہ بدھ کے روز دارُالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور بعد ازاں سہ پہر تین بجے موضع زروبی ضلع صوابی میں ادا کی گئی، جس میں جید علماء کرام، ہزاروں شاگرد، سیاسی و مذہبی شخصیات، عمائدینِ علاقہ اور دوست و احباب نے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کی۔ مرحوم کے والدِ محترم مولانا عبدالحلیم مرحوم بھی دارُالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مدرس رہ چکے ہیں، وہ فاضل دیوبند اور جیّد عالمِ دین تھے، مولانا محمد ابراہیم فانی عالمِ دین ہونے کے علاوہ ایک مفکر، دانش ور، ادیب اور شاعر بھی تھے، اُنہیں چار زبانوں عربی، فارسی اور پشتو پر روانی سے عبور حاصل تھا۔ جب کہ اُنہوں نے اِن زبانوں میں کئی دینی کتابیں بھی تحریر کی ہیں مرحوم نے اپنے پیچھے دو بیٹے، ایک بیٹی اور بیوہ سوگوار چھوڑے ہیں۔ جب کہ محمد اسمٰعیل اور عبدالحفیظ ان کے بھائی تھے۔

(روزنامہ آج پشاور ۲۷رفروری ۲۰۱۴ء)

---

* مدرس مدرسہ امام ابو یوسف کراچی

ادارہ

تعزیتی خطوط

● **مولانا قاضی فضل اللہ صاحب** سابق ممبر قومی اسمبلی (مذہبی سکالر، امریکہ ورفیق خاص حضرت فانیؒ)

فضیلة الشیخ السید سمیع الحق و الشیخ السید انوار الحق و اسرة الحقانیه العلماء والطلاب الکرام،

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته ،وبعد نعیت بموت الاخ الکریم الفاضل السید محمد ابراهیم رحمة الله وغفر الله بغفرانه واعلی درجاته -----

والموت حق --- کل واحد ولکن موت العالم موت العالَم ولاسیما فی هذا الزمان زمان الفتن و قحط الرجال وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یتقارب الزمان ویقبض والعلم تظهر الفتن ---ویکثر الهرج قالوا وما الهرج قال القتل رواه الشیخان وقبض العلم بقبض العلماء وهم کالنجوم للهدایة وقد قال قتادة رضی الله عنه ان الله ذکر للنجوم منافع تزیین سماء الدنیا بها ورجما للشیاطین وعلامات الهدایةلیلا، قال الله تعالی ولقد زین اسماء الدنیا بمصابیح وجعلناها رجوما الشیطین وقال کذلك وعلامات وبالنجم هم یهتدون وقال ابن مسعود رضی الله عنه سئل عن تنویر الارض بماذانور الله الارض تکون بتلك الصفات الثلاث للنجوم وان الاخ محمد ابراهیم المرحوم کان من هولاء العلماء فکان هو زینة للمجالس ---وخاصة فی اشعار ہ و کان هو کعلامة للهدایة کان رجلا جریا وشجاعا وقد اخذ هذه الصفة عن والده رحمةالله و کما ان والده رحمة الله خدم الجامعة فکذلك الشیخ ابراهیم ---انه کان وقیا وصاحب الوفاء والقناعة لم یکن فیه ای کبر واستکبار وکان یعیش کطالب ولاکعالم ومعلم وهذا هو کمال العالم ان یکون فیه تواضع والخضوع وقد قال ان---

پستی سے سربلند اور سرکشی سے ذرا پست — اس راہ کے بہت سے نشیب وفراز ہیں

لم یکن فیه تملق قط یعنی کان متواضا غیر متملق وقد اعطاه الله عزوجل ملکة الشعر فی مختلف اللغات الاردیة والبشتویة الفارسیة وهذه خصوصیات رجعیة ویکاد ان یکتبها احد ذلك فضل الله یوتیه من یشاء وعلاقة معنا کانت علاقة الصداقة المحبة والمودة کان سمع لمحاضرة زملائه مثلنا کا سماع طالب علم --انه کان عالما جیدا

وفی وعالم الطبیعیات الوسائل موته خسارة عظیمة للطلاب والجامعة نسئل الله عز وجل حسن البدل ونسئل له جزءِ الجنات عند رب عزوجل ونواسی الجامعة باسرها معلمین ومتعلمین واسرة الرحیل واحبائه ورفقائه وخاصة ادارة الاهتمام وحضراتکم بهذه الفاجعة العظیم ۔

● خلیق اور متواضع انسان .... بریگیڈئر (ر) قاری فیوض الرحمٰن

مجھے مولانا ایاز حقانی صاحب سے یہ معلوم کرکے کہ آپ کے عظیم ادارے کے ایک ممتاز مدرس عالم دین اردو، پشتو، فارسی اور عربی کے ادیب، مصنف اور شاعر ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء کو انتقال فرماگئے انتہائی دکھ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔کون کس سے تعزیت کرے؟ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرماکر جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات میں جگہ دیں، ان کے اعزہ، پس ماندگان، آل اولاد، احباب اور تمام متعلقین کو صبرِ جمیل پر اجر جزیل عطافرمائیں۔ امین ...... انکی معصومانہ اور پیاری صورت اسی طرح آنکھوں کے سامنے ہے۔جب پہلی بار دارالعلوم حقانیہ میں ان سے ان کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدر مدرس کے کمرہ میں ملاقات ہوئی اس وقت وہ طالب علم تھے اور خدمت میں لگے رہے پھر اس کے بعد جب وہاں تدریس پہ مامور ہوئے تو بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ایک بار ڈیوٹی پہ پنجاب سینٹر مردان جاتے ہوئے دارالعلوم میں نماز کے لئے رُکا اور نماز کے بعد سیدھا ان کے مکان پہ چلا گیا دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور انتہائی خوش بھی ہوئے۔بڑے خلیق اور متواضع تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں دل ودماغ کی گوناگوں صفات سے نوازا تھا۔فراغتِ علوم کے بعد زندگی اپنی مادرِ علمی کے لئے وقف کردی اور اپنے پیچھے ہزاروں تلامذہ وعلماء بطور صدقہ جاریہ چھوڑے۔اللہ تعالیٰ ان کی تمام نیکیوں کو اپنے دربار میں قبول فرمائے اور انکی اولاد کو اپنے والد کا اُسی طرح جانشین بنائے جیسے انہیں اپنے والدِ گرامی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب صدر مدرس کا جانشین بنایا تھا۔ .... (مولانا) فیوض الرحمٰن، کراچی

● مقبولیت ومحبوبیت کیلئے دارالعلوم کا استاد ہونا کافی ہے ....مولانا محمد ادریس

احقر دارالعلوم حقانیہ کے فیض یافتگان میں سے ہے زندگی بھر وہ برکات اور روحانیت' سادگی اور مشن سے تعلق، اخلاص وللّٰہیت' حتیٰ کہ دارالعلوم کا لنگر ومطبخ تک نہ بھول سکوں گا۔پڑھنے سے قبل دارالعلوم سے قلبی تعلق حضرت شیخ التفسیر والحدیث مولانا عبدالسلام حضروؒ کی وجہ سے بن چکا تھا۔حضرت اکثر آپ کا ذکر خیر فرماتے تھے۔ شکر ہے باری تعالیٰ کہ پھر تخصص کی توفیق دارالعلوم میں ملی۔...... آج کے روزنامہ ''اسلام'' مطالعہ کرنے سے پتہ چلا کہ علامہ مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ اللہ کو پیارے ہوگئے۔اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔انکی قدر ومنزلت' عظمت شان اور عند اللہ ان کی مقبولیت ومحبوبیت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ دارالعلوم اکوڑہ خٹک کے استاد تھے۔ماشاء اللہ کتنے ہی بلند پایہ نگینے دارالعلوم کے انگشتری کمال پر جمائے گئے۔انگلینڈ میں جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو کے فضلاء آپ سب حضرات سے مولانا فانی رحمہ اللہ کے عظیم سانحے پر دلی تعزیت کرتے ہیں۔دارالعلوم آباد وشاد رہے' چشمہ علوم نبوت جاری وساری رہے۔

(مولانا) محمد ادریس، خطیب بیت المکرّم مسجد' ہزلنگڈن انگلینڈ

باب پنجم:

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ

عشق رسول ﷺ، تحفظ ناموسِ رسالت اور شوق علم حدیث

آلام زمانہ سے ہوں دلگیر و پریشاں
ہو چشم عنایت شہ والائے مدینہ

تسکینِ دل و راحتِ جاں ہے یہی بستی
ہے رشک جناں ذرّہ صحرائے مدینہ

اللہ! یہ قسمت ہو مری قابلِ صد ناز
مل جائے اگر محملِ لیلائے مدینہ

فانؔی وہ خرابہ ہے اسے دل نہیں کہتے
جس دل میں نہ رقصاں ہو تمنائے مدینہ

مکتوب بنام حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی

حضرت فانی صاحب کا سفرِ حج

صاحب العز والمجد والکرم استاذ العلماء واستاذی المحترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

متعنا الله تعالیٰ بطول حیاتك وبحار علومك ۔ مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاجِ گرامی قدر۔

عرض یہ ہے کہ بندۂ پر تقصیر اُس کیف آور فرحت افزا لمحے کو نہیں بھول سکتا جب اللہ کریم جل جلالہ کے خصوصی فضل وکرم و احسان وعنایت بے غایت اور آں محترم کی مشفقانہ توجہ اور اصاغر پروری سے حج و زیارت بیت اللہ اور روضۂ رسول ﷺ ومہبط انوار ربانیہ مرکز تجلیات بلد امین مدینۃ النبیؐ مدینہ منورہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

آرزوئیں مضطرب اور حسرتیں بیتاب:

مدتوں سے دل میں ارمان مچلتے رہے، آرزوئیں کروٹیں بدلتی رہیں، حسرتیں مضطرب اور بیتاب تھیں کہ وہ باسعادت لمحہ کب آئیگا کہ غیب سے صدائے دلنواز آجائے کہ سنو! حج اور روضہ رسولؐ کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھو کیونکہ بظاہر تو ہم بے بضاعت فقیروں کے پاس وسائل اور مادی اسباب دستیاب نہیں کہ اس کے سہارے اس متاع گرانمایہ کے حصول کیلئے تگ وتاز اور جدوجہد کریں۔ بحمد اللہ وہ بہار آفریں ساعت آپہنچی جس میں اس گدائے بے نوا کو حرمین شریفین کے سفر کیلئے رخت سفر باندھنے کی بشارت عظمیٰ دی گئی۔ اللہ اللہ! اپنی سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔

ع یکہ می بینم بہ بیداری ست یا رب یا خواب

کیفیت جذب دروں اور وارفتگی دل:

دل پر سرشاری دیوانگی اور وارفتگی کی کیفیت طاری ہوئی۔ حیرت واستعجاب کے عالم میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، بے وقاری کی وہ کیفیت جذب دروں کا وہ سماں کب بھلانے کے قابل ہے۔ اشکوں کا ایک سیلاب اُمڈ گیا۔ کیا بتاؤں، زباں کو یارائے سخن نہیں کہ ان کیفیات و وجدانیات پر نطق کرے، الفاظ ان احساسات کے اظہار کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ شکستہ قلم میں وہ قوت نہیں کہ وہ ان باطنی جذبات کو حیطۂ تحریر میں لائے۔ ان سطور کے لکھتے وقت وہ تمام مناظر آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ع آنکھوں کے سامنے ہے وہ جذبات کا عالم

پس منظر کچھ یوں ہے کہ ۴ مئی ۱۹۹۴ء کو برادر محترم صاحبزادہ حافظ راشد الحق سمیع صاحب مدیر ماہنامہ ''الحق'' نے بندہ سے کہا کہ ہمارے دوست عمران کے چچا کا انتقال ہوا ہے اور مردان میں عصر کے وقت انکی نماز جنازہ ادا کی جائیگی تو

آپ میرے ساتھ جنازہ میں شرکت کیلئے جائینگے چنانچہ ہم وقت مقررہ پر پہنچے۔

صدائے مسرت بزبان مولانا حامد الحق:

جب جنازہ سے فارغ ہوئے اور واپس مدرسہ آئے تو ابھی بندہ گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ کسی نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔ میرے ساتھ بھی فکر دامن گیر ہوئی کہ یہ کون ہے؟ اور اتنے زور زور سے مسلسل دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ برادر محترم صاحبزادہ مولانا حامد الحق حقانی صاحب کھڑے تھے وہ عجیب کیفیت میں تھے۔ مجھے کہا کہ فانی صاحب آپ کہاں گئے تھے؟ میں آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں برادرم راشد الحق صاحب کے ساتھ مردان گیا تھا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ خیر تو ہے آپ تو بہت بے چین ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیلئے بہت بڑی خوشخبری لیکر آیا ہوں۔ میں نے بیتابی سے پوچھا کہ کیا خوشخبری ہے جلدی سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ کے حج بیت اللہ کا انتظام ہوگیا۔ اتنے میں برادرم راشد الحق دوڑے دوڑے آئے اور کہا کہ فانی صاحب مبارک ہو، آپ کا حج کا پروگرام بن گیا۔ میں ہکابکا رہ گیا اور ان کو کہا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں! واللہ بس کل پرسوں آپ کی روانگی ہے۔ پہلے تو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں حواس باختہ تھا اور حیرت سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ چونکہ دس بارہ دن پہلے بندہ کی گھر والی اپنے والد میرے سسر مولانا عبدالحئی صاحب کے ساتھ حج بیت اللہ تشریف لے گئی اور میں اپنے ساتھ اپنی والدہ محترمہ یہاں مدرسہ لایا تھا میں نے ان کو کہا کہ میرے ساتھ وہاں کوئی نہیں، بچے چھوٹے تھے تو ان کو گاؤں ہی میں اپنی نانی کے پاس چھوڑ آیا تھا اور والدہ صاحبہ چونکہ بیمار رہتیں میں نے مناسب یہ سمجھا کہ ان کو اکوڑہ لے چلوں اگر بیماری کی شکایت بڑھ جائے تو پھر اسکو وہاں سے پشاور ڈاکٹر کے پاس لے جانا زیادہ آسان ہوگا تو برادرم مولانا حامد الحق صاحب نے بتایا کہ آج ابا جی محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا اسلام آباد سے فون مجھے آیا اور فرمایا کہ مجھے حکومت کی طرف سے نو افراد کو حج پر لے جانے کی آفر ہوئی ہے تو آپ ان افراد کا تعین کرلیں تو انہوں نے کہا کہ باقی آپ کی مرضی لیکن فانی صاحب کا نام ان افراد میں ضرور آجائے اس لئے کہ ان کی اہلیہ اپنے والد کے ساتھ حج پر گئی ہے اور وہ بے چارہ یہاں پر افسوس کر رہا ہے کہ کاش میرے پاس وسائل ہوتے تو ہم اکھٹے حج پر چلے جاتے تو ابا جی نے آپ کا نام دیا ہے اور اب آپ اپنی تصویریں وغیرہ بنوالیں۔ مجھ پر سراسیمگی طاری ہوگئی۔ تصاویر کے نیگٹ بندہ کے پاس تھے لیکن تلاش بسیار کے باوجود نہ ملے چنانچہ برادرم راشد الحق صاحب نے بندہ کو اپنی کار میں بٹھایا اور فوٹوگرافر کے پاس ارجنٹ فوٹوز اتروانے کیلئے لے گئے۔ انہوں نے کہا کہ رات دس بجے بجلی چلی جاتی ہے اب دیکھیں گے آپ کی قسمت۔ ہم نے کہا جب اللہ نے اتنا کرم کیا ہے تو یہ بھی ہو جائیگا چنانچہ بروقت تصویریں مل گئیں اور اسی رات بجلی بھی برقرار رہی پھر صبح تصویریں لیکر اسلام آباد چلے گئے وہاں حضرت مولانا سمیع

الحق صاحب سے ملاقات ہوگئی تشکر وامتنان کے جذبات کے ساتھ ان کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ وہ دن ہم نے اسلام آباد میں گزارا۔ مغرب کی اذان کے وقت ناظم ''الحق'' جناب شفیق الدین فاروقی نے یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ آپ کا نام کمپیوٹر میں ثبت ہوگیا ہے، مبارک ہو۔ رات گیارہ بجے گھر پہنچا۔

والدہ محترمہ کی دعائیں:

بندہ نے ان تمام واقعات سے والدہ صاحبہ کو بے خبر رکھا تھا۔ دل میں سوچا تھا کہ میں انہیں پہلے سے بتادوں اور بعد میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوجائے تو انسان شرمندگی محسوس کرتا ہے۔ والدہ محترمہ نے بندہ سے پوچھا کہ کل سے آپ بے چین اور بے قرار ہیں کیا وجہ ہے تو بندہ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں انہوں نے کمال شفقت سے پوچھا کہ بچے کس چیز کی مبارکباد؟ بندہ نے کہا کہ حج بیت اللہ کیلئے جارہا ہوں انہوں نے حیرت واستعجاب کے عالم میں پوچھا وہ کیسے؟ آپ نے داخلہ نہیں کیا۔ آنے جانے کیلئے رقم بھی نہیں اور اب تو تمام لوگ جو کہ حج کا ارادہ رکھتے تھے وہ گئے اور ایام حج بھی شروع ہونیوالے ہیں تو تم کیسے جاؤ گے؟ بندہ نے عرض کیا جب اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام فرمائے تو اس میں بندہ کیا کرسکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ بچے صاف صاف بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے ان کو ماجرا سنایا۔ وہ انتہائی خوش ہوگئی اور مجھے مبارکباد دینے لگی۔ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئیں اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کیلئے دل کی گہرائیوں سے دعائیں دینے لگیں اور ساتھ ساتھ ان کے صاحبزادگان محترم مولانا حامد الحق حقانی اور حافظ راشد الحق حقانی کیلئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام فرمایا اور جب بھی میرے حج بیت اللہ کا تذکرہ چھڑ جاتا تو والدہ صاحبہ فرماتی کہ میں نے ان کو اس عظیم احسان پر اپنی دعاؤں میں نہیں بھلایا۔ پھر میں اپنی والدہ صاحبہ کو زروبی ضلع صوابی چلا آیا دوسرے دن بندہ اسلام آباد مدینۃ الحجاج گیا۔

احساسات کا طوفان بلاخیز:

اس دوران جذبات واحساسات کا ایک طوفان بلاخیز سینے اور قلب ودماغ میں موجزن رہا آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے، حضرت مولانا نے بندہ سے فرمایا کہ جذبات دل اور واردات قلبی کی انگخت کیلئے مولانا مناظر احسن گیلانی کی فلاں کتاب (نام بھول گیا ہوں) کا مطالعہ کریں۔ بندہ نے عرض کیا، بندہ تو بالکل مغلوب الحال ہورہا ہے اور اب مجھ مزید برداشت کرنے کی طاقت نہیں بار بار اپنی بے بضاعتی کم ہمتی توشہ عمل سے تہی دامنی اور گناہوں کے احساس کے بوجھ تلے محوتحیر ہوجاتا کہ ایک سراپا تقصیر پر یہ لطف وکرم اور یہ فضل واحسان اے شان کریمی تری کیا بات ہے اور اپنے استاذ ذی وقار کی یہ عنایت خسروانہ، سبحان اللہ تقدیر کے کیا فیصلے ہوتے ہیں بندہ تو اپنے آپ کو بالکل اس شعر کا مصداق سمجھتا ہے

مورِ مسکیں ہوسے کہ بکعبہ رسید   دست بر پائے کبوتر زدو ناگاہ رسید

کس منہ سے جاؤں گا؟

فلائٹ کا وقت جوں جوں قریب ہوتا گیا دل کی دھڑکنوں کا عالم عجیب ہوتا گیا تا آنکہ پاکستانی وقت کے مطابق

سعودی ائرلائن میں رات کے بارہ بجے سوار ہوئے۔نصیر اللہ بابر اس وقت کے وزیر داخلہ نے ہمیں الوداع کہا۔دل میں بار بار یہ کہتا رہا کہ اے خدا ایک گہنگار آپ کے گھر کی زیارت کیلئے شرمسار آنکھوں سے محو پرواز ہے

؎ کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی

ایسے نیک خلائق کو اپنے پاک در کی زیارت کے قابل سمجھا تیری رحمت بے پایاں کا کیا ٹھکانہ

؎ لطف واحسان آپکا ہے مہربانی آپ کی بندہ کس لائق ہے ''مولا'' قدردانی آپ کی

؎ جسے چاہا در پہ بلالیا جسے چاہا اپنا بنالیا یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

؎ شکر ہے ترا خدایا میں تو اس قابل نہ تھا تو نے اپنے گھر بلایا ،میں تو اس قابل نہ تھا

؎ مری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافل رہا پر نہیں تو نے بھلایا میں تو اس قابل نہ تھا

جدہ سے مدینہ روانگی:

اذان سحر سے کچھ آدھ گھنٹہ پہلے ہم جدہ پہنچ گئے وہاں پر فجر کی نماز پڑھی تین چار گھنٹے ہم جدہ ایئرپورٹ پر موجود رہے اور وہاں پر گومگو کی کیفیت طاری رہی کیونکہ حکام کبھی کہتے کہ یہاں سے آپ لوگ مکہ جائیں گے احرام باندھ لیں لیکن اس صورت میں ہم تمام ساتھیوں پر دم واجب ہوتا اس لئے کہ یہاں پاکستان میں حکام نے ہماری ترتیب بتائی تھی کہ پہلے مدینہ منورہ جانا ہے اور پھر وہاں سے مکہ مکرمہ حج کیلئے آنا ہوگا۔اس لئے ہم نے یہاں سے احرام نہیں باندھا اب اگر ہم جدہ سے مکہ مکرمہ جاتے تو میقات سے بغیر احرام کے تجاوز سے ہم پر دم لازم آتا ہم وہاں پر موجود تھے کہ اسلام آباد سے ایک اور جہاز آپہنچا پھر کہیں عصر کی وقت ہمیں مدینہ منورہ لیجانے کیلئے بسیں آگئیں ہم اس میں سوار ہوئے اور یہاں سے مدنیہ منورہ کی طرف سفر شوق شروع ہوا

مدینے کا سفر ہے اور میں نمدیدہ نمدیدہ جبیں افسردہ افسردہ قدم لغزیدہ لغزیدہ

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیبہ نظر شرمندہ شرمندہ بدن لرزیدہ لرزیدہ

دیدار مدینہ منورہ:

بس وسیع وعریض اور صاف وشفاف شاہراہ پر تیزی کیساتھ سوئے منزل روانہ تھا۔جذبات وکیفیاتِ دل کا جو حال تھا ،وہ اللہ ہی بخوبی جانتا ہے یہ مدینہ النبی ہے یہ محبوب خدا سیدالاولین والآخرین کا محبوب شہر جس کے بارے میں فرمایا اللھم حبب الینا المدینہ جوں جوں منزل قریب ہوتی گئی آتشِ شوق بڑھتا گیا

؎ وعدۂ وصل چوں قریب شود آتشِ عشق تیز تر گردد

گنبد خضرا کا دیدار:

ہم گاڑی کے شیشوں سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ چونکہ رات کا وقت تھا تاریکی تھی البتہ جہاں آبادی

تھی وہاں پر روشنی نظر آتی تا آنکہ ابھی ہم مدینہ منورہ سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر تھے کہ گنبد خضریٰ نظر آیا گنبد پر نظر پڑتے ہی آنکھوں سے اشکوں کے فوارے پھوٹ پڑے گاڑی رواں تھی کچھ فاصلہ پر یہ حسین منظر آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا پھر وہ سبز نظارے نظر آنے شروع ہوجاتے۔

جب مسجد نبوی کے مینار نظر آئے — اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے

رات کے تین بجے تقریباً ھم مدینہ منورہ پہنچے ،سبحان اللہ وہ پرنور فضائیں وہ پرکیف ہوائیں وہ وجد آفریں ماحول وہ بہار آگئیں منظر ہر طرف نور ہی نور ہر جانب روح پر وا سکوت جذبِ دل نے آج کوئے یار میں پہنچا دیا جیتے جی میں گلشن جنت میں داخل ہوگیا اور ہم جو حسرت و یاس کی تصویر بنے بیٹھے تھے اور دل میں مدینہ منورہ کی زیارت و تمنا لئے شب و روز فراقِ یار میں گزار رہے تھے آج اللہ نے ہماری تمنائیں ہماری آرزوئیں ہمارے ارماں ہماری حسرتیں پوری فرمائیں ،زہے نصیب زہے قسمت آج ہمارا طالعِ قسمت اوج برج کمال پر تھا یہ مواقع کب ہر کسی کو نصیب ہوتے ہیں جو گلی کوچے جبرائیل امین کی رہگزر رہیں جہاں پر اللہ کی نورانی مخلوق ادب واحترام سے محوخرام ہوئی آج ان گلیوں میں مجھ جیسا گنہگار اور نالائق و روسیاہ بھی چل پھر رہا ہے۔ایک مسلمان کیلئے اس سے بڑی اور کیا سعادت ہوسکتی ہے۔

جس دل میں نہ رقصاں ہو تمنائے مدینہ — فانی وہ خرابہ ہے اسے دل نہیں کہتے

ہم نے اپنا سامان مدینہ منورہ کے ایک ہوٹل میں رکھا اور سیدھا مسجد نبوی کی طرف چل پڑے۔گنبد خضریٰ کا نظارہ کیا بار بار اس کی طرف نگاہیں اٹھتیں۔

مسجد نبویؐ کی اذان:

مسجد نبوی میں نماز ادا کی کچھ دیر آرام کیا اور پھر فجر کی آذان کے شروع ہوئی مسجد نبویؐ سے فجر کی اذان کی آواز جس لحن اور حجازی لے کے ساتھ وہ آواز ساعتوں سے ٹکرا رہی تھی اس حلاوت کا کیا کہنے۔اسی مسجد نبویؐ میں حضرت بلال حبشیؓ سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے آذان دیا کرتے تھے آج اس کا وارث اسی محترم و معظم مقام پر کھڑا مسلمانوں کو دعوت نماز دے رہا تھا۔نماز سے فارغ ہوئے تو روضۂ اطہر پر سید الکونین والثقلین کو سلام کرنے کی عرض کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔انتہائی احتیاط کے ساتھ ادب واحترام کے ساتھ کیونکہ یہ وہ مقدس ترین مقام ہے کہ جہاں سید الکونین رہتے ہیں۔تمام روئے زمین پر بلکہ تمام کائنات میں اس سے افضل کوئی بقعۂ ارض یا قطعۂ زمین نہیں جیسا کہ امام ترمذیؒ نے باب باندھا ہے ایّ البقاع افضل اس کے ضمن مین حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں والحق انه افضل من العرش والکرسی واللوح والقلم الخ

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ میآیند جنید و بایزید ایں جا

مولانا مفتی محمد اسعد ثانی *

حضرت فانیؒ کا حدیث نبویؐ سے عاشقانہ اور والہانہ تعلق

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانیؒ ایک لائق مدرس، شفیق اتالیق، مصنف وادیب، شاعر ونقاد اور ایک اعلیٰ انشا پرداز ہونے کے ساتھ عشق رسولؐ، علم حدیث سے محبت، قلم وکتاب، ذوق مطالعہ، بےنفسی وفنائیت، خلوص وللہیت کی باطنی دولت سے بھی بہرہ ور تھے علماء ومشائخ، بالخصوص اکابر علماءِ دیوبند سے مخلصانہ اور والہانہ تعلق خاطر قائم تھا وہ کتاب پڑھتے بھی تھے پڑھاتے بھی تھے لکھتے بھی تھے اور لکھنے والوں کی قدر بھی کرتے تھے۔

الغرض ...... قلم وکتاب اور شعروادب کے حوالے سے ان کی نگاہ میں نہایت وسعت اور اس کی ہر شاخ میں ان کے قلم وزبان کی روانی یکساں تھی، بغض وعداوت، کینہ وحسد اور معاصرت کے باطنی امراض سے اللہ پاک نے انہیں آخر تک بچائے رکھا ان کا آخری کلام علم حدیث کے حوالے سے ''شرح صحیح مسلم'' کی اشاعت پر تھا علم حدیث، حدیث کی شروحات اور فروغ وترویج اور حدیث رسول سے انہیں کس قدر والہیت اور عاشقانہ وابستگی تھی اس حوالے سے ان کے چار منظوم تاثرات پیش کیے جارہے ہیں۔

(۱)...... زین المحافل جو محدث جلیل شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم کے شمائل ترمذی پر درسی امالی اور ایک جامع ومبسوط شرح ہے کی اشاعت پر مولانا فانی صاحب نے اپنے تاثرات کو یوں منظوم کیا ہے ....

زین المحافل کی اشاعت پر ہدیۂ تبریک (اردو، وفارسی) :

برتصنیف وطباعت ''شرح شمائل ترمذی بعنوان زین المحافل''

درخدمت حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

مژدہ ہے یہ جانِ فزا شرحِ شمائل آگئی ‏ ‏ ‏ باسمی تسمیہ زین المحافل آگئی
منتظر جس کے رہے مدت سے عشاقِ رسولؐ ‏ ‏ ‏ واسطے مجنوں کے لیلیٰ کی محمل آگئی
والہانہ رنگ سے ذکرِ سراپائے نبیؐ ‏ ‏ ‏ علمی دنیا اس پہ بے تابانہ مائل آگئی
حرزِ جاں ہے بالیقین یہ بہرِ استاذانِ فن ‏ ‏ ‏ بحث اور تحقیق اس میں سیر حاصل آگئی

* اُستاذِ حدیث جامعہ ابوہریرہ

ایک شرح لاجواب و ایک درّ بے بہا ایک اکسیر عجب بہر افاضل آ گئی
ایک سوغاتِ محبت بہرِ تسکینِ قلوب اک دوائے دردِ دل از صاحبِ دل آ گئی
چار سو پھیلی ہوئی ہے اللہ اللہ اس کی دھوم یہ بفضل ربّ بفیضِ شیخِ کامل آ گئی
آرزو دیرینہ تیری واہ پوری ہوگئی کشتیٔ مقصود تیری سوئے ساحل آ گئی
بزمِ روحانی بپا ہے کیف آور ہے فضا اور ایک 'باراتِ رحمت' اس میں شامل آ گئی
نذرِ مولانا سمیع الحق دلی جذبات یہ صورتِ تبریک فانیؔ نظم عاجل آ گئی

...............☆☆☆...............

مژدہ اے عشاق آں شرحِ شمائل آمدہ بہر مشتاقان نورانی خصائلؐ آمدہ
رونقِ فصلِ بہاراں شمعِ بزمِ قدسیاں سوئے او ہر بسملے بے تاب مائل آمدہ
آفریں بر محنتِ تُو حضرتِ شیخ الحدیث از وفورِ شوقِ تُو زین المحافل آمدہ
لائقِ صد داد و تحسین باعثِ صد عزّ و ناز نعرۂ ترحیب در شورِ عنادل آمدہ
بس بصورت بے نظیر و ہم بمعنی لاجواب بہر دیدارش ببیں جمع الافاضل آمدہ
وہ برنگ عاشقاں ذکرِ سراپائے رسولؐ مشتمل بر دردِ دل از صاحبِ دل آمدہ
مرحبا ایں ذوقِ علم و واہ تحقیق انیق بس جوابے لاجوابے بہرِ سائل آمدہ
ہاتفے گفتا کہ ایں زین المحافل در وجود از کرامت ہائے عبدالحقؒ کامل آمدہ
بہرِ تبریکیؔ مولانا سمیع الحقِ ما بر زبانِ فانیؔ بس ایں نظمِ عاجل آمدہ

...............☆☆☆...............

(۲)......حال ہی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی کی ''شرح صحیح مسلم'' کی پہلی دو جلدیں منظر عام پر آئیں جس کی تکمیل بیس (۲۰) جلدوں میں متوقع ہے فانیؔ صاحب حدیث مصطفیٰ کی یہ خدمت واشاعت دیکھ کر ولولۂ عشق ومحبت رسولؐ کے ہاتھوں بے تاب ہوئے اور اپنے باطنی کیفیات وجذبات کو منظوم تاثرات میں یوں مرتب کیا کہ یہ منظوم تاثرات فانی صاحب کا آخری ادبی کلام ہے جسے ہم ان کے شعروادب کے حوالے سے ختمامۂ مسك'' بھی قرار دے سکتے ہیں جو محبت وعشق رسول' حدیث نبوی سے مضبوط اور مستحکم تعلق خاطر اور شعروادب کے حوالے سے ان کی سب سے بڑی یادگار قرار دی جاسکتی ہے۔

(۳)...... مولانا عبدالقیوم حقانی کی آثار السنن کی اُردو شرح ''توضیح السنن'' کی پہلی جلد منصۂ شہود پر آئی ، فانی صاحب کی جوانی تھی عشق و محبت کے ولولے بھی عروج پر تھے انہیں کتاب سے قلبی لگاؤ تھا اور کتاب جب حدیث رسول کی شرح ہو آخر وہ کیوں خاموش رہ سکتے تھے ، ان کے دل و دماغ کے والہانہ کیفیات کا سمندر اچھل پڑا اور مشکل ترین بحر میں عمدہ ترین کلام مرتب فرمایا :

''مولانا فانی ، حقانی صاحب کے معاصر بھی تھے اور باہمی رقابت کے بہت سے اسباب بھی موجود تھے مگر اس بازار کی انہیں ہوا بھی نہیں لگی تھی وہ کہا کرتے تھے ، کام کرنے والے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے آج جو دینی مدارس اور جامعات کی کثرت کے باوجود افراد سازی کا کام تھم گیا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے معاصرین کی بات تو بڑی بات ہے بڑوں میں بھی اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنے کا حوصلہ نہیں رہا ، چنانچہ (توضیح السنن ، ۱/۵) تحریر فرماتے ہیں ......

شرحِ حدیثِ مصطفیؐ بانامِ توضیح السنن | توضیحِ اقوال نبیؐ آں صاحبِ شیریں سخن
مژدہ برائے طالباں انعامِ ربّ ذوالمنن | تشریحِ آثارُ السنن تردیدِ اربابِ فتن

اسکے ہر اِک اِک لفظ سے دیکھو ثقاہت آشکار | اس کا ہر اِک اِک حرف ہے گویا عقیق اندر یمن
اسکی ہر اِک اِک سطر ہے فہم و ذکاوت کی دلیل | اس کے ہر اِک نکتہ سے آتی ہے یہ خوشبوئے خُتن
معنی میں بھی یکتا ہے یہ صورت بھی اس کی دلربا | یہ میرا دعویٰ ہی نہیں سب جانتے ہیں اہلِ فن
اس کو مؤلف بے گماں ہے لائقِ تحسین آج | جس کے قلم سے آ گئی یہ شرحِ آثار السنن
اس شرح نے پائی ہے جو شہرت خدایا سو بہ سو | چرچا ہے اس کو کو بہ کو اور انجمن در انجمن
ہیں باسعادت کس قدر یہ حضرتِ عبدِ قیوم | کافی شفاعت کے لیے ''توضیح'' بس یہ جانِ من
فانؔی برائے تشنگاں یہ شرح مثل ارمغاں | عشاقِ دیں کے واسطے یوسف گویا پیرہن

(۴)...... فانی صاحب نے درس و تدریس اور شروحات کے لکھنے میں کمالات اکتسابی اور محنت سے حاصل کئے تھے مگر ان کا فطری ، وہبی اور طبعی کمال ، ان کا شعر و سخن کا ذوق ہے وہ سخن فہم بھی تھے اور سخن دان بھی ، سخن سنج بھی تھے اور سخنور بھی ، وہ شاعر بنے نہیں تھے پیدا ہوئے تھے شعر گوئی ان کی فطری نہاد تھی وہ زود گو بھی تھے اور پُر گو بھی ، سلیس اور رواں دواں اشعار کہتے تھے ان کے یہاں الفاظ کا شکوہ بھی ہے اور معانی کے لعل و گہر بھی ، وہ محض خوبصورت الفاظ کی کھوکھلی دیوار تعمیر نہیں کرتے تھے اور معانی کو ان الفاظ کے لباس سے عاری بھی نہیں رکھتے تھے ان کا کہنا تھا ......

سماعت پر اثر صوتِ لسانی کا نہیں ہوتا | جو باہم ربط الفاظ و معانی کا نہیں ہوتا

شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی کی ''شرح شمائل ترمذی'' پر فانی صاحب نے اپنی محبت ، جذبات اور عشقِ حدیثِ نبوی

کا جس پیرائے میں اظہار کیا ہے وہ میرے اس دعوے کی بیّن دلیل ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں ...... ؎

یہ شرحِ شمائل عجب دلربا ہے جو عکسِ رُخِ سرورِ مصطفیٰؐ ہے
نبیؐ کی ہیں اس میں بہشتی ادائیں یہ سیرت کا نقشہ، یہ صورت نما ہے
یہ ذکرِ شب و روزِ خیر الورائیؐ برائے محبّان نرالی عطا ہے
یہ عینین مکحل یہ گیسو کی باتیں یہ قدّ و سراپا جدا ہے جدا ہے
یہ مہرِ نبوت یہ شانِ جلالی جمالِ محمدؐ کا اپنا مزا ہے
محبت میں لکھی عقیدت میں ڈوبی یہ تاثیر اس میں بفضل خدا ہے
ہر اک سطر اس کی ہے اکسیر اعظم کہ بہرِ مریضاں دوائے شفا ہے
ادب کی حلاوت قلم کی طراوت فصاحت بلاغت کا اک آئینہ ہے
یہ حقانی پر ہے انعامِ کریمی یہ جہدِ مسلسل کا گویا صلہ ہے
قلم اِک موفق من اللہ اس کو خزانۂ غیبی سے فانی ملا ہے



نعت

میسر ہو ترے در کی فقیری

غلامی آپ کی رشکِ امیری یا رسول اللہﷺ
میسر ہو ترے در کی فقیری یا رسول اللہﷺ
قیامت میں گنہگاروں کا بس تُو ہی سہارا ہے
بحشر از تو جویم دستگیری یا رسول اللہﷺ
یہ تیری یاد ہے وجہِ نشاط و باعث تسکین
سراپا نعمتِ ربّ قدیری یا رسول اللہﷺ
بعشقِ مصطفیٰؐ آباد میخوا ہم دل ویراں
برائے کِشتِ دل ابرِ مطیری یارسول اللہﷺ
تری آمد سے دنیا میں عجب اک انقلاب آیا
نذیری تُو منیری تُو شہیری یا رسول اللہﷺ
نہیں مجھ کو سلیقہ نعت لکھنے کا مرے آقاﷺ
خدارا عذرِ من فانی پذیری یا رسول اللہﷺ

بوقتِ حضور مواجھہ شریف ریاض الجنہ میں یہ اشعار القاء ہوئے۔ فانی

جناب جان محمد جان*

تذکرہ محبوبؐ کے دیار کا اضطراب فانیؒ بے قرار کا

اللہ تعالیٰ نے جسے بھی ایمان اور عقل وفہم کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ عشقِ رسول ﷺ ایمان کی روح اور بنیاد ہے ......

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

نبی کریم ﷺ کی محبت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ محبّ مخلص اور عاشق زار اکثر محبوب دو عالم ﷺ کا تذکرہ کر کے اپنے دل میں عشق کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا سامان مہیا کرتا ہے حدیث شریف میں ہے جس کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اکثر اسی کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحبؒ بھی رسول اللہ ﷺ کے عاشق اور سچے محبّ تھے۔ اس پر صرف چند ایک واقعہ نذرِ قارئین ہے، استاد محترم مولانا عبدالقیوم حقانی دسمبر ۲۰۰۹ء میں سفر حج پر تشریف لے گئے، واپسی پر ماہنامہ ''القاسم'' کے ادارتی تحریر میں سفرنامۂ حج تحریر فرمایا جسے دیکھ کر فانی صاحب کی آتشِ عشق بھی بھڑک اٹھی اور مولانا حقانی صاحب کے نام اپنے منظوم دلی تاثرات لکھ بھیجے۔ منظوم تاثرات میں عشق رسولؐ ' دیار محبوب سے محبت' والہیت' وارفتگی' بے چینی اور بے قراری چھلکتی ہے اردو ادب' شعر و نظم اور تخیل کی بلند پروازیاں' ارباب فن جانتے ہیں ہم تو فانی صاحب کے ایک ایک شعر کے ساتھ وجد میں آتے اور بھڑک اٹھتے ہیں۔

برادرِ محترم و مکرم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

اُمید ہے مزاجِ گرامی بالخیر ہوں گے۔ ملاقات کے دوران ماہِ جنوری کے شمارۂ القاسم کا تذکرہ چھڑ گیا تھا، جیسا کہ راقم نے عرض کیا تھا کہ بندہ نے سرسری طور پر مضامین کے موضوعات اور عنوانات کا مطالعہ کیا ہے۔

---

* رکن القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ

ابھی بالاستیعات نہیں دیکھا ہے، واپسی پر پرچہ اُٹھایا، اور ادارتی تحریر جو کہ سفر حج کے متعلق ہے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ واہ عقیدت و محبت اور عشق و وارفتگی کی تسنیم و کوثر میں ڈوبی ہوئی ایک دلکش و دلربا اور حسین و دلنشین تحریر، جس سے مشامِ روح و جاں اور دل و دماغ معطر ہوئے بلکہ دل ناصبور کو جذب و کیف اور دنیائے وجد و شوق کی پُر بہار وادی میں پہنچا دیا۔ پرنم آنکھوں اور اشک آلودہ نین سے اسی تحریر دلپذیر سے بصارت اور بصیرت کو ٹھنڈک پہنچا تا رہا۔ ماشاء اللہ اس کے پڑھنے سے دل پر جو روحانی کیفیت طاری ہوئی اور وجدان و ذوق نے جو طراوت اور بالیدگی محسوس کی وہ بیان سے باہر ہے بلاشبہ یہ تحریر ادبِ عالی کا ایک حسین مرقع و مرصع ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ ...... ہے

تمام شب تری تحریر نے سونے نہ دیا
اسی کے کیف نے تاثیر نے سونے نہ دیا
عجب انداز میں یہ کیفیتِ قلب و جگر
وفورِ شوق کی تعبیر نے سونے نہ دیا
دلِ بے تاب کی وارفتگی کا حال نہ پوچھ
مقامِ عشق کی تفسیر نے سونے نہ دیا
ادبِ عالی کا فانؔی یہی ہے تاج محل
مجھے اس شوکتِ تعبیر نے سونے نہ دیا

(القاسم فروری ۲۰۱۰ء، ص:۴۹)

☆ ☆ ☆

رہروانِ شوق ہے ہم رہنما ہو یا نہ ہو
منزل مقصود کا ہم کو پتہ ہو یا نہ ہو
(فانؔی)

☆ ☆ ☆

مولانا زبیر احمد

عاشق رسول خدا، عالم باعمل، یادگار اسلاف

کیا گئے ...... بزم کی رونق چلی گئی

كل من عليها فان ويبقىٰ وجه ربك ذوالجلال والاكرام

ومن مذهبی حب النبی وکلامه　　　　وللناس مما يعشقون مذاهب

ماهرچه خوانده ایم فراموش کرده ایم　　　الاحديث يار كه تكرار مي كنيم

کہنے کو تو گل ہوا ہے فقط ایک ہی چراغ
سچ پوچھیے تو بزم کی رونق چلی گئی

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کی ایک علامت ان موتیوں کا ورد بھی ہے جو صاحب جوامع الکلم، پیغمبر علم وحکم نبی مکرم، رسول معظم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے رحمت بن کر برسے اور میراث علم بن کر چہارسو پھیلے ہیں۔جن کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جوہرشناس نگاہوں نے چن چن کر اپنے دامن میں سمیٹا اور پھر سخی بن کر سائلین علم اور شائقین عمل کو ان موتیوں سے مالا مال کیا۔پھر یہ سلسلہ نسل در نسل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین کی روحانی اولاد میں چلتا رہا کہ پہلے وہ خود اکتساب علم کرتے رہے اور پھر آنے والوں کے کاسہ گدائی (قلب) کو بھی لبالب علم کے موتیوں سے بھرتے رہے اور علمی خوشبو سے معطر کرتے رہے۔ برصغیر میں اس سلسلہ کو سند کے طور پر سب سے پہلے لانے کا اعزاز حکیم الامت، مجدد ملت، مبلغ قرآن وسنت سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے۔ پھر آپؒ کی پارسا اولاد واحفاد کے ذریعے یہ مبارک محنت کا سلسلہ اکابرین علماء دیوبند تک پہنچا ان علماء دیوبند میں ایک روشن نام استاذ العلماء محبوب الصلحاء، رائس الاتقیاء حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ کا بھی ہے، جنھوں نے پہلے تو سالہا سال دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی اور پھر پاکستان آکر دیوبند ثانی ''دارالعلوم حقانیہ'' کی بنیاد رکھی، جہاں تاریخ کے نامور ''درفرید'' پیدا ہوئے۔ دیگر اکابرین کی طرح حضرت مولانا عبدالحقؒ کا بھی میرے دادا جان خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان ؒ کے ساتھ بڑی ہی محبت وشفقت کا تعلق تھا اور دوسری طرف حضرت دادا جانؒ بھی بڑی محبت واحترام سے

پیش آتے۔ ملک میں چلنے والی تحریکات میں یہ شخصیات ایک سٹیج پر اکھٹی رہیں۔اور آج یقیناً خُلد بریں میں بھی دیگر اکابرین کے ساتھ یہ شخصیات بھی رب کریم کی کریمی سے لطف اندوز ہو رہی ہوں گی۔

دارالعلوم حقانیہ میں مسانید علم پر ہر دور میں نامور علماء اور شیوخ کا ورودِ مسعود رہا ہے۔ان میں ایک نام عاشق رسول خدا ﷺ ' عالم باعمل' یادگار اسلاف مجسمہ اخلاص' صاحب عجز و انکساری' نمونہ مہر و فا' پر تو اکابرؒ استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کا بھی ہے۔دارالعلوم حقانیہ کی مسند حدیث پر فائز ہونا ہی آپ کے اہل علم ہونے کی نشانی ہے، گو عمر تو قلیل پائی لیکن زاد راہ یعنی توشہ آخرت کثیر لے کر گئے۔ ایک بزرگ کا نہایت ہی قیمتی ملفوظ ہے' گناہوں میں لتھڑے ہوئے عشروں سے نیک اعمال والے چند سال بہتر ہیں۔ ہاں عمر نوح مثل کسب نوحؑ ہو تو پھر کیا کہنے اور حدیث میں نیک اعمال والی لمبی عمر کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ایک بزرگ کی عمر ستر سال سے تجاوز کر گئی' ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا بیٹا۔میری عمر صرف دو سال ہے۔ وہ شخص بڑا حیران ہوا اور کہا حضرت آپ تو بزرگ ہیں، خدارا! جھوٹ تو نہ بولیں' دو سال عمر کیسے ہوسکتی ہے؟ صدی کے دکھائی دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: بیٹا! ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔میری زندگی کے یہی دو سال ہیں جو گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنے میں گزرے ہیں اور بیٹا اصل عمر وہی ہے جو طاعت خداوندی میں گذر جائے۔حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ نے بھی ساری زندگی دین پڑھنے اور پڑھانے میں گزاری اور ایک ایسا نامہ اعمال خدا کے حضور لے کر گئے جہاں ایک طرف صرف ونحو کی مباحث لکھی ہوں گی تو ساتھ فقہ وادب کی عبارات بھی ہوں گی۔ ایک طرف ائمہ مجتہدین کے تذکرے ہوں گے تو دوسری طرف اپنے اکابرین کے علم و تقویٰ کا مثالی کردار بھی ہوگا۔پھر نامہ اعمال کے آخری حصہ میں ایک طرف قرآن مجید کی تفسیر ہوگی تو دوسری طرف عن ابی عمرؓ عن ابی هريرة ؓ'عن انس بن مالكؓ عن عائشةؓ قال قال رسول الله ﷺ کے پرنور الفاظ ہوں گے۔ایک اعرابی کی دعا کے بہترین الفاظ آج بھی حصن حصین کی زینت ہیں۔ اللهم اجعل خير عمري اخره وخير عملي خواتيمه وخيرايامي يوم القاك فيه (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے طفیل یہ دعا بندہ ناچیز اور تمام قارئین اور پوری امت کے حق اپنے فضل خاص سے قبول فرمائے۔امین)

اور یہ بات بالاتفاق سب جانتے ہیں کہ تمام خیر الامور میں بعد از فرائض درجہ علم کا ہے۔ایک حدیث میں ہے علم کا ایک مسئلہ بتا دینا سو رکعت نماز نفل سے افضل ہے اور علم کا پورا باب سکھا دینا ہزار رکعت نماز نفل سے افضل ہے اور علم کا پورا باب سکھا دینا ہزار رکعت نماز نفل سے افضل ہے۔ ایک عالم دین کی مغفرت اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر فرمادی کہ ایک بار راستے میں اس سے ایک بڑھیا نے دین کا ایک مسئلہ پوچھ لیا تھا۔انہوں نے وہ مسئلہ بتا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی مغفرت کا ذریعہ بنادیا اور علم میں قرآن وحدیث کا مقام کسی سے مخفی نہیں۔قرآن مجید کے

بعد دوسرا نمبر حدیث شریف کا ہے۔

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ فرمایا کرتے تھے‘ حدیث شریف کا علم تمام علوم میں ممتاز ہے کیونکہ قرآن مجید جو علم کی بنیاد ہے وہ اس کے بنا سمجھ میں نہیں آ سکتا۔قرآن مجید علم کا محل‘ حدیث شریف اس کا دروازہ اور فقہ اس کی سیڑھیاں اور علماء ان تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔حدیث شریف پڑھانے والے کو تو خود سرکار دو عالم‘ روح دو عالم‘ جان دو عالم‘ پیغمبر دو عالم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا۔

نضر الله عبداً سمع مقالتی فحفظها و وعاها و اداها (سر سبز و شاداب رہے) خوش رکھے‘ شاد رہا‘ آباد رہے میرا وہ امتی جو میری بات سنے پھر اسے یاد کرے پھر اسے محفوظ رکھے اور پھر اسے دوسروں تک پہنچائے۔(اللھم اجعلنا منھم و معھم)

اب حدیث شریف پڑھنے‘ پڑھانے اور یاد کرنے والے کو یہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ خبر نہ پانے کے باوجود نبوت کے مستجاب الدعوات لبوں سے نکلی ہوئی دعا کا مستحق ہو جاتا ہے۔اور جس کے لئے دعا سرکار دو عالم ﷺ کی ہو اس کے دونوں جہان آباد ہو گئے۔محدثین نے اس دعائیہ حدیث کی شرح میں ایک بڑا علمی نکتہ لکھا ہے کہ یہ دعا دیتے وقت آنحضرت ﷺ نے دنیا کی قید نہیں لگائی کہ نضرا الله عبداً فی الحیواۃ الدنیا اوفی حیاته کے الفاظ نہیں فرمائے بلکہ نضرا الله عبداً کو زمانہ کی قید سے پاک کر کے دعا دیتے ہوئے اشارہ فرمایا کہ میری باتیں سیکھنے اور سکھانے والے دونوں جہانوں میں آباد ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی زندگی کو قابل رشک ہوتی لیکن ان کی موت بھی قابل رشک ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو ایک طرف تو دعا پیغمبرانہ ہے (علیہ الصلوۃ والسلام ابداً ابداً) اور دوسری طرف یہ اہل علم اور محدثین بھی امام الائمہ المحدثین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام المحدثین سیدنا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سلسلۃ الذھب کا ایک بے مثل اور قیمتی بندھن ہیں جن کی قبروں سے خوشبو مہکی اور جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ تو اپنی تصانیف میں یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے ہیں ان کا سلسلہ گنبد خضریٰ سرکار دو عالم ﷺ سے نورانی تاروں (شعاعوں) سے جڑا ہوتا ہے‘ چونکہ حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ جامعہ کے استاد الحدیث تھے۔اس مناسبت کی وجہ سے حدیث شریف پڑھانے والوں کا مقام اس مضمون میں بیان کیا ہے جو ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ پر پورا پورا صادق آتا ہے۔باقی ایک شخص اخلاص وللّٰہیت سے نورانی قاعدہ پڑھاتا ہے تو اسکا مقام بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کی وجہ سے اس صاحبِ علم سے بلند ہے جو اپنے اندر ریا

کا شکار ہے (اعاذنا اللہ مع)

الحمدللہ ہمارے اکابرین میں اخلاص کا یہ عالم تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی رحمۃ اللہ میں جہاں صفت اخلاص کمال درجہ کی تھی، وہیں قدرت نے آپؒ کو عاجزی سے بھی خوب نوازا ہوا تھا۔ بندہ ناچیز کے ساتھ حضرت دادا جانؒ کی نسبت کی وجہ سے بہت محبت فرماتے (اللہ تعالیٰ اس نسبت کو بالا یمان اپنے فضل سے دونوں جہانوں میں سلامت رکھے۔ آمین)

جب بھی بات ہوتی تو فرماتے: میں تمہارے لئے دعا کرتا رہتا ہوں' تم میرے لئے دعا کیا کرو۔ ایک بار مجھے فرمایا میں نے آپ کے دادا جان حضرت خطیب اسلامؒ پر منظوم کلام لکھا ہے' اپنی کتاب میں اس کو شامل کر رہا ہوں۔ تم مجھے ان کی زندگی کا مختصراً خاکہ لکھ کر بھیجو' تفصیل میں خود کرلوں گا۔ وہ ہمارے اکابرؒ میں سے تھے اور ان کے ساتھ مجھے بھی نشست و برخاست کا شرف حاصل ہے۔

فانی کا لاحقہ آپؒ کی عاجزی و فکر آخرت کی ایک بہترین مثال ہے۔ آپؒ کی ایک اور بات جس نے مجھے بہت متاثر کیا وہ عربی' فارسی' اردو اور پشتو ادب پر عبور تامہ کا ہونا ہے۔ آپؒ کا ان زُبانوں میں منظوم بہترین کلام ادبی تاریخ کے ماتھے کا وہ جھومر ہے جس کو خریدنے کیلئے خود تاریخ کو بھی ایک تاریخ کی ضرورت رہے گی۔

ادیب العصر' شیخ کامل اور محبوب سبحانی
کہ ہم عصروں میں اب تک کوئی نہیں تیرا ثانی
خدائے لم یزل نے تجھ کو بخشا کیف حسانیؓ
تھا تو اپنی مثال آپ اے میرے ابراہیم فانیؒ

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ان گنت درود و سلام نازل فرمائے اور وہ باقی اپنے بندے (مولانا) محمد ابراہیم فانیؒ سمیت تمام اکابرینؒ و جمیع مسلمانوں کی قبور پر کروڑ ہا رحمتیں نازل فرماتے۔ آمین ثم آمین

☆ ☆ ☆

تلخیء ساغر پہ تجھ کو ناز ہے پیر مغاں
ہم بھی یاں پر تلخیء ایام لے کر آئے ہیں
(فانؔی)

☆ ☆ ☆

مولانا حافظ محمد قاسم حقانی

حرمین شریفین سے عقیدت و محبت

پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنی کتاب ''گنج ہائے گرانمایہ'' میں لکھتے ہیں۔ ''موت سے کسی کو مفر نہیں لیکن جو لوگ ملی مقاصد کی تائید وحصول میں تا دم آخر کرتے رہتے ہیں، وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں، ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے۔''

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ پر یہ جملہ کامل طور صادق آتا ہے، آپؒ نے اپنی زندگی علم وادب کی نشرواشاعت اور ترقی وترویج کیلئے وقف کردی تھی، آنحضرت ﷺ اور حرمین شریفین سے آپ کی محبت دیدنی تھی۔ ۲۰۱۰ء میں والد محترم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ سفرحج پر تشریف لے گئے تھے، فانی صاحبؒ مبارکباد کے لیے جامعہ ابوہریرہ تشریف لائے، اس وقت جو علم وادب سے بھرپور مجلس ہوئی تھی، مولانا مفتی شاہ اورنگزیب حقانی نے اسے ضبط کیا تھا، وہی نذرِ قارئین ہے......

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ جامعہ ابوہریرہ تشریف لائے، مولانا عبدالقیوم حقانی کو حج کی سعادت حاصل کرنے پر منظوم ہدیۂ تبریک پیش کیا، اس موقع پر انھوں نے مولانا عبدالقیوم حقانی کے تحریری کام کے حوالے سے ایک اہم بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ:

''احقر نے اپنے والدمکرم صدر المدرسین شیخ الحدیث مولانا عبدالحلیم زروبویؒ کے انتقال کے بعد اپنی پہلی کتاب ''افاداتِ حلیم'' مرتب کرکے شائع کی تو حقانی صاحب بہت خوش ہوئے اور مجھے بار بار کہتے رہے کہ ''تم صاحبِ تصنیف بن گئے' تم صاحبِ تصنیف بن گئے''۔

میں نے عرض کیا: یہ کیا مشکل ہے تم بھی تو صاحبِ تصنیف بن سکتے ہو۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے متعلق تمہاری آٹھ دس قسطیں ماہنامہ الحق میں چھپ چکی ہیں، انہیں مرتب کرلو تو تم بھی صاحبِ تصنیف بن جاؤ گے۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ حقانی صاحب نے دوسرے روز ماہنامہ 'الحق' سے اپنے مضامین کی تمام قسطیں فوٹو کاپی کرالیں اور کام شروع کردیا، پھر مسلسل اضافے کرتے رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مولانا حقانی کی شہرہ آفاق کتاب ''دفاع امام ابوحنیفہؒ'' مرتب ہو کر منظر عام پر آگئی۔ بڑی خوبصورت' دیدہ زیب' ٹائٹل زرد رنگ کا جاذبِ نظر کاغذ۔ میں نے دیکھا تو بے اختیار میرے منہ سے نکلا ''فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِيْنَ (البقرۃ:۶۹) (خوب گہری جو دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی

ہو) کا مصداق ہے۔اس طرح گویا ''شاملِ جمالِ گل'' میں ہمارا لہو بھی ہے۔ پھر حقانی صاحب کا قلم مسلسل آگے بڑھتا رہا، استاذِ مکرم مولانا سمیع الحق مدظلہٗ برابر تشجیع وحوصلہ افزائی کرتے رہے۔شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی خصوصی نظرِ عنایت وتوجہ بھی انہیں حاصل رہی۔ ماہنامہ 'الحق' کی خدمت و ادارت نے ان کی صلاحیتوں کو جِلا بخشی اور وہ مسلسل ترقی وکمال کے منازل طے کرتے رہے اور ایسے چلے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا .... ؎

یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا

ہم محوِ نالہ جرسِ کارواں رہے

ہاں! دفاع امام ابوحنیفہؒ جب پہلے پہلے منظرِ عام پر آئی تو معاصرین اور بعض اکابرین نے بھی اپنے حقِ نقد و جرح اور فطری معاصرت کے تقاضوں کو نبھایا۔تب میں نے حقانی صاحب سے عرض کیا تھا: لوگوں کی تنقیدات و اعتراضات پر دل گیر نہ ہوں، اپنے کام اور مشن سے سروکار رہے یہ لوگ یا تو آپ کے بزرگ ہیں، ان میں آپ کے اساتذہ بھی ہیں، معاصرین ہیں تو وہ بھی اپنے کو آپ کا حصے دار اور شریکِ کار سمجھتے ہیں اور انہیں حقِ تنقید ملنا چاہیے ...... ؎

ہاں! میں نے لہو اپنا گلستان کو دیا ہے

مجھ کو گل و گلزار پہ تنقید کا حق ہے

حضرت فانؔی صاحب نے ناظمِ دفتر سے شرح شمائل ترمذی اور توضیح السنن طلب کئے اور ارشاد فرمایا :

''شرح شمائل ترمذی' درسی اعتبار سے ایک عمدہ اور جامع و نافع اور کامل شرح ہے۔اساتذۂ حدیث اور طلبۂ دورۂ حدیث اسے بے حد پسند کرتے ہیں۔توضیح السنن ایک فائق و لائق عالمِ دین مجھ سے لے گئے ہیں اور پھر قبضہ کرلی ہے کہ میں اس سے استفادہ کرتا رہوں گا''۔

اسی مجلس میں حضرت والد صاحب کو وہ فارسی نظم بھی پیش کی، جوانہوں نے سفیر امن شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ کو حج بیت اللہ سے واپسی پر استقبالیہ تقریب میں پیش کی تھی وہ بھی ملاحظہ ہو،علم وادب اور عقیدت ومحبت کا عظیم شہ کار ہے۔

مرحبا از گلشن محبوب رب العالمین:

مورخہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۸۲ء کو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ جب حج بیت اللہ شریف سے واپس تشریف لائے،تو آپ کے لئے قدیم دارالحدیث ہال میں استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا۔اس موقع پر بندہ کی

فارسی نظم برادرِ مکرم حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی نے سنائی، جس پر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ بہت محظوظ ہوئے۔ اس موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہٗ بھی تشریف فرما تھے۔ وہ نظم درج ذیل ہے، جبکہ یہ نظم الحق بابت نومبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوچکی ہے۔ (فانی غفرلہٗ)

مرحبا اے زائر بیت الحرم خوش آمدی — مرحبا اے استاذ محترم خوش آمدی
مرحبا از مسکنِ محبوبِ ربّ العالمیں — مرحبا از مدفنِ محبوبِ ربّ العالمیں
مرحبا از مولدِ شمس الھدیٰ بدر الدجیٰ — مرحبا از مرقد خیر الوریٰ صدر العلیٰ
مرحبا اے نورِ چشم شیخ و مولانائے ما — حج تو مبرور افتد بر درِ مولائے ما
مرحبا خوش آمدی از مہبط روح الامیں — از حریم مکہ و از وادئی بطحائے ما
مرحبا از روضۂ ختم الرسل محبوب کہل — و ز ریاض رشکِ جنت جنۃ الماٗوائے ما
مرحبا از کوئے آں یارے نگارے خوشترے — آں حبیبے آں طبیبے جملہ علّتہائے ما
مرحبا از جلوہ زارِ کعبہ و اُم القریٰ — آں خنک شہرے کہ بروئے جان و دل شیدائے ما
رحم کن مولا بہ فانؔی عاجز و بیچارۂ — برطفیل مصطفیؐ آں شاہد زیبائے ما
مرحبا از موردِ شمس الھدیٰ بدر الدجیٰ — مرحبا از مسجد خیر الوریٰ صدر العلیٰ
مرحبا از گلشنِ محبوب رب العالمیں — مرحبا از موطن محبوب رب العالمیں
مرحبا اے صاحبِ معجز قلم خوش آمدی — از دیارِ سیّدِ فخر اُمم خوش آمدی

والد محترم کے ادارتی تحریر "اسفارِ حج وعمرہ" سے متاثر ہوکر عشق ووارفتگی کی تسنیم وکوثر میں ڈوبی ہوئی مکتوب ارسال کیاہے قارئین اس سے بھی حظِ وافر حاصل کریں۔

وارداتِ قلب وجگر:

برادرِ محترم ومکرم حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانؔی زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! اُمید ہے مزاجِ گرامی بالخیر ہوں گے۔ ملاقات کے دوران ماہِ جنوری کے شمارۂ القاسم کا تذکرہ چھڑ گیا تھا، جیسا کہ راقم نے عرض کیا تھا کہ بندہ نے سرسری طور پر مضامین کے موضوعات اور عنوانات کا مطالعہ کیا ہے۔ ابھی بالاستیعاب نہیں دیکھا ہے، واپسی پر پرچہ اُٹھایا، اور ادارتی تحریر جو کہ سفرحج کے متعلق ہے اس کا مطالعہ شروع کیا۔ واہ عقیدت ومحبت اور عشق ووارفتگی کی تسنیم وکوثر میں ڈوبی ہوئی ایک

دلکش و دلربا اور حسین و دلنشین تحریر، جس سے مشامِ روح و جاں اور دل و دماغ معطر ہوئے بلکہ دل ناصبور کو جذب و کیف اور دنیائے وجد وشوق کی پُر بہار وادی میں پہنچا دیا۔ پرنم آنکھوں اور اشک آلودہ نین سے اسی تحریر دلپذیر سے بصارت اور بصیرت کو ٹھنڈک پہنچاتا رہا۔ ماشاء اللہ اس کے پڑھنے سے دل پر جو روحانی کیفیت طاری ہوئی اور وجدان و ذوق نے جو طراوت اور بالیدگی محسوس کی وہ بیان سے باہر ہے بلاشبہ یہ تحریر ادبِ عالی کا ایک حسین مرقع و مرصع ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ ...... ؎

تمام شب تری تحریر نے سونے نہ دیا ۔۔۔ اسی کے کیف نے تاثیر نے سونے نہ دیا
عجب انداز میں یہ ِ قلب و جگر ۔۔۔ وفورِ شوق کی تعبیر نے سونے نہ دیا
دلِ بے تاب کی وارفتگی کا حال نہ پوچھ ۔۔۔ مقامِ عشق کی تفسیر نے سونے نہ دیا
ادبِ عالی کا فانؔی یہی ہے تاج محل ۔۔۔ مجھے اس شوکتِ تعمیر نے سونے نہ دیا

☆ ☆ ☆

زندہ ہوں لیکن شہیدِ عشق بھی
یہ حیات جاودانی اور ہے
ہوں مرید میر و غالب شعر میں
پھر بھی لیکن رنگِ فانؔی اور ہے
(فانؔی)

روز و شب گاتا تھا جو نغمے تمہاری یاد میں
وسعت صحرا میں وہ نغمے فنا ہوتے گئے
(فانؔی)

☆ ☆ ☆

باب ششم:

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحبؒ

منظوم تاثرات

یہ نہیں ہے قصہ لیلےٰ و قیس
درد کی میری کہانی اور ہے

زندہ ہوں لیکن شہید عشق بھی
یہ حیات جاودانی اور ہے

ہوں مرید میر وغالب شعر میں
پھر بھی لیکن رنگِ فانیؔ اور ہے

جناب عابد ودود لندن

فنا کے ہاتھ میں تحلیل ہو رہی ہے حیات

بھلانا چاہوں تو اس کو بھلا نہیں سکتا
میں اپنے آپ کو خود سے چُرا نہیں سکتا
فنا کے ہاتھ میں تحلیل ہو رہی ہے حیات
میں خواب ہوں کہ حقیقت بتا نہیں سکتا

شگفتگی کا ہے موسم مگر ستم یہ ہے
کہ دشت روح میں اک گل کھلا نہیں سکتا
یہ میرے ہاتھ تو دیکھو میرے ستارہ شناس
انہیں دعا کے لئے کیوں اٹھا نہیں سکتا

یہ حکم ہے مرے روشن ضمیر منصف کا
کہ گھر میں بھی کوئی شمع جلا نہیں سکتا
وہ آندھیوں سے بھلا کیا مقابلہ کرلے
دیئے کی لو جو ہوا سے بچا نہیں سکتا

ہو میرے ہونٹوں پہ اک بات، دوسری دل میں
میرا ضمیر یہ تہمت اٹھا نہیں سکتا

محمد اسعد مدنی*

اشکہائے غم

قلب مضطر میں تلاطم اور طغیانی ہے آج
اشکہائے غم کی بارش کتنی طوفانی ہے آج

چارسو گلشن میں ویرانی ہی ویرانی ہے آج
کس قدر سنسان ہائے بزمِ حقانی ہے آج

کل تلک تھیں محفلوں میں جس کے دم سے رونقیں
آہ نظروں سے چھپی وہ شکلِ نورانی ہے آج

بحر تجھ سا علم و فن کا اب کہاں سے آئے گا
حلقہائے علم پر چھائی پریشانی ہے آج

شاعری میں کون تیری پُر کرے گا اب خلا
محو گریہ تجھ پہ خود تیری سخن دانی ہے آج

زندگی میں کیوں نہ تیری ہم نے پہچانی قدر
خلق، حسرت کی بنی تصویر اے فانؔی ہے آج

تیرے جانے سے نہ کوئی لطف باقی اب رہا
گرچہ گلشن میں عنادل کی فروانی ہے آج

یہ کرامت ہے تری اے فانی رنگین نوا
طبعِ رونؔق خوب جو سرگرمِ جولانی ہے آج

* متعلم جامعہ تحسین القرآن حکیم آباد نوشہرہ

جناب سلطان فریدی*

نعت

حافظ محمد ابراہیم فانی مرحوم کی ایک پشتو نعت کا اردو منظوم ترجمہ

ہے ہدایت آپؐ کی گویا عطا کی روشنی
بے شبہ شمس وقمر کی سی صفا کی روشنی

دی صدا فاران کی چوٹی سے جس دم آپؐ نے
ہر طرف چھانے لگی غارِ حرا کی روشنی

تھی جہالت شرک اور کفران کی چاروں طرف
آپؐ آئے' آگئی گویا ھدیٰ کی روشنی

جنت الفردوس کو پانا کبھی ممکن نہیں
ساتھ ہو جب تک نہ اس خیرالوریٰ کی روشنی

کتنی مشکل ہو زیارت آپؐ کی' پہنچوں گا میں
دل میں پلتی ہے تمنائے رَسا کی روشنی

آپؐ کی اُلفت سے قائم ہے مرا ایمان جب
ساتھ لے جاؤں گا فانی میں عطا کی روشنی

---

* شاعر وادیب' زروبی صوابی

ابرار حسین الرستمی حقانی

قصیدة فی رثآء

الشیخ محمد ابراهیم الفانی رحمه اللّٰه

لسع الزمان قلوبنا تتفجع   بفراق روح الشیخ اِن تتقطع

یا ساکن الدّار الفنا أبشر فأن   تَ الآن فی دارالبقاءِ تمتع

باللّٰه یا فانی الفناباللّٰه قل   هل أنت فی ربع الخلآء توسّع

بکتِ السّمآء بکآءَ ثکلیٰ حینما   سمعت بموتك تندفی تتدمّع

والأرض ما برحت تحرّك تضطرب   نبعت ینا بیع الدّمآءِ تصدّع

خلّفتنا و رحلت أنت لوحد کا   کؤس المرارةِ حنظلا نتجرّع

أفجعتنا بالبین یوم ترکتنا   کلمیٰ کلوما لم نزل نتوجّع

مااِن نجد من سد مسدك فی التقیٰ   سمَّیت نفسك فانیا تتخضّع

حقّا فنیت الیوم من أبصارنا   لکن ستبقیٰ منعما تترفّع

طوبیٰ لك السکنیٰ جنانا فی العلیٰ   فیها تجول مکرّما تترعرع

صبراً قریح البال یا "أبرار" اِن   کل سیرحل حبّذا المستودع

مما لاجدال فیه أن ّ الأستاذ محمد اَبراهیم الفانی رحمه اللّٰه شیخ الحدیث بدارالعلوم الحقّانیة کانت له ملکة راسخة فی علم الشعر والأدب فی اللغات الأربع العربیّة والفارسیّة والأردیّة والبشتیّة وخلف فی ذلك تراثا قیّما تفتخربه المکتبة الاِسلامیة فاقتدآء بالشیخ رحمه اللّٰه وتأسّیا به نظمت هذه الأبیات التافهة والأزهار الزابلة هدیّة اِلی روح الشیخ أسکنه اللّٰه فی فسیح جنانه وما أنا فیه اِلّا حاطب اللیل فیزینکم أن تعذرونی فی الأخطاء۔

حافظ محمد فضل عظیم اسعد *

اَلَا یَا اَخِیْ! سِرَاجَ المَحَافِلِ

اَ لَا یَا اَخِیْ! سِرَاجَ المَحَافِلِ　　رَحَلْتَ اِلَی العُقْبٰی بِحُزْنِ الْاَمَاثِلِ

فَنَحْنُ بِحَاجَةٍ اِلَیْکَ شَدِیْدَةٍ　　بِقَحْطِ الرِّجَالِ رُحْتَ ، اُ فًّا بِرَاحِلٍ

نَسِیْتَ وِدَادَناً وَاَحْزَنْتَنَا لِاَیْش　　وَآهًا سَتَرْتَ الْوَجْهَ رَمْسَ المَجَاهِلِ

اَضِئْی یَا ضِیَاءَ العِلْمِ شَمْسًا مُّنِیرَةً　　قلوبَ طلابِ العلم مِن کُلِّ سَائِلِ

اَزِلْ عَنْکَ یَا فَانِی! حِجَابًا ، اَ نُزِلَنَا　　بِنورِالعلومِ بَعْضَ صَعب اَلمسائِلِ

اَ لَا کُنْ شریکاً فی مشاعرةُ الْاَدَبْ　　وَقُلْ بَعْضَ اشعارٍ تکُنْ خَیْرَ قَائِلِ

وَدَرِّسْ کِتَابًا مُّسلِمًا ، اِیْتِ مجلساً　　وَهَا ، سَلِّ اِخْوانًا وابناءَ کامِلِ

فَیَاعَالِمَ النحریر یا صَاحِبَ التحریْرِ　　یَا مَاهِرَ التقریر، خیرَالافَاضِلِ

ذَهَبْتَ تَرَکْتَنَا حَیَارٰی بشکوَ ةٍ　　وَدَارُالعلومِ الیومَ فِی حَلِّ حَائِلِ

وفضل العَظیمِ الاَسْعَدُ الیومَ حَاضِرٌ　　عَلٰی رَمْسِ حِبٍّ لایُجِیْبُ لِآمِلِ

---

* جندول ،دیر

باب ہفتم:

تذکرۂ وسوانح پیر طریقت

حضرت مولانا سید رحیم اللہ باچا صاحبؒ

حضرت باچا صاحب مرحوم کے حوالے سے تعزیتی مضامین

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

نقش آغاز: بسم اللہ الرحمن الرحیم راشد الحق سمیع حقانی

پیر طریقت حضرت مولانا محمد رحیم اللہ عرف باچا صاحب کی رحلت

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانیؒ کی لرزہ دینے والی جدائی کے تیسرے دن ایک اور سانحہ ء فاجعہ نے بچی کچھی صبر وتوانائی کی جمع پونجی بھی لُوٹ لی۔ صبح سویرے ہر جانب سے حضرت باچا صاحب کی رحلت کی افسوسناک خبریں آنے لگیں۔ یقین جانیئے کہ صبرو برداشت کا جو پُشتہ حضرت فانی صاحب کی جدائی کے سبب شکست و ریخت کے باعث کمزور ہو چلا تھا، اچانک حضرت باچا صاحبؒ جیسی ملکوتی صفات کی حامل شخصیت کی وفات سے وہ بھی منہدم ہوگیا۔ ع گھر میں کیا تھا جو تیرا غم اُسے غارت کرتا

پیکر حلم وتواضع، مردِ درویش، مردِ قلندر، تقویٰ کے پہاڑ، صبر وتوکل کے کوہ گراں حضرت مولانا محمد رحیم اللہ عرف باچا صاحب اس گئے گزرے دور میں اپنی مثال آپ اور قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کی زندہ جاوید تصویر تھے۔ آپ محاوروں، مبالغوں، ادبی استعاروں اورافسانوی گھڑی ہوئی کہانیوں کے کردار کی حامل شخصیت نہیں تھے بلکہ پوری ذمہ داری کیساتھ یہ لکھ رہا ہوں کہ اس مادیت کے گئے گزرے دور میں حضرت مولانا محمد رحیم اللہ باچا صاحب اپنی مثال آپ تھے۔ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ انکو یدِ بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

حضرت والد صاحب مدظلہ نے ان کے حینِ حیات میں کئی مرتبہ ہمیں فرمایا کہ حضرت باچا صاحبؒ جیسی مبارک اور برگزیدہ شخصیت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ شخص حضراتِ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے قافلے سے چلتے چلتے اس عہد میں رہ گئے۔ حضرت باچا صاحبؒ کی بابرکت نورانی شخصیت پر مجھ جیسے سیاہ کار اور بے بضاعت کیا روشنی ڈالیں گے؟ اور کیا مدح وتعریف کرسکیں گے؟ جن حضرات نے حضرت باچا صاحبؒ کو نہیں دیکھا آج اگر اِن کے سامنے اُن کی دلکش شخصیت اور اِن کے بلند وبالا ملکوتی صفات کی حامل ہستی کے بارے میں اگر صدہا صفحات بھی لکھے جائیں تو بھی اِن کا کما حقہ احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ بس یوں سمجھئے کہ سفید لباس، سفید چادر، سفید طویل داڑھی اور انتہائی سرخ وسفید خوبصورت چمکتی ہوئی پیشانی، لب، حسن اخلاق اور تکلم کی شیرینی سے گویا کھلتا ہوا گلاب المختصر انسانی سراپے میں فرشتہ زمین پر نظر آتے تھے۔

؎ آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں درزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیز دیگری

بہرحال حضرت مولانا رحیم اللہ باچا صاحبؒ خود فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے بھائی کو دارالعلوم میں داخلے کے

لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اور اِن کے داخلے کی کاروائی کے بعد حضرت نوراللہ مرقدہ نے میری جانب توجہ فرمائی اور مجھے فرمایا کہ آپ بھی یہاں پر دارالعلوم میں داخلہ لے لیں۔میں نے گزارش کی کہ کچھ درجات کی کتابیں پڑھ چکا ہوں اور کچھ کتابیں درمیان میں رہ گئی ہیں۔لیکن حضرت نے فرمایا کہ تم بھی داخلہ لے لو'پھر بعد میں یہ کتابیں بھی پڑھ لو گے۔یوں ایک مہمان بھی دارالعلوم کا طالب علم بن گیا،لیکن چونکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کی قلندرانہ نگاہوں نے اِس گوہر نایاب اور علم و تقویٰ کے چھپے ہوئے چشمہ فیض وہدایت کو بھانپ لیا تھا' اسی لئے ایک مہتمم محدثِ کبیر ایک سادہ اور نحیف طالب علم سے دارالعلوم میں داخلے کی تمنا اور اصرار کررہے تھے۔ اِس سے اندازہ کریں کہ ابتداء سے حضرت مولانا محمد رحیم اللہ باچا صاحب علم و معرفت کی کن کن رفعتوں پر فائز تھے۔ ولی را ولی می شناسد قدر گل بلبل شناسد

دارالعلوم حقانیہ کی ستاسٹھ سالہ تاریخ میں حضرت مولانا محمد رحیم اللہ باچا صاحب واحد تنہا فارغ التحصیل طالبعلم تھے جو باوجود صوبہ خیبر پختونخوا کی بہت بڑی قدآور روحانی شخصیت اور ایک بہت بڑے تعلیمی ادارے کے مہتمم و سرپرست ہونے کے باوجود برسہا برس ،وسیع وعریض مادر علمی دارالعلوم حقانیہ میں بغیر جوتوں کے عقیدت و محبت کے باعث ننگے پاؤں پھرتے رہتے اور فرماتے مجھے یہ گوارا نہیں کہ اپنے مادر علمی اور اپنے شیخ مولانا عبدالحقؒ کے مرکز میں جوتوں سمیت اَکڑ کر چلوں۔حضرت باچا صاحب برسہابرس اپنے علاقہ اضاخیل میں اپنے علمی اور روحانی فیض کا سلسلہ چلاتے رہے پھر جب علاقہ کی مسجد تنگ پڑ گئی تو آپ نے توکل علی اللہ جامعہ اسلامیہ کی بنیاد حضرت مولانا عبدالحقؒ کے ہاتھوں رکھوائی۔گاؤں کی سڑک کے متصل زمین پر آلتی پالتی مار کر مدرسے کیلئے خود چندہ جمع کرتے۔سارا دن گاڑیوں کی دُھول اور دھوپ کی شدت جھیل کر مدرسہ ومسجد کی تعمیر کیلئے اتنی زیادہ زحمت برداشت کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب ان کی فنائیت' تواضع اور اخلاص اور مدرسہ ومسجد کیلئے انکے دیوانہ وار جذبے کی بھرپور قدر کرتے ہوئے آناً فاناً مخلوق اور اہل خیر کے قلوب آپکے جامعہ کی تعمیر و ترقی کیلئے مائل کرادیئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم الشان وسیع وعریض بلند وبالا ہاسٹلوں' درسگاہوں سے مزین جامعہ اسلامیہ ہمیں نظر آیا اور ساتھ ہی صوبہ خیبر پختونخوا کا سب سے بڑا بنات کا مدرسہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے بن گیا۔ یہ حضرت کی واضح کرامت تھی ۔آج یہ جامعہ رُشد و ہدایت کا ایک بڑا مرکز بن گیا ہے،حضرت باچا صاحبؒ جیسے بڑی صوفی باصفا' شریعت وطریقت کے مجمع البحرین روحانی شخصیت ہمارے خاندان اور خصوصاً مجھ جیسے ناکارہ و برادرم مولانا حامد الحق کیلئے پیرومرشد سے بڑھ کر تھے۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ان کی خاص توجہات اور برکات سے ہم جیسے تہی دامن مدتوں اکتساب فیض کرتے رہے۔ ہائے افسوس موت کے ہاتھوں آپ جیسی عظیم ہستی کو بھی ہم نے گنوا دیا۔حقیقت میں یہ دارالعلوم اور خاندان حقانیہ کا سانحہ ہے۔ ع متاعِ دین و دنیا لُٹ گئی اللہ والوں کی

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

آہ! حضرت باچا صاحبؒ کی وفات

برادرم مکرم سید نثار صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ آضاخیل ''دارالعلوم حقانیہ میں میرے شریک رہے ہیں مولانا فضل مولا صاحبؒ کے درسِ مطول شراکت کی خوب یاد ہے۔ ویسے تو وہ اپنی شرافت اور خوش مزاجی کی بدولت ہم مکتب تمام طالب علم ساتھیوں کے ساتھ قرب ومحبت کا علاقہ رکھتے تھے لیکن اس گنہگار کے ساتھ ذہنی رابطہ سے بڑھ کر عملی رابطہ بھی استوار تھا جس کا عملی ثبوت یہ تھا کہ میں کبھی کبھار اُن کے ساتھ اُن کے گاؤں آضاخیل بھی آیا جایا کرتا تھا اور اسی آمدورفت میں ان کے بڑے بھائی مولانا رحیم اللہ صاحب اور چھوٹے بھائی فرمان اللہ صاحب سے بھی نہ صرف تعارف بلکہ نیازمندانہ تعلق بھی پیدا ہوا۔ جولوگ اس خاندان کو قریب سے جانتے ہیں اُن سب کے دلوں میں ان تینوں بھائیوں کے پُرخلوص رویوں، مہمان نوازی اور فیاضی کا نقش خاصا مستحکم ہے۔ مجھے اپنی اس خوش قسمتی پر نہ صرف خوشی بلکہ ایک گونہ فخر ہے کہ اُس زمانے سے لے کر آج تک نہ صرف یہ تعلق قائم بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا آیا ہے۔ کم وبیش اس پینتالیس سالہ رفاقت میں اب تک کوئی رخنہ واقع نہیں ہوا اور دُعا ہے کہ آئندہ بھی تاحیات یہ سلسلہ جاری رہے۔

مجھے یاد ہے کہ برادر محترم سید نثار صاحب راولپنڈی صدر میں قاری سعید الرحمٰن کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ میں استاد تھے۔ میں ان سے ملنے اُن کے پاس آیا تھا انہوں نے کہا کہ کوئی آدمی ہے جو مدرسہ بنانے کے لئے کچھ زمین عطیہ دے رہا ہے کیا کروں میں نے عرض کیا کہ باچا صاحب! قرآن وحدیث کی درس وتدریس ہمارا زندگی بھر کا مشغلہ ہے اگر کوئی ازخود پیشکش کررہا ہے تو مدرسہ بنانے میں کیا حرج ہے آئے روز کی تبدیلیوں سے یکسوئی متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتی اس پس منظر میں اپنا مدرسہ بساغنیمت ہے بہرحال آضاخیل میں ایک مدرسہ مقدر تھا، سو وہ بنا، اور آج اُس کا فیض روز روشن کی طرح عیاں ونمایاں ہے۔

مدرسہ بننے سے پہلے بھی یہ خاندان اپنے آس پاس میں رسوخ کے حوالے سے اچھی شہرت کا حامل تھا لیکن مدرسہ بننے کے بعد اس میں خاطر خواہ اضافہ ہوا جس قدر وقیمت کا اندازہ ''مشر باچا صاحب'' کے جنازے میں لوگوں کی غیر معمولی کثرت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

چونکہ میرا بھی علمی سلسلے کے ساتھ تھوڑا بہت تعلق ہے اور اسی حوالے سے اہلِ علم کے ساتھ میل ملاپ، آمدورفت اور ہم نشینی کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ دوسرے انسانوں کی طرح علماء کرام میں بھی مزاجوں اور وضع قطع کا فرق وتفاوت امر طبعی ہے کسی میں کوئی صفت بہت واضح اور ممتاز ہوتی ہے اور کسی دوسرے میں کوئی دوسری صفت زیادہ نمایاں وعیاں ہوتی ہے۔ مجھے مولانا رحیم اللہ صاحب میں عاجزی وانکساری کی صفت اس درجے میں محسوس

ہوتی تھی کہ کسی دوسرے میں میرے مشاہدے میں کہیں نہیں آئی تھی ۔ میں نے اُن کو بارہا مہمانوں اور خاص کر علماء کی جوتیاں سیدھی کرتے دیکھا میں نے عمر بھر تواضع کا یہ منظر کہیں نہیں دیکھا یہی وجہ ہے کہ میں عام طور پر آضاخیل کے پاس سے کبھی کہیں گزرتا تو باچا صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا اور اُن کی شفقتوں اور دُعاؤں سے بہت سکون حاصل ہوجاتا تھا۔ مولانا رحیم اللہ صاحب (باچا صاحب) کی سخاوت اور فیاضی بھی بہت مشہور تھی اپنے جیب میں قسما قسم کے پاکستانی نوٹ رکھتے اور ہر کسی کو اُس کے علمی مقام و مرتبے کے موافق کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ۔ میں نے کئی لوگوں کو ان کے عطا کردہ نوٹ کو شیشے کے فریم میں بند کرتے سُنا ہے، اور یار لوگوں میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ یہ نوٹ دوسرے نوٹوں کو کھینچ لاتے ہیں ۔

بیماری سے پہلے جب بھی مدرسے آتا مدرسے کی مسجد، درسگاہوں اور خاص کر لنگر خانے میں لے جاتے اور زمین سے مٹی اٹھا کر میرے ہاتھ میں دیتے اور فرماتے کہ بسم اللہ شف کرکے اسے مدرسے میں اُڑ کر بکھیر دو ،تاکہ برکت آوے۔ (اس عمل سے ہمیں بھی اپنی بزرگی کا اچھا خاصا گھمنڈ پیدا ہوجاتا کہ ماشاء اللہ باچا صاحب جیسے قلندر ہمیں کچھ سمجھتا ہے تبھی تو یہ عمل کرواتا ہے لیکن) یہ عمل باچا صاحب کم و بیش ہر چھوٹے بڑے مولوی صاحب سے کرواتے اور اُس خوش فہمیوں میں اچھا خاصا اضافہ فرماتے ۔

میں نے کبھی اُن کو غصے یا طلبہ و خدام کو ڈانتے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔ اُن کی فقیری اور قلندری مسلم تھی۔ دور دور تک احباب و متعلقین کی غمی خوشی میں شریک ہوتے اور علماء کی عزت افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے ۔ میں جب بھی اُن کے پاس گیا طلبہ و خدام کے ایک ہجوم میں پایا کوئی اُن کے ہاتھ دباتا اور کوئی پیر مجھے اُن کے عاجزانہ اور کریمانہ اخلاق و انداز پر بہت رشک آتا اور بار بار ذہن میں یہ خیال گزرتا کہ کون احمق ہے جو کہتا ہے کہ علماء کی قدر نہیں اور زمانہ خراب ہوچکا ہے کوئی اپنے روِیوں اور بود و باش میں علم کی جھلک تو دکھا دے پھر دیکھے کہ زمانہ قدر کرتا ہے کہ نہیں؟ افسوس ہے اُن لوگوں پر جو عملی اخلاق سے تہی دامن ہیں اور بلاوجہ زمانے کو کوستے رہتے ہیں ۔علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یہ واقعی طور پر اپنے لوازمات کے ساتھ موجود ہو تو کوئی بھی اس کی بے توقیری کرنے کا یارا اور حوصلہ نہیں پاتا ۔ اللہ تعالیٰ علماء کو علم کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق اور خلوص وللّٰہیت کی دولت سے نوازے تو اہل دینا مجبور ہوکر خود بخود ان کے پاؤں پر گریں گے ۔

باچا صاحب آخری عمر میں ضعف کیساتھ ساتھ بینائی سے بھی محروم ہوگئے تھے لیکن اسکے باوجود خدام کے جھرمٹ میں تمام تعلقات کو بحسن و خوبی نبھاتے تھے ۔ وہ اپنے خاندان اور مدرسے کا ایک مضبوط سہارا تھے دعا ہے اللہ تعالیٰ دونوں کو اسکا بہترین نعم البدل عطا فرماوے۔ امید ہے اُن کے برادر خورد مولانا سید نثار اللہ ،اُن کے سب برخورداران بالخصوص مولانا منیب اللہ صاحب اور اُنکے لائق فائق بھتیجے مولانا انوار اللہ صاحب اس خاندان اور مدرسے کی شاندار روایات کو قائم رکھنے میں آخری حد تک سعی و کوشش کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ اُنکا حامی و مددگار ہو۔ آمین

قاضی محمد نسیم کلاچوی*

علم وتقویٰ کا بحرِ ناپید حضرت باچا صاحب ہم سے جدا ہو گئے

موت سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ۔ مرنا ہر کسی نے ہے لیکن خوش قسمت مرنے والا مسلمان وہ ہے جس کے لئے اعلان خداوندی قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ "فلھم اجرو غیر ممنون" کہ جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے توان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ بلکہ ان کا اعمالنامہ برابر لکھا جاوے گا۔ روایات میں صدقات جاریہ کی مثالیں شاہد ہیں۔ حضرت باچا صاحبؒ کے متعلق مضمون لکھنے کا حکم برادرم مکرم مولانا انوار الحق باچا صاحب نے دیا تو حقیقت یہ ہے کہ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کہاں باچا صاحب کی ذات بابرکات' صاحب علم وعمل صاحب کی کمالات وکرامات اور کہاں یہ بے علم وعمل آپ کے کمالات اور فضائل کا بیان مجھ ناچیز کی قوت سے باہر ہے۔ اس طمع سے کاغذ قلم اٹھایا کہ شاید خریدارن یوسف میں نام شامل ہوکر ذریعہ نجات بن جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تو بڑے رحیم وکریم ہیں۔ حضرت باچا صاحبؒ ایک جوہر'ایک موتی بے بہا تھے:

اللہ تعالیٰ نے ان کو جامع کمالات وصفات بنایا تھا۔ پندرہویں صدی کے اس پرفتن وپرآشوب دور میں درحقیقت باچا صاحبؒ اس روایت کے سچے حقدار اور مصداق تھے کہ اگر دنیا میں کسی جنتی کو دیکھنا ہوتوان کو دیکھئے اور واقعتاً باچا صاحب کو دیکھنے سے خدا یاد آجاتا تھا لیکن فیصلہ خداوندی تو نمودار ہونا ہی تھا اور ہوگیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سرندیدیم و بہار آخر شد

اور افسوس کہ یہ دولت بے بہا ہم سے بہت جلد چھن گئی اور ہائے افسوس کہ ہم ان سے کچھ حاصل نہ کرسکے۔ حضرت باچا صاحبؒ بہت سارے اوصاف حمیدہ کے مجموعہ بلکہ خزینہ تھے اور خاصان بارگاہ الٰہی میں سے تھے' کیوں نہ ہوتے کہ حضرت باچا صاحبؒ حضور اکرم ﷺ کی ہدایات او رتعلیمات کے پکے اور سچے عاشق اور دن رات ان پر عمل پیرا تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی طرز زندگی کے رنگ ڈھنگ سے رنگے ہوئے تھے۔

حضرت باچا صاحبؒ کے چند ایک خصوصی امتیازات میں فنا فی اللہ' تواضع (عاجزی) اور سخاوت ہر ایک

---

* مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی

کے مشاہدہ میں ہیں۔ پوری زندگی ایسی سادگی' ایسی عاجزی اور تواضع سے گزاری کہ فی زمانہ اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس علوم و معارف کے دریا زہد و تقویٰ قناعت' صبر و تحمل کے پہاڑ نے اپنے آپ کو ایسے مٹایا اور ایسا فنا کیا ہوا تھا کہ بالکل ایک مجذوب ہی معلوم ہوتے تھے' حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہئیت' وضع قطع' چال چلن' قول و فعل اور تقریر و تحریر سب میں عاجزی اور تواضع ٹپکتی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر زمین فرش پر تشریف فرما ہوتے' کبھی کسی مجمع عام و خاص میں تجھی امتیازی شان اختیار نہیں کی۔ آپؒ نام و نمود اور شہرت سے کوسوں دور بلکہ متنفر تھے۔ ساری عمر بہت خاموشی اور سادگی سے دین کی خدمت' امت کی اصلاح' خیر خواہی اور ہمدردی کرتے رہے۔ حضرت باچا صاحبؒ نے بہت محنت' ریاضت اور اطاعت' کتاب اللہ سنت رسول اللہ سے یہ اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ (اللھم ارزقنا اتباعہ آمین) باچا صاحبؒ نے ہر لحاظ سے ساری زندگی مخلوق خدا کی اصلاح میں گزاری۔ اہل شہر اور اہل علاقہ کے لئے دینداری کا بہت درد رکھتے تھے۔ ناچیز نے بارہا دیکھا ہے کہ جب صبح سویرے نماز کے لئے گھر سے روانہ ہوتے مسجد تک محلے کے جتنے گھر راستے میں پڑتے سب کے دروازے کھٹکھٹاتے اور نماز کیلئے ان کو بیدار کرتے اور دوزخ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔

باچا صاحبؒ کی شان تواضع مثالی تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ سردار دو جہان' صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات' ہدایات' تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ہی پڑھی تھیں اور حضور پرنور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی 'من تواضع للہ رفعہ اللہ'' ان کے دل و دماغ اور رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ اس حدیث پاک میں تواضع اور اس کا ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔ تواضع کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے اور دوسروں کو فی الحال یا فی المآل بہتر سمجھے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بلند مرتبہ اور بہت اونچا مقام دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں گے۔ حضرت باچا صاحبؒ کی ذات بابرکات میں یہ وصف بدرجہ اتم و اکمل موجود تھا۔ باچا صاحبؒ اس روایت کا عملی نمونہ تھے۔ شہر بلکہ علاقہ میں علمی نور پھیلایا۔ چمنستان علوم نبوت دارالعلوم اسلامیہ صرف باشندگان اضاخیل کے لئے نہیں پورے علاقہ کے لئے ایک مینارہ نور' ذریعہ ہدایت و رہنمائی جو جاری فرمایا ان کا بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ حضرت باچا صاحبؒ علوم نبوت کے پھیلانے اور عام کرنے اور مہمانان رسول اکرم ﷺ کی کتنی پاسداری کرتے تھے اور اس کے لئے کتنا بے چین اور بے آرام ہوتے تھے' اور دارالعلوم اور مہمانان رسول کریم ﷺ طالبان علوم نبویہ کی خاطر اس کبر سنی' ضعف و نقاہت اور بالآخر آنکھوں کی معذوری کے باوجود' رات دن' سردی گرمی کا احساس کئے بغیر کتنی تگ و دو کیا کرتے تھے۔ اور اس دارالعلوم کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں فضلاء و فاضلات جو اپنے آپ کو علوم دینیہ قرآن و حدیث نے نور سے منور کر چکے ہیں اور دنیا کیلئے رہبر و رہنما اور معلم و معلمات بن چکے ہیں اور یہ سلسلہ جوان شاء اللہ تا وقت موعود جاری رہے گا' تو کیا حضرت باچا صاحبؒ کا اعمال نامہ برابر لکھا

نہیں جائے گا اوران فضلاء وفاضلات کی ایک ایک نیکی اور ایک ایک حرف باچا صاحب کے درجات بڑھا نہیں رہے ہوں گے۔تو حضرت باچا صاحبؒ فارسی کے اس شعر کے ترجمان تھے کہ:

دلا تو رسم تعلق زمرغ آبی جو — کہ گرچہ غرقِ بدریا است خشک پر برخاست

اور اردو کے اس شعر کی زندہ مثال اور مصداق تھے کہ دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں' بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں۔حضرت باچا صاحبؒ کے وصال کے دوسرے اور تیسرے دن وہاں رہنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی' بہت احباب آتے رہتے ،جن میں علماء کرام' مشائخ عظام' ہرطبقہ عام و خاص کی زبان پر ایک بات قدرے مشترک تھی کہ باچا صاحبؒ کی جتنی محبت میرے ساتھ تھی کسی دوسرے سے نہیں' جتنی شفقت میرے ساتھ تھی شاید کسی کے ساتھ ہو۔حضور ﷺ کے متعلق صحابہ کرامؓ کی یہی رائے ہوتی تھی ہر صحابیؓ کا یہ دعویٰ ہوتا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کی جتنی محبت' مہربانی اور شفقت میرے ساتھ تھی دوسرے کے ساتھ نہیں احادیث کی کتابوں میں روایات صحابہؓ محفوظ ہیں۔

سخاوت:

"اَلیَدُ العلیا خیر من ید السفلیٰ" اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔اوپر والے ہاتھ سے دینے والے کا ہاتھ ہے۔حضور اکرم ﷺ نے کتنی عجیب تلقین فرمائی ہے کہ تم دینے والے بنو۔حضرت باچا صاحبؒ ہر خاص و عام چھوٹے بڑے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ اوپر رکھتے۔کیا شان تھی' حضرت باچا صاحبؒ کی کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک ایک حدیث پر کیسے خوش اسلوبی سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ان تمام محاسن کے بدلے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کتنی شان' کتنی عزت عطاء فرمائی اور آخرت کے درجات تو حسب حکم الٰہی اور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ان کو ملے ہوں گے۔اوراُن میں برابر اضافہ جاری ہوگا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو ان کے نقش قدم پر چلائے کہ ان کی زندگی اور موت قابل رشک ہے' ان کے نماز جنازہ میں عینی شاہدین کے بقول سارا علاقہ اُمڈ آیا گویا کہ انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔پورے علاقہ میں اتنا تاریخ ساز جنازہ نہیں دیکھا گیا' کوئی کسی بادشاہ' وزیر' مشیر' نواب' جاگیردار' سرمایہ دار' کوٹھیوں' بنگلوں والوں کا اتنا بڑا جنازہ بتا سکتا ہے؟

باچا صاحبؒ صالحین ربانیین کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھیے۔مرنے کے وقت ملائکہ کے ذریعہ صالحین کو بشارت دی جاتی ہے اور وہ عین نزع کے وقت پکار اٹھتے ہیں کہ "یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرّمین"' یقیناً باچا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آخری دم یہی آیت تلاوت فرمائی ہوگی۔اور صالحین مسبوقین کی معیت میں جنت کے اعلیٰ مقامات میں پہنچے ہوں گے۔

فیرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً

مولانا حامد الحق حقانی *

آہ! ہمارے روحانی شیخ و مربی
حضرت مولانا سید رحیم اللہ باچا صاحبؒ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

واحسرتاہ ! شیخ المشائخ ،قطب الاقطاب ،ولی کامل حضرت اقدس سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید رحیم اللہ باچا صاحب داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو گئے ۔اوراس فانی دنیا سے باقی دنیا کی طرف کوچ کر گئے ۔انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم باچا صاحب صحابہ کرام کی طرز زندگی کی جیتی جاگتی تصویر' تواضع وانکساری' محبت وخلوص' عاجزی وسادگی' للّٰہیت کا زبردست نمونہ تھے۔اکابر دیوبند تاریخ کی کتب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خطیب اسلام حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ وہاں پر حاضرین نے اُن سے محدث العصر علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے بارے میں گفتگو کرنے کیلئے کہا۔مولانا بخاریؒ صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں صرف ایک جملہ کہا' جس میں شاہ صاحبؒ کی ساری شخصیت کا احاطہ کردیا۔وہ جملہ یہ تھا: ''صحابہ کرام کا قافلہ جارہا تھا' انورشاہ بچھڑ گئے'' آج کے دور میں یہ جملہ ہم صرف اورصرف حضرت باچا صاحب کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ وہ قافلہ صحابہ کرام وقرنِ اول سے ایک بچھڑے ہوئے شخص تھے' جو ہم جیسے عاجزوں ،فقیروں' مسکینوں کوصحابہ کرام واولیاء کرام کی عاجزی وسادگی کانمونہ پیش کرنے کیلئے رہ گئے تھے۔

جب سے راقم نے ہوش سنبھالا ہے اُسی وقت سے حضرت باچا صاحب سے تعلق و خاطر کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ راقم کے خیال میں پہلی مرتبہ بالمشافہ استفادہ کا سلسلہ اُس وقت شروع ہوا جب حضرت باچا صاحب دارالعلوم حقانیہ کے تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول کے طلباء کوناظرہ قرآن پڑھانے کیلئے روزانہ

---

* مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اضاخیل بالا سے آتے تھے۔راقم اس وقت سکول کے ابتدائی کلاس کے طالب علم ہونے کے ناطے حضرت باچا صاحب سے ناظرہ قرآن پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

ایک مرتبہ دادا جان حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ کی معیت میں اضاخیل باچا صاحب کی دعوت پر جانا ہوا۔ جہاں پر انہوں نے مدرسہ کی زمین پر جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔اس موقع پر سینکڑوں علماء' صلحاء کا مجمع لگا ہوا تھا' تو سب سے پہلے کم عمر ہونے کی حیثیت سے مجمع میں حضرت دادا جانؒ اور حضرت باچا صاحبؒ نے مجھے کھدائی کے لئے حکم فرمایا۔ پھر دوسرے نمبر پر حضرت دادا جانؒ نے مسجد کی بنیاد رکھی۔اور یوں باچا صاحب سے انس ومحبت کا یہ تعلق بڑھتا گیا جو تادم وفات قائم و دائم رہا۔

باچا صاحب ہمارے غمگسار اور مجھ ناچیز سے عشق کی حد تک محبت وشفقت کرنے والے،شریعت وطریقت میں میری رہبری و رہنمائی کرنے والے اور مصیبتوں ،تکالیف و بیماریوں میں صبر، اللہ کی یاد میں اولعزم رہنے کی تلقین کرنے والے صوفی ،جن کا دل سخاوت کے سمندر سے بھی بڑا تھا۔جن کی جیبیں اور دسترخوان لنگر و خانقاہ 'مدرسہ اور گھر چوبیس گھنٹے غریب و امیر کیلئے برابر کھلے اور بچھے رہتے ۔جن کے نرم و نازک نورانی ہاتھوں کے لمس سے ہرطرح کے جسمانی ،روحانی، ذہنی، معاشرتی امراض میں گرے ہوئے چھوٹے بڑے بوڑھے مرد و زن دل و دماغ یعنی اطمینان حاصل کرتے۔دھیما لہجہ، نرم رازداری کی گفتگو،سادہ لٹھے کے کپڑے اور واسکٹ ،سفید عمامہ، کھلا چاک گریباں، سفید بڑی میلی مائل چادر اوڑھے ہوئے گھنی، لمبی داڑھی ،سنجیدہ خاموش ،پُرتبسم پُرنور چہرہ، پُراعتادی سے مجلس میں کسی کو ہدایات دیتے تو اپنے قریب کرکے اُن کے کان میں گفتگو کا انداز بیان بھی دل سے نہیں نکلتا۔دائیں ہاتھ میں لمبا عصا ،ٹخنوں سے اوپر چڑھی ہوئی شلوار،دبلے پتلے نازک پاؤں، مسنون چمڑے کے سلے ہوئے سادہ کھسّے پہنے ہوئے ،نحیف جسم اور لمبے خوبصورت قد کے مالک پچھلے پندرہ سال سے آنکھوں کی بینائی بھی آپریشن سے کھو بیٹھے تھے،جس کی وجہ سے دونوں ہاتھوں سے شاگردوں اور مریدین ہروقت دائیں بائیں تھامے رہتے۔کبھی سر پر صرف سادہ کپڑے کی ٹوپی پہنے ہوئے علما طلباء' حفاظ' معتقدین ومریدین بیٹوں بھتیجوں' نواسوں' پوتوں اور محبین کے جھرمٹ میں خاموش یا ہروقت دعا گو، ذکر الٰہی میں مشغول' نمازوں ونوافل میں بیٹھے کھڑے تلاوت و واعظ اور نصیحت و دلجوئی یا کسی کی تیمارداری کی فکر میں مصروف طرز زندگی میں ان کے عجیب فنا فی اللہ شخصیت کے ہزاروں اوصاف دنیا کے سامنے آشکارا تھے۔

ان کی موت کی خبر انتہائی المناک تھی، ۲۸رفروری بروز جمعۃ المبارک کی صبح نماز کے بعد ان کا

انتقال پر ملال ہوا۔ میں ان کے گاؤں پہنچ کر سب سے پہلے حضرت باچا صاحب کے چھوٹے بھائی اور موجودہ مہتمم حضرت مولانا سید نثار اللہ باچا صاحب' ان کے بڑے بیٹے سید احسان اللہ بادشاہ مقیم جرمنی' ان کے چھوٹے فرزند اور جانشین مولانا سید منیب اللہ حقانی اور مولانا عرفان اللہ اور بھتیجے مولانا سید انوار اللہ باچا حقانی ودیگر خاندان سے مسجد میں تعزیت کی اور مشورہ دیا کہ حضرت باچا صاحبؒ کو انکے صدقہ جاریہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ اضاخیل کی مسجد کے ساتھ ملحقہ اضافی ٹکڑے میں مدفون کیا جائے۔تو سارے صلحاء حضرات ان سے فیضیاب ہوسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان کے درجات بلند کرے'انہوں نے مجھ ناچیز کا مشورہ قبول کیا اور حضرت باچا صاحب کی قبر مدرسہ کیلئے وقف مقبرہ میں بنانا شروع کردی۔

جنازہ کا عجیب منظر تھا۔صوبہ اور علاقہ بھر کے لوگ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے وقت سے پہلے آن پہنچے۔مدرسہ کا احاطہ چھوٹا پڑ گیا' میں نے نماز جنازہ کے موقع پر اسٹیج پر خدمات سرانجام دیں اور تمام مشائخ و علماء کرام سے باری باری تقاریر کی درخواست کی اور چھوٹے باچا صاحب کی دستار بندی کا اعلان کیا۔اور حضرت باچا صاحب کے چھوٹے صاحبزادے مولانا منیب اللہ اور بھتیجے مولانا انوار اللہ کی بھی چھوٹے باچا صاحب کے مدرسہ میں نائبین کی حیثیت سے دستار بندی علمائے کرام سے کرائی۔ جنازہ سے پہلے نماز عصر میں نے اپنے چچا شیخ الحدیث حضرت مولانا انوارالحق صاحب سے پڑھوائی۔ جبکہ نماز جنازہ ان کے صاحبزادے مولانا منیب اللہ کے پڑھوانے کا اعلان کیا۔

ہر آنکھ اشکبار تھی' جنازے کی چارپائی کے اردگرد شیخ الحدیث حضرت مولانا شیر علی شاہ مدنی دامت برکاتہم' حضرت مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی' حضرت مولانا مولانا انوار الحق صاحب' شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم (دیر بابا جی) مدظلہ' مولانا مغفور اللہ صاحب' مولانا مفتی غلام قادر صاحب' برادر عزیز مولانا حافظ راشد الحق حقانی' مولانا عبدالقیوم حقانی' مولانا ارشد علی قریشی' برادر عزیز اسامہ سمیع' خزیمہ سمیع' برخوردارم عبدالحق ثانی' استاد مکرم مولانا عرفان الحق' مولانا لقمان الحق' مولانا سلمان الحق' مولانا بلال الحق حقانی' حافظ منظور احمد کے علاوہ علاقہ بھر کے سینکڑوں علمائے کرام' عمائدین سیاست و حکومت' باچا صاحب کے چاہنے والوں ہزاروں افراد جن کے اسمائے گرامی لکھنا مشکل ہے۔ان کے عقیدت مندوں کی تعداد کا اندازہ ان کے نماز جنازہ سے ظاہر ہوئی۔

☆ ☆ ☆

مولانا عرفان الحق حقانی*

درویش خدا مست، نمونہ اسلاف

حضرت مولانا رحیم اللہ باچا صاحب کی یاد میں

قحط الرجال کے اس گئے گزرے دور میں عظیم اساطین علم و ادب، معرفت حق کے شناور اور استقامت و عزیمت کے کوہ گراں یکے بعد دیگرے بڑی تیزی سے ہم سے رخصت ہوکر جارہے ہیں۔

علماء ومشائخ اور صلحاء کی دنیا سے رحلت تاریکی کا سبب:

ہر جانے والی شخصیت اپنے پیچھے بہت بڑی خلاء اور تاریکی چھوڑ رہا ہے افسوس ان جیسے لوگوں کے انتقال سے احسان وسلوک کی مجلسیں، وعظ وتذکیر کی محفلیں درس وتدریس کی مسندیں اور ذکر وفکر کے حلقے ماند پڑی رہی ہیں

ع خدا سے خیر مانگو آشیاں کی کہ نظر بدلی ہوئی ہے آسمان کی

حضور اقدس ﷺ کا ارشادِ گرامی قدر ہے ”یذهب الصالحون الأول فالاول ویبقی حفالة کحفالة الشعیر او التمر لا یبالیهم الله باله (بخاری جلد دوئم کتاب الرقاق باب ذهاب الصالحین)“

ترجمہ: نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے جائیں گے اور پیچھے انسانوں کی تلچھٹ رہ جائے گی جیسے جو یا کھجور کی تلچھٹ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ بھی پرواہ نا ہوگی۔

شاید اب ہمارا قلم بھی آئے روز کے حوادث کے سبب اب صرف نوحہ وغم کے لئے ہی مختص ہوگئے ہیں معروف بزرگ شخصیت، فنا فی اللہ درویش خدا مست جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم ترین فاضل، دارالعلوم اسلامیہ اضاخیل کے بانی وسرپرست اور سلسلہ قادریہ کے عظیم پیر طریقت حضرت مولانا سید رحیم اللہ باچا صاحب تین ماہ کی طویل علالت کے بعد جمعۃ المبارک کو علی الصبح ساڑھے چھ بجے 28 فروری 2014ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کرگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ع بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی اک شخص سارے جہاں کو ویران کرگیا

اوصاف عالیہ:

حضرت ان شخصیات میں سے تھے جن کے بارے میں یہ کہنا برحق ہے کہ عبادالله اذا رؤوذکر الله“ وہ

---

* مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے موصوف اس پندرویں صدی میں زمین پر صحابہ کرام کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ آپ ہر وقت حضرت حق جل مجدہٗ کے ذکر میں مگن، تقویٰ و تدین کا مجسم نمونہ، معرفت حق کے آئینہ دار، عجز و انکساری کے پیکر، نفس و انا سے کوسوں دور ادب و احترامِ دین کا جبل عظیم، من صمت فقد نجا کے بھید کو جاننے والے، روحانیت کے بحرِ بے کنار، تصنع و بناوٹ سے برطرف، نام و نمود و شہرت سے متنفر، ہمدرد و دردمند دل رکھنے والے اور نہ جانے ان جیسے کتنی بے شمار صفات عالیہ سے مزین تھے۔

داستاں میری: ع دوستوں سن لو تم کچھ میری داستاں اک دن پھر نہیں ہونگے دنیا میں ہم

کچھ عرصہ قبل احقر نے ایک مجلس میں ان سے سوانحی احوال قلم بند کیے جو کچھ یوں ہے آپ کے اجداد افغانستان کے ایک گاؤں غوڑہ مرغی سے ہجرت کر کے موجودہ گاؤں اضاخیل میں آباد ہوئے سلسلہ نسب یوں ہے مولانا سید رحیم اللہ بن سید عبدالودود بن سید رحمت اللہ بن سید منہاج الدین بن فصیح الدین بن عبداللہ بن شیخ مریم۔

جداعلیٰ کی پارسائی اور وزیر وقت کا ہدیہ تین دیہات لینے سے انکار:

آپکے جداعلیٰ شیخ مریم وہ عظیم بزرگ انسان تھے جن کی پارسائی سے متاثر ہو کر اس زمانے کے وزیر شجاع الملک نے اضاخیل، وزیر گڑھی اور پشتون گڑھی کے تین گاؤں بطور ہدیہ خدمت میں پیش کیے لیکن اس زاہد الدنیا شخصیت نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا وزیر مذکور نے ان سے عرض کیا کہ یہ آپ کے اولاد کے کام آئیں گے جس پر آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بچوں کی لڑائی کے لیے سامانِ دنیا نہیں چھوڑنا چاہتا۔ آپؒ اس شعر کے حقیقی تصویر تھے جو کہ غالباً امام شافعیؒ نے زہّاد اور تارک الدنیا بزرگوں کے بارے میں فرمائے۔

ان للہ عبادًا فطناً طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا

نظروا فیھا فلما علموا انھا لیست لحی وطنا

جعلوھا لجة واتخذوا صالح الاعمال فیھا سفنا

اللہ کے کچھ سمجھ دار بندے ایسے ہیں جنہوں نے دنیا کو طلاق دے دی اور دنیا کے فتنوں سے لرزاں و ترساں رہے انہوں نے اس دنیا کو دیکھا پس جب وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے کہ یہ کسی زندہ آدمی کے لئے (ہمیشہ کے لئے) وطن نہیں ہے تو انہوں نے اس دنیا کو ایک گہرہ سمندر قرار دے دیا (جسے کشتی کے بغیر عبور نہیں کیا جا سکتا) اور نیک اعمال کو انہوں نے اس میں کشتیاں بنا لیا۔

آپ کے خاندان میں طریقت کا جو سلسلہ اس وقت رائج ہے وہ قادریہ ہے۔

مختصر سوانح:

پیدائش ۴ جولائی ۱۹۲۳ء آپ کے چچا اور خسر مرحوم حقیقت اللہ صاحب نے قلم بند کیا ہے باچا صاحب نے عصری تعلیم مڈل تک حاصل کرنے کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل کا آغاز کیا۔ فقہ ادب اور طب کی ابتدائی اور اعلیٰ کتب اپنے تایا مرحوم مولانا فرخ اللہ سے پڑھیں۔ تقسیم ہند سے قبل طب کی عملی پریکٹس پشاور کے قومی دوا خانہ حکیم عبداللہ صاحب کے ساتھ شروع کی کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن پھر یہ لائن ترک کر دی صرف گھر میں ضرورت کی بناء پر دوائیاں وغیرہ بنانے کا سلسلے جاری رکھا۔ قیام پاکستان سے قبل اپنے گاؤں میں مولانا فرخ اللہ کے ساتھ تدریس قرآن کا سلسلہ انجام دیتے رہے۔

بانی دارالعلوم حقانیہ شیخ الحدیثؒ سے پہلی ملاقات:

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے پہلی ملاقات کے بارے میں فرمایا کہ میں ایک دفعہ جناب زیارت شاہ جنہیں اخی صاحب کے نام سے شیخ الحدیثؒ پکارا کرتے تھے کے ہمراہ اکوڑہ خٹک کے کسی صاحب کے جنازے پر آیا تو قبرستان میں اس نورانی شخصیت کو طلباء کے سامنے درس دیتے ہوئے پایا یاد رہے کہ شیخ الحدیث جدی المکرّم درس کا ناغہ کسی بھی صورت نہیں کرتے اگر کسی جنازے میں شرکت پیش آتی تو طلباء کو ساتھ قبرستان لے جا کر وہی درس دینے میں مشغول ہو جاتے بس اس ایک ملاقات میں باچا صاحب کے دل میں مولانا عبدالحق صاحب کی عقیدت گھر کر گئی۔ جنازے سے فراغت پر شیخ الحدیثؒ انہیں اپنے ہمراہ مدرسہ لے کر گئے جہاں ان کو دوپہر کا کھانا کھلایا۔

شیخ الحدیثؒ کا انہیں دورہ حدیث پڑھنے کے لئے روکنا:

پھر ایک مرتبہ باچا صاحب اپنے بھائی کو دینی تعلیم کی غرض سے شاہ منصور لے گئے جہاں ان کا دل نہ لگ سکا پھر آپ نے انہیں اگلے دن مولانا عبدالحق کی خدمت میں عصر کے نماز کے بعد پیش کیا جس پر مولانا صاحب نے باچا صاحب کو مشورہ دیا کہ اپنے اس بھائی فرمان اللہ کو فی الحال واپس بھیج دیں جب مڈل تک تعلیم حاصل کرلے تو پھر لے آنا تاہم باچا صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ ہمارے ہاں دورہ حدیث میں داخلہ لیں۔ باچا صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ فنون کی کچھ کتابیں مجھ سے رہ گئیں ہیں وہ بھی ساتھ پڑھوں گا مولانا صاحب نے فرمایا کہ وقت ہو تو کیوں نہیں، نور علی نور۔

قارئین کرام دیکھیے بانی دارالعلوم نے اس گوہر کو سیپیوں میں پہچان لیا یہ ان کی فراست مومنانہ تھی جس کی بدولت انہوں نے باچا صاحب کو حقانیہ میں تکمیل علم کیلئے روکا۔ باچا صاحب مرحوم روزانہ اپنے گاؤں سے سائیکل پر آتے اور پورے تعلیمی سال کے دوران ان کا کوئی ایک بھی ناغہ نہ ہوا یہ ان کا علمی شوق اور طلب صادق تھا جس نے انہیں اس عظیم منصب تک پہنچایا اس زمانے میں دارالعلوم حقانیہ میں لنگر کا انتظام نہ تھا ہمارے (شیخ الحدیثؒ کے) گھر سے

طلباء کیلئے زیادہ تر روٹیاں اور سالن پک کر آتا اور کچھ محلے کے گھروں سے جمع ہوتا۔جامعہ حقانیہ سے باچا صاحب نے ۱۹۵۱ء فراغت حدیث حاصل کی دورہ حدیث میں بخاری اور ترمذی شریف مولانا عبدالحقؒ سے پڑھی باچا صاحب نے فرمایا کہ آپ کے دادا مرحوم کی آواز نہایت پرکشش، بلند، سریلی اور مٹھاس سے لبریز تھی کلاس میں حدیث کی قراءت مولوی حبیب اللہ کے ذمہ تھی جلسہ تقسیم اسناد و دستار بندی کے موقع پر فضلاء کرام میں آپ کو سب سے پہلے سند فراغت سے نوازا گیا۔علم کی تکمیل کے بعد آپ نے گاؤں کے مسجد میں قرآن پاک کے درس کا آغاز کیا اور یہ سلسلہ گیارہ برس تک قائم رہا اس دوران گاؤں کی ایک مسجد (خوڑ نامی) میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

شادی کی تقریب اور عظیم علماء اور مشائخ کا لوگوں کو وعظ و نصیحت دنیا:

۱۹۵۲ء میں آپ کی شادی (نکاح) کی تقریب ہوئی۔جس میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب دارالعلوم کے اساتذہ، جامعہ اسلامیہ کے مہتمم مولانا باچا گل صاحب، شاہ منصور کے عظیم مفسر قرآن مولانا عبدالہادی اور عمرزئی کے معروف روحانی شخصیت شاعر و عاشق رسول ﷺ حاجی محمد امین صاحب کو مدعو کیا۔ان اکابرین نے تقریب شادی میں شرکت کر کے علاقے بھر کے لوگوں کو وعظ و نصیحت سے نوازا گویا اس طرح باچا صاحب کی شادی تبلیغ و دعوت اصلاح و وعظ اور روحانیت کی روح پرور مجلس بن گئی۔مولانا عبدالحق صاحب نے نکاح پڑھوایا جس میں اُن کے حکم سے چھوہارے تقسیم کیے گئے رات بھر مجلس وعظ قائم رہی سردی کا زمانہ تھا اکابر علماء اور مہمانوں کو سردی کی شدت سے بچانے کے لئے نوشہرہ سے کوئلے کی خصوصی انگیٹھیاں منگوائی گئیں تھیں باچا صاحب کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ان کا ڈیڑھ ہزار خرچہ اس پروگرام پر صرف ہوا۔

حج و زیارت حرمین کی سعادتیں:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ حرمین شریفین کی زیارت سے چھ مرتبہ مشرف ہوئے۔فرمایا کہ میں نے حج کا داخلہ کرنا چاہا تو پیسے کم پڑ گئے جس پر ایک ساتھی شیر محمد افغانی نے وطن جا کر اپنی آبائی زمین بیچ کر ستر ہزار افغانی روپیہ لا کر مجھے دیا اور کہا میں بھی ساتھ جانا چاہتا ہوں آپ اس سے اپنا اور میرا خرچہ کر دیجئے۔شیر محمد افغانی کسی زمانے باچا صاحب کے ہاں پھوڑے پھنسی کے دم کے سلسلے میں آیا تھا جو کہ یہاں آکر باچا صاحب کا گرویدہ ہو چلا اور پھر ادھر کا ہی ہو کر رہ گیا۔

بقول باچا صاحب انہوں نے پانچ دفعہ حج کے لیے داخلہ کیا لیکن ہر بار قرعہ اندازی میں نام نہ نکلتا۔اس پر احقر نے عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ آپ کے شوق و جذبہ عشق کو پروان چڑھا رہا تھا۔آخر کار چھٹی مرتبہ کامیابی ہوئی آپ نے پہلا حج میاں امیر شاہ کاکاخیل کی طرف سے (حج) بدل کا کیا۔

باچا صاحب کہتے ہیں کہ میں نے علماء سے استفتاء کیا کہ میں نے ابھی تک خود حج نہیں کیا تو کیا کسی دوسرے کی

طرف سے حج بدل کرسکتا ہوں؟تو بعض علماء نے فرمایا کہ ہاں جب کہ بعض نے جواب میں کہا کہ نہیں!! اس پر میں نے اس صاحب کو جو مجھے حج پر بھیجنے کا خواہش مند تھا کو ساری صورتحال کھل کر بیان کر دی کہ علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے لیکن وہ بضد تھے کہ میں حج پر صرف اور صرف آپ کو ہی بھیجوں گا اللہ تعالیٰ قبول فرمانے والا ہے حج پر جاتے وقت مولانا عبدالحقؒ صاحب نے انہیں ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔مولانا شیر علی شاہ نے اس موقع پر ایک بڑا گیلن نما ڈرم زم زم بھرنے کیلئے دیا کراچی سے بحری جہاز کے ذریعے جدہ روانگی ہوئی تین ماہ اس سفر میں لگے واپسی پر زم زم کے تین کین بھر کے لائے جن میں ایک دارالعلوم کے طلباء و اساتذہ کیلئے دوسرا جن کی طرف سے حج بدل کیا اس کیلئے اور تیسرا اپنے لیے مختص فرمایا۔کہتے ہیں کہ حج سے واپسی پر دارالعلوم کے بانی شیخ الحدیثؒ اور صدر مدرس مولانا عبدالحلیم صاحب تمام طلباء کے ساتھ استقبال کے لیے اکوڑہ اسٹیشن آئے تھے۔حج کے مصارف اس زمانے میں پندرہ ہزار تھے۔باچا صاحب گزشتہ بارہ برس سے بینائی سے مرحوم ہو گئے تھے لیکن اس نعمت سے محروم ہونے کے باوجود ان پر کوئی خاص فرق نہیں پڑا وہ رضا مولیٰ از ہمہ اولیٰ کے سرّ کو جاننے والی شخصیت تھے۔

حرم کے تقدس اور ادب کا لحاظ:

آپؒ کو جب کسی عازمِ حرم حاجی یا معتمر (زائر) کا علم ہو جاتا تو آپ کی عادت تھی کہ اُسے ہمیشہ ایک عدد سلا ہوا سفید تھیلا جوتوں اور دیگر سامان وغیرہ رکھنے کے لئے مرحمت فرماتے۔اس میں ان کو حرم کے تقدس اور ادب کا خیال ملحوظ رہتا۔تاکہ جوتوں وغیرہ کے ساتھ اگر کسی قسم کی گندگی لگی ہو تو حرم اس سے محفوظ رہے اور دوسری طرف زائرِ حرم کو جوتے اور چپل وغیرہ ادھر ادھر ہو جانے کا خطرہ بھی لاحق نہ ہو۔

مادرِ علمی دارالعلوم حقانیہ کا انوکھا ادب و احترام:

دارالعلوم حقانیہ کے علاوہ دیگر سینکڑوں مدارس کی سرپرستی آپ کر رہے تھے حقانیہ کے ساتھ اس قدر قلبی لگاؤ اور بھرپور رشتہ تھا کہ ضعف و نقاہت اور بڑھاپے کے اس عالم میں بھی تقریباً ہر ہفتہ دس دن میں ضرور تشریف لاتے تھے ان کا ایک عظیم وصف جس کا نظیر ڈھونڈنے سے نہیں ملتا یہ ہے کہ جب وہ مادرِ علمی حقانیہ تشریف لاتے تو سڑک پر سے ہی اپنے جوتے اتار کر بغل میں رکھ لیتے اور دارالعلوم میں پا برہنہ ہو کر پھرتے اللہ اکبر یہ ہے ادب واحترام کی انتہا جو اپنی مادرِ علمی میں چپل رکھنا بھی سوء ادب سمجھتے یہ ادب ہی تو تھا جس نے اس درویش کو پورے ملک کے علماء اور عامۃ الناس کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا میں نے ایک دفعہ کہا کہ آپ بیمار و کمزور ہے جوتے اتار کر پاؤں کنکریوں سے دکھتے ہیں ایسا نہ کریں تو فرمایا کہ مقدس اور پاک مقام کے بارے میں ''فاخلع نعلیك'' کا حکم الٰہی ہے جس طرح مسجد کا ادب لازمی ہے اسی طرح یہ مدرسہ بھی ہماری مسجد ہے دارالعلوم حقانیہ کے سالانہ اجلاسوں میں شریک ہوتے تو مجلس کے ایک کونے میں بیٹھ جاتے یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ عام انسان ہے یا وقت کا عظیم ولی اللہ

انسان کی شکل میں وہ ایک فرشتہ تھے۔

جودوسخا کا مظہر:

باچا صاحب کو اللہ تعالیٰ بلا کی سخا سے نواز رکھا تھا جو بھی آدمی آپ سے ملاقات کرتا انہیں دس روپے سے ضرور نوازتے علماء کرام کو خصوصی طور پر سو یا پانچ سو روپے عنایت فرماتے تھے۔سفید موٹا جوٹا قسم کا لباس ہمیشہ زیب تن فرماتے بدن کے اعتبار سے نہایت نحیف تھے دبلے پتلے اور ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آتے تھے لیکن باایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم روحانی قوت و طاقت سے مالا مال فرمایا جس کے طفیل چرانوے برس کی اس عمر میں بھی چلتے پھرتے نظر آتے ہر وقت لوگوں کی غمی خوشی اور اپنے مدرسے (اضاخیل) کے امور نمٹانے میں مصروف عمل رہتے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا مدرسہ ہی تھا گاؤں میں اکثر ملاقات کے لیے لوگ جاتے تو پرانی وضع کی بیٹھک میں ایک سخت قسم کی چٹائی پر لیٹے ہوتے دنیا کے سامان عیش وآرام سے وہ کوسوں دور رہتے۔

قرآن مجید سے عقیدت ومحبت:

قرآن کریم کی عقیدت ومحبت آپ کے دل میں رچی بسی تھی اسی عقیدت کے نتیجے میں آپ نے خود اپنی قلم سے قرآن تحریر کرنا شروع فرمایا جب کبھی کوئی اہم مہمان شخصیت یا کوئی عالم دین آپ سے ملنے آتا تو ان سے بھی آپ چند ایک آیاتیں لکھواتے ایک دفعہ احقر کو بھی چند سطریں لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔افسوس یہ کام تشنہ تکمیل تھا کہ آپ کی بینائی چلی گئی۔ پھر آپ نے یہ کام اپنے بیٹے مولانا منیب اللہ کے سپرد کیا جنہوں نے اس امر کی تکمیل کی۔تقریباً ہر مجلس کے اختتام پر آپ کی یہ عادت تھی کہ دعا سے قبل قرآن پاک کی تلاوت خود بھی باآواز بلند کرتے اور شرکاء مجلس سے بھی قرآن پاک سنتے تھے۔

حرم کے لباس احرام سے عقیدت:

ایک دفعہ حرم شریف میں حج کے بعد غالباً ملاقات ہوئی تو آپ کو احرام میں ملبوس پایا جو کہ کافی میلا ہو چکا تھا مولانا حامد الحق نے کہا کہ جی اب تو حج مکمل ہو گیا ہے یہ احرام کھول دیجئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وردی ہے یہاں کا مزا اسی لباس میں ہے۔

ہمارے خاندان میں جب بھی کسی بچی کی شادی ہوتی تو آپ خصوصی طور پر اس کے جہیز کے لئے چارپائی کا تحفہ ضرور بھیجتے آج ہم ان کی کس کس ادا کو یاد کریں گے۔

ع کیا خبر تھی کہ یہ زخم بھی کھانا ہوگا ہم آئیں گے تیری بزم میں اور تو نہیں ہوگا

آپ کے سامنے جب کسی بچے یا بیمار کو دم کے لئے پیش کیا جاتا تو آپ قرآن پاک کے آیات الشفاء اور اوّل و آخر'' وبالحق انزلناہ بالحق نزل '' پڑھ کر پھونک دیتے۔اکثر دعا دینے سے قبل تین ربنا(**ماخلقت ھذا**

باطلاً ....ربنا انک من تدخل النار .ربنا اننا سمعنا منا دیاً. .سورۃ ال عمران) پڑھنے کی عادت بھی تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا رات بھر نیند نہیں آتی ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ رات کی بے خوابی کا اثر دن کا معمولات پر نہیں پڑتا میں نے عرض کیا یہ آپ کی روحانی قوت وعظمت کی دلیل ہے۔

شیخ الحدیثؒ کی ان سے محبت:

فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ ہمارے خاندان کے ہر جنازے میں تشریف لاتے تھے صرف ایک دفعہ شدید علیل ہونے کی وجہ سے پیغام بھیجا خود نہیں آسکتا ہوں لیکن پھر جب جنازہ کا وقت ہو چلا تو باوجود نکاہت کے تشریف لے آئے اس حد تک کمزوری تھی کہ پھر انہیں چارپائی میں بیٹھا کر قبرستان لے جایا گیا اس سے حضرت باچا صاحب کے ساتھ دادا جان کی حد درجہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

آپؒ کے سامنے جب شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ یا دیگر اکابرین کا ذکر ہوتا تو آپ کے منہ سے بے اختیار لرزتے ہوئے آہ نکل جاتی۔

مدرسہ کے احاطہ میں تدفین کا مشورہ:

مولانا حامد الحق اور احقر عرفان الحق کی تحریک ومشاورت سے باچا صاحب کے بھائی اور جان نشین مولانا نثار اللہ صاحب نے مرحوم کو مدرسے کے احاطے میں دفنانے پر رضامندی اختیار کی ورنہ اس سے قبل ان کیلئے گاؤں کے قبرستان میں قبر کھدوائی جاچکی تھی۔

تین عظیم تبرکات سے مزین ہونا:

آپ کا نماز جنازہ آپ کے قائم کردہ مدرسہ اضاخیل میں بعد نماز عصر ادا ہوا جو کہ اضاخیل اور گرد ونواح کے تاریخ کا بے نظیر جنازہ تھا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس عظیم انسان کو رخصت کرتے وقت ہر طرف نظر آرہا تھا۔ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حقیقی حکمران ہوتے ہیں جو کہ لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں جنازے کی ادائیگی سے قبل ان کی جسد کو عام زیارت کے لیے مدرسہ میں لایا گیا اس سے قبل انکے گھر کی بیٹھک میں احقر کو خصوصی زیارت اور حضور نبی کریم ﷺ کے روزِ اطہر کی خاک مبارک ان کے سینے کے اوپر پھیلانے کی سعادت احقر کو حاصل ہوئی بیت اللہ شریف اور حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک کے اندرونی غلاف کے ٹکڑے بھی انکے کفن میں رکھے گئے جو کہ مولانا پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی حقانی نے خصوصی طور پر حضرت باچا صاحب کیلئے پیش فرمائے یہ اللہ کی دین (عطا) ہے اس بندہ خدا نے پوری زندگی رضائے مولیٰ اور حضور ﷺ کی اقتداء کے رنگ میں گزاری تو پس مرگ دنیا میں یہ تحائف خاصہ مل گئے آگے برزخی اور اخروی نعم کا تو حد وحساب ہی نہیں ”اللھم اجعل الجنة مثواہ “۔

☆ ☆ ☆

عبیدالرحمٰن شمسی، پشاور

حیات و حالات حضرت سید رحیم اللہ شاہ باچا صاحبؒ

ہمارے مخدوم و شیخ المشائخ حضرت سید رحیم اللہ شاہ بادشاہ صاحب، نوراللہ مرقدہ کی شخصیت کسی سے مخفی نہیں۔آپ واقعتاً ابدال دوراں تھے۔

پیدائش و ابتدائی تعلیم:

آپ کی سن ولادت ۱۹۲۳ء بمقام اضاخیل بالا نزد پبی ضلع نوشہرہ میں حضرت سید عبدالودود صاحبؒ کے گھر ہوئی، آپکے والد ماجد انتہائی نیک و پارسا شخص تھے۔آپ کے آباؤ اجداد میں شیخ مریمؒ جو مغلیہ دور میں بڑے عالم و زاہد شخص تھے، ان کو یہاں کے نواب نے یہ تمام علاقہ ہدیتہً دیا تھا۔مگر انہوں نے صرف یہاں (اضاخیل) میں سکونت اختیار کی۔دور دراز سے غریب لوگ یہاں آتے اور گھر کے لئے جگہ کا مطالبہ کرتے تو شیخ مریمؒ ان کو زمین دے دیتے اس طرح تمام علاقہ شیخ صاحبؒ کی برکت سے آباد ہوگیا۔

شیخ مریمؒ (افغانستان سے ہجرت کر کے باذن شیخ یہاں آکر آباد ہوئے تھے) کی اولاد میں سارے نیک متقی و مرجع خلائق گزرے ہیں، جن میں حضرت سید رحیم اللہ بادشاہ صاحبؒ بھی تھے۔آپ کا شمار پاکستان کے چوٹی کے بزرگوں میں ہوتا ہے۔آپ ہر عام و خاص کے لئے مرجع فیض و رشد تھے۔ان میں عوام کے علاوہ علماء و فقہاء و مشائخ کرام بھی آپ کسب فیض کیلئے تشریف لائے اور ڈھیروں دعائیں لیکر رخصت ہوتے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں حاصل کی پھر کتب دینیہ بھی یہیں سے پڑھیں۔اس زمانے میں مدارس شاذونادر ہوا کرتے تھے، طلباء ماہر فن سے کتاب پڑھنے دور دراز کیلئے مساجد کی طرف رخ کر کے اپنی علمی پیاس بجھاتے اور وہیں کسی مسجد میں رہتے تھے وہاں اگر نان شبینہ میسر ہوتا تو کھالیتے ورنہ بھوکے رہ کر اللہ کا دین سیکھتے، اب وہ محنت و مشقت کہاں؟ علم دین تو ہے مگر علم والے کہاں گئے۔وہ علم کیساتھ ساتھ عمل کے خوگر تھے، جس علم میں عمل ہوتا ہے وہ علم باقی رہ جاتا ہے۔

حضرت بادشاہ صاحبؒ کا ہر لمحہ ایسا ہوتا گویا کہ انہوں نے اس عمل کا چلّہ کیا ہوا ہے۔اور وہ اس پر استقامت سے عمل کرتے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ میں آمد:

آپ کا دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلے کا سبب یہ بنا کہ آپ اپنے چھوٹے بھائی سید فرمان اللہ صاحبؒ کو مدرسہ میں داخل کرنے کیلئے لائے تھے' جب حضرت عبدالحقؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے صرف اتنا کہا: آپ بھی یہاں داخل ہوجائیں۔آپ نے وہ بات بلاچوں و چرا قبول کی اور دورہ حدیث میں داخل ہوگئے' حالانکہ آپ نے اس سے قبل حدیث شریف کی کتابیں مختلف جگہوں سے پڑھی تھیں اور باقاعدہ دورہ حدیث کی کتب دارالعلوم حقانیہ کی قدیم مسجد میں تھی' وہاں سے ۱۹۵۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔آپ کا شمار دارالعلوم حقانیہ کے اولین طلباء میں ہوتا ہے۔آپ کے دورہ حدیث کے ساتھی مولانا بشیر احمد صاحب موضع اُچ ضلع دیر فرماتے ہیں کہ بادشاہ صاحب طالب علمی میں بھی نہایت پرہیزگار روزہ دار اور تہجد گزار تھے۔وہ فرماتے تھے کہ ہم چھٹی کے دن اکثر بادشاہ صاحب کے ہاں رات رہتے اور واپسی پر ان کی والدہ محترمہ ہمیں جوار کی روٹی وغیرہ کپڑے میں باندھ کر دیتیں اور دعاؤں کا کہتی تھیں۔

آپکا عقدِ نکاح ۱۹۵۲ء میں چچا کی بیٹی سے ہوا۔آپکو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹوں اور بیٹیوں سے نوازا۔بادشاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی شادی کا پیغام دینے گیا تو سب سے پہلے (سائیکل پر بیٹھ کر) فخر کشمیر حاجی محمد امین صاحب کے پاس گیا تھا پھر دیگر مشائخ کے پاس گیا' میری شادی کے پہلے مہمان بھی حاجی محمد امین صاحب تھے۔

بادشاہ صاحب اور علم طب:

آپ نے کچھ علم طب بھی سیکھا۔نوشہرہ کینٹ میں حکیم رفیع الدین کے بڑے بھائی حکیم الدین حاذق طبیب تھے۔آپ نے اپنے ہاتھ سے قرآن پاک بھی لکھا جواب بھی موجود ہے۔آپ نے دیکھا کہ علاقے کے لوگ دین کے حاصل کرنے سے محروم ہیں تو اپنے ہی علاقے میں ۱۹۸۳ء کو حضرت عبدالحقؒ کے دست مبارک سے دارالعلوم الاسلامیہ کی بنیاد رکھوائی' اس مدرسہ کو حقانیہ ثانی کہتے تھے۔مجھے یاد آیا کہ شیخ الاسلام قاری محمد طیبؒ دارالعلوم حقانیہ جب تشریف لائے تو خطاب کے دوران حقانیہ کو دیوبند ثانیؒ کہا تھا۔اسی دیوبند ثانی کے بانی نے دارالعلوم اسلامیہ کو حقانیہ ثانی کا لقب دیا یعنی یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا سگا پوتا ہوا۔

یادداشتیں:

☆ آپ فرماتے تھے کہ میرے پاؤں کا سائز اور شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ کے پاؤں کا سائز ایک تھا۔وہ جب بھی دارالعلوم حقانیہ آتے تو ان کی خدمت میری ذمہ داری ہوتی اور جب وہ قضائے حاجت کے لئے جاتے تو میرے جوتے پہن لیتے۔

☆ ایک مرتبہ فرمایا کہ میرا موضع پبی میں کوئی ضروری کام تھا میری سائیکل خراب تھی' تو میں نے عاریتاً کسی

سے سائیکل مانگ لی۔ دینے والے کی غالباً دلی رضامندی نہ تھی مگر اس نے بظاہر کچھ نہ کہا' بادشاہ صاحب سائیکل پر سوار ہوکر جب آدھے راستے پہنچے تو ٹائر پنکچر ہوگیا' اس وقت وہاں پنکچر والا بھی کوئی نہ تھا' کہتے ہیں کہ میں وہ سائیکل پیدل گھر لایا اور وہاں پنکچر لگوا کر اس کے حوالہ کی اور توبہ کی کہ آئندہ کسی کی مرضی کے بغیر کوئی چیز استعمال نہ کروں گا۔

تقویٰ اور احتیاط:

☆ ایک مرتبہ عبیدالرحمٰن جس کو بادشاہ صاحب طالب جان کہہ کر پکارتے تھے' دارالعلوم تقویٰ میں نیا نیا داخلہ لیا تھا لہٰذا دارالعلوم میں طلباء کی رہائش کا انتظام نہ تھا۔شروع میں ایک جگہ کسی طالب علم کی مسجد میں گیا وہاں جگہ نہ ملی پھر کسی دوسری جگہ گیا' وہاں جگہ نہ ملی اسی طرح تین چار دن رہائش میں کافی پریشانی ہوئی بالاخر سوچتے سوچتے مدرسہ اسلامیہ بادشاہ صاحب کو ملنے آگیا تاکہ وہ اس کیلئے بھی دعا کریں اور رہائش کا بندوبست بھی کردیں۔ طالب جان نے عرض کیا بابا جان مجھے مدرسہ میں رہنے کی اجازت دیں کہ میں یہاں رہا کروں اور پڑھنے دارالعلوم تقویٰ جایا کروں تو شفقت کی بناء پر فرمایا کہ بیٹا میرے گھر کی بیٹھک میں رہو' صبح وشام کھانا گھر سے آجایا کریگا مگر مدرسہ میں ہرگز نہ رہو کیونکہ یہاں دوسرے مدرسے کے طالب علم کے رہنے کا جواز نہیں بنتا اور میں پائی پائی کا حساب کیسے کروں گا۔ میں بابا جان کے تقویٰ اور کمال احتیاط کی طرف دیکھ کر حیران ہوا۔

تواضع اور خدمت خلق:

حاجی محمد نوید صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم بادشاہ صاحب کے ساتھ دور دراز سے سفر کرکے مدرسے آگئے رات کا وقت تھا' تھکاوٹ بھی کافی تھی' لہٰذا بادشاہ صاحب نے فوراً چارپائی پر میرے لئے بستر کا انتظام فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں سوگیا رات کو اوپر اتنا دباؤ پڑ گیا گویا کسی نے چار پانچ کمبل ڈال دیئے ہوں اور میرا دم گھٹ رہا ہو' فوراً میری آنکھ کھلی دیکھا تو بادشاہ صاحب زمین پر لیٹے ہوئے ہیں۔ میں شرم سے نیچے اتر آیا اور دل میں نہایت شرمندہ ہوا۔

حضرتؒ کی فراست:

☆ ایک مرتبہ عبیدالرحمٰن دارالعلوم تقویٰ سے پشاور آرہا تھا' خدا کی شان کہ اس وقت میرے پاس صرف پانچ روپے تھے' دل میں سوچا کہ آج کسی سے قرض نہیں لینا۔خاموشی سے پیدل پشاور کی طرف روانہ ہوگیا' امانگڑھ پہنچ کر خیال آیا کہ بس میں بیٹھ جاؤ اور پانچ روپے دے کر اضاخیل اتر جاؤں' وہاں بادشاہ صاحب کچھ ہدیہ دیں

گے وہاں سے لے کر گھر تک کرائے کا بندوبست ہوجائے گا۔ غالباً بادشاہ صاحب کے ہاں اس دن کافی مہمان تھے' ان کے ساتھ مصروف ہونے کی بنا پر میں کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اجازت ودعا لے کر نکل آیا اور دل میں پیدل پشاور آنے کا سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ایک طالب علم بھاگتا ہوا آیا کہا کہ بادشاہ صاحب بلا رہے ہیں۔ جب گیا تو مجھے دس روپے عنایت کئے پھر رخصت کیا' میں ان کی فراست دیکھ کر حیران ہوگیا اور دل میں ان کے لئے بہت سی دعائیں کیں۔ اور وہاں سے ۱۰ روپے میں گھر پہنچ گیا۔

حضرت پیر عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب فرماتے ہیں کہ میں جب بھی بادشاہ صاحب کی ملاقات کے لئے ان کے پاس جاتا' وہ حج کے سفر کیلئے پہلے سے مجھے تھیلی دے دیتے' میں دل میں خیال کرتا انشاء اللہ مجھے اس سال ضرور حج کرائے گا' لہٰذا جس سال بھی انہوں نے سفر کے لئے تھیلی دی' اس سال حج کی توفیق ملی۔

آپ تقریباً دس سال سے بصارت سے محروم تھے۔ مگر آخری دم تک بصیرت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

وفات اور تدفین:

آپ کی وفات ۹۱ سال کی عمر میں بوقت صبح صادق تقریباً ۴ بجے بروز جمعۃ المبارک ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۸ فروری ۲۰۱۴ء کو ہوئی۔ آپ کا نماز جنازہ آپ کے خلیفہ مجاز اور فرزند مولانا پیر منیب اللہ باچا صاحب نے پڑھایا۔ جنازے میں اتنا ہجوم تھا کہ گویا انسانوں کا سیلاب ہے' مدرسے میں جگہ کم پڑنے کی وجہ سے کھیتوں میں لوگ کھڑے تھے اور روڈ پر گاڑیوں کا اتنا رش تھا کہ جی ٹی روڈ پر پارکنگ کی جگہ کم پڑ گئی تھی۔ آپ کی تدفین مدرسہ کے احاطہ شمال میں تدفین کی گئی۔ تدفین کے دوران ہزاروی صاحب نے بیان کرتے ہوئے لوگوں کو اتباع سنت کو کہا جس میں اہم سنت داڑھی پر کافی زور دیا' وہاں کئی افراد نے بیان سن کر اور آپ ﷺ کی قبر اطہر کے غلاف کو دیکھا کہ وہ بادشاہ صاحب کے چہرے پر مَل رہے تھے' درجنوں لوگوں نے داڑھی رکھنے کا تہیہ کرلیا۔ اللہ ان کو اس عزم پر استقامت نصیب کرے۔ آمین۔

حضرت مولانا سمیع الحق آپ کے ایام علالت میں فرمانے لگے کہ حضرت باچا صاحب دارالعلوم کا سرمایہ اور برکت العصر ہیں' آپ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہیں مسلمانی

☆ ☆ ☆

مولوی محمد نعیم حقانی

پیر طریقت رہبر شریعت مولانا رحیم اللہ باچا صاحبؒ کی آخری وصیت

وصیت کرنا ایک سنت عمل ہے،اس لئے علماء اور صالحین دنیا سے کوچ کرتے وقت اصلاح اُمت کی خاطر وصیّت کردیتے ہیں،تاکہ وہ اس پر عمل کرکے فلاحِ دارین حاصل کریں۔حضرت باچا صاحب نے بھی آخری وصیت کرتے ہوئے فرمایا!

☆ کلمہ طیبہ استغفار اور درود شریف کا ورد کثرت سے کیا کرو،(درود ابراہیمی کا ثواب بہت زیادہ ہے)

☆ لوگ دنیوی امور کے لئے وکیل سے رجوع کرتے ہیں جبکہ ہمارا وکیل اللہ ہے،''یااللہ، یاوکیل'' اسماء الحسنی اور نبی کریم ﷺ کے اسمائے مبارکہ سے سارے بگڑے کام سنور جاتے ہیں۔

☆ علم حاصل کرو اور قرآن مجید کی تلاوت زیادہ کیا کرو۔

☆ جوکوئی یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے گفتگو کرے تو قرآن مجید کی تلاوت کرلیا کرے۔

☆ جوکوئی چاہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرے تو نوافل کا اہتمام کرے۔

☆ اگر کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھے۔

☆ ہر اچھی بات سنو اور اس پر عمل کرو، بری بات نہ سنو اور نہ اس پر عمل کرو۔

☆ کھانے پینے میں وسعت سے کام لو اور بخل اور کنجوسی سے بچتے رہو۔

☆ سخی انسان اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہوتا ہے اور فرشتوں اور انسانوں کا بھی۔

☆ اگر بخیل انسان کے پاس دولت ہو تو اسے خرچ کرنے کو اس کا دل نہیں کرتا۔

☆ بخیل نہ خود کھاتا ہے اور نہ دوسروں کو دیتا ہے۔

---

* متخصص بجامعہ دارالعلوم حقانیہ

☆ جب انسان بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے گناہ جھڑتے ہیں۔

☆ صحت کی دعا کرو لیکن عبادت کے لئے۔

☆ موت اچانک آتی ہے، اِسلئے کہ جب صبح ہو تو شام کی امید نہ رکھو اور جب شام ہو تو صبح کی امید نہ رکھو۔

☆ طمع، منع، جمع اور بھیک سے پرہیز کرو اور صدقات دیا کرو۔

☆ لایعنی کاموں سے بچو، جھوٹ نہ بولو، کیونکہ جھوٹ ہلاکت ہے ہمیشہ سچ بولو۔

☆ ساخت لکھا کرو۔صرف ''بسم اللہ'' بھی ہر مرض کی تعویذ اور ساخت ہے۔دم درود کرنا سنت عمل ہے، اس پر کچھ طلب نہ کرو اور اگر کوئی بخوشی دے تو لینے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ سورۃ فاتحہ میں ہر مرض کی شفا ہے۔

☆ بہترین کام وہ ہے جو کم ہو لیکن اس میں رہنمائی زیادہ ہو۔

☆ نماز فجر کے بعد سورت یٰسین، ظہر کے بعد سورت نوح، عصر کے بعد سورت نباء، مغرب کے بعد سورۃ واقعہ اور عشاء کے بعد سورت تبارک الذی پڑھا کرو۔

☆ سورۃ تغابن سے بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

☆ مال و اولاد فتنہ ہے (انما اموالکم و اولادکم فتنہ)

☆ آپس میں لڑائیاں اور جھگڑوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، کیونکہ جو اس سے اپنے آپ کو بچاتا ہے تو فرشتے مخالفین کو اس کی جگہ جواب دیتے ہے۔

☆ کسی سے بائیکاٹ اور قطع کلامی نہ کرو۔

☆ جو کوئی ایک نماز قضا کر دے اس کو روزِ قیامت 6400 سال تک عذاب ملے گا۔

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے خاندان اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے قلبی لگاؤ اور تعلق کو ہمیشہ کے لئے رکھنا۔

☆ جو بھی کوئی ملاقات کے لئے آتا تو اُسے ہمیشہ داڑھی رکھنے کی ترغیب دیتے۔

☆ ☆ ☆